تُم آخری جزیرہ ہو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

آمنہ ریاض

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

تم آخری جزیرہ ہو

کار ایک خفیف سے جھٹکے سے رکی تھی۔

اس نے زور سے آنکھیں بھینچ کر دوبارہ کھولیں تو ونڈ اسکرین سے باہر کا منظر پہلے جیسا ہی تھا ملگجے سے اجالے میں اٹی سڑک کے اطراف میں کھیتوں کا پھیلاؤ اور سیب کی قاش جیسا زرد روسا چاند آسمان کے کنارے پر ٹنگا تھا۔

کار رکی تو چاند کا سفر بھی تھم گیا۔

علی نے ایک گہرا سانس بھر کر اسے دیکھا بمشکل بیس منٹ کی ڈرائیو کے دوران اس نے چوتھی بار کار کو بریک لگایا تھا حمنہ نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر انگلیاں آنکھوں پر رکھ لیں۔

"نجانے کیا ہے۔ مگر میرا دھیان ڈرائیونگ میں لگ ہی نہیں رہا۔"

اس نے چڑچڑے پن سے کہتے ہوئے کار آگے بڑھائی تب علی نے بغور اسے دیکھا اس کے انداز سے کچھ بے چینی سی ہویدا تھی وہ دونوں ایک قریبی دوست کے فارم ہاؤس سے واپس آرہے تھے جہاں متعلقہ دوست کی دعوت ولیمہ کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ رات گئے تقریب کا آغاز ہوا سو جب تقریب اختتام تک پہنچی تو موذن مسجد میں فجر کی اذان دے چکا تھا اسی حساب سے ان کی واپسی ہوئی تھی علی کے سر میں درد تھا پھر نیند کے معاملے میں بھی وہ کچھ کچا تھا تبھی ڈرائیونگ سیٹ حمنہ نے سنبھال لی۔ علی نے اس کی پیشانی چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے اس نے نرمی سے ہٹا دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں کچھ نہیں ہے علی۔ بس یونہی بے چینی سی ہے۔"

"تم گاڑی روکو اب میں ڈرائیو کر لیتا ہوں۔"

مگر حمنہ نے نفی میں گردن ہلا دی علی محض اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے ہاسپٹل میں آئے ہوئے کسی کیس کے بارے میں بات کرنے لگا وہ دونوں ہی میڈیسن کی فیلڈ سے وابستہ تھے اسی لیے ایک دوسرے کے پاس آنے والے کیسز ڈسکس کرتے رہتے تھے اب بھی یہی ہوا تھا علی نے بات شروع کی تو اس کی دلچسپی خود بخود پیدا ہو گئی دھیان بٹا تو بے چینی بھی دل کے کونوں میں منہ چھپانے لگی۔ کار کے بند شیشوں سے باہر روشنی تاریکی کی چادر میں شگاف ڈال رہی تھی آسمان پر چاند مبہم ہونے لگا تھا دو اوقات کے ملنے کا وقت شاید اتنا ہی مسحور کن ہوتا ہے۔ سب کچھ اتنا اچھا اچھا سا محسوس ہونے لگا تھا۔

اس نے ایک بھرپور نگاہ اطراف میں ڈالی قدرت کا جوبن عروج پر تھا علی اس کی بے توجہی سے اکتا کر ہی غالباً آنکھیں موند چکا تھا۔

"میں کسی کھیت سے تازہ مولی توڑ کر کھانا چاہتی ہوں۔" اسے اپنی کچھ عرصہ قبل کی یہ خواہش یاد آئی تو ساتھ ہی مسکراہٹ بھی لبوں پر پھیل گئی کچھ خواہشات جتنی سرعت سے دل میں اپنی جگہ بناتی ہیں اتنی ہی تیزی سے متلون مزاج کرائے دار کی طرح کہیں اور منتقل بھی ہو جاتی ہیں۔ اول تو آس پاس کہیں مولی کا کھیت تھا ہی نہیں جو اگر ہوتا تو بھی کون سا اس نے اپنی خواہش پوری کر لینی تھی بھر فی الحال گھر پہنچنے کی جلدی تھی جہاں لالہ رخ کو آیا کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا تھا اگرچہ ایسا پہلے بھی ہو جاتا تھا لالہ رخ کی آیا خاصی بھروسہ مند عورت تھی مگر وہی "بے چینی۔"

اس نے ایک بار پھر اپنی توجہ باہر کی جانب مبذول کی کھیتوں کے کناروں پر کچھ ٹنڈ منڈ درخت بھی تھے ایک برگد کا پیڑ اپنے گھنے جھنڈ کے باعث آسیب زدہ سا لگتا تھا۔ سیرابی نالے کا پانی ساکت تھا گندم کے کھیت میں دور تک جاتی پگڈنڈی بیزار سی پڑی تھی سیاہ رنگ کی ایک گٹھڑی سی تھی جس سے ایک ہاتھ جھانک رہا تھا۔ آسمان پر بگلوں کی قطار دکھائی دینے لگی تھی۔ چڑیوں کے غول کے غول اڑے جاتے تھے واقعی یہاں کتنا کچھ تھا دیکھنے کے لیے۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی مگر ڈائل پر نظر پڑنے سے پہلے ہی وہ چونک گئی۔

پگڈنڈی پر پڑی گٹھڑی سے ہاتھ ہی نہیں ایک پاؤں اور ٹانگ جھانک رہی تھی۔

اس کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا رکا۔ علی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ اس نے بالکل ایسی نظروں سے حمنہ کو دیکھا گویا پوچھ رہا ہو کہ اب کیا مصیبت ہے؟ مگر حمنہ کے تاثرات نے اسے کچھ بھی کہنے نہیں دیا اس کے چہرے پر سراسیمگی رقم تھی اور وہ پوری کی پوری پیچھے کی جانب گھومی ہوئی تھی۔

"وہاں کوئی ہے علی۔" اس کا لہجہ لکنت زدہ تھا علی کی حیرت بجا تھی۔

"کہاں؟" حمنہ کی نظروں کے تعاقب میں اس نے بھی بیک اسکرین کی جانب دیکھا۔

"وہاں اس پگڈنڈی پر۔"

"کوئی جانور ہو گا۔"

"نہیں جانور نہیں ہے میں نے خود کسی کا ہاتھ دیکھا ہے۔ اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے؟" اپنی تشویش

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

انداز میں خیال ظاہر کرتی وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول چکی تھی علی نے میکانکی انداز میں پہلے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا پھر ہاتھ بڑھا کر دروازہ بھی بند کر دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ایسی سنسان جگہ پر لوگ دوسروں کی مدد کی غرض سے بھی موجود رہتے ہیں۔" اس کا لہجہ تنبیہی تھا حمنہ نے پل بھر کو علی کی شکل دیکھی مگر اس پل دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا ارتکاز ایک ہی نقطے پر گویا منجمد ہوا تھا۔

"کیا پتا وہ کوئی زخمی ہو یا۔"

"چور" ڈاکو" راہزن ہو۔" علی نے درشتی سے اس کی بات قطع کر دی حمنہ نے جھنجلائے ہوئے انداز میں بازو اس کی گرفت سے آزاد کروایا۔

"وہ ضرور کوئی لڑکی ہے اس کا چہرہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔"

"آج کل عورتوں کے ذریعے ہی وارداتیں کروائی جاتی ہیں۔" وہ بضد تھا۔

"فار گاڈ سیک علی۔" وہ مزید جھنجلائی۔ "آپ یہاں بیٹھ کر یہی باتیں سوچتے رہیں میں جا رہی ہوں اسے دیکھنے۔" وہ نا کچھ سنے باہر نکل گئی۔

"رکو میں بھی آتا ہوں۔" وہ بیزاریت سے باہر نکلا اب ظاہر ہے اسے تنہا تو نہیں جانے دیتا روشنی کافی پھیل چکی تھی البتہ اندھیرے کا خفیف سا احساس ابھی بھی فضا میں باقی تھا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا حمنہ تک آیا البتہ حمنہ کی طرح پگڈنڈی پر نہیں اترا تھا وہ کنارے پر رک کر حمنہ کو اس وجود پر جھکا دیکھ رہا تھا ساتھ ہی اس نے محتاط سی نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ خاموش فضا میں چڑیوں کی نوخیز چہکار دراڑیں ڈال رہی تھی دو ایک آوارہ کتے بھی تھے اور ان کے علاوہ وہاں کسی انسانی وجود کا نام و نشان تک نہ تھا۔

"بہت زیادہ زخمی نہیں ہے معمولی چوٹیں ہیں مگر بیہوش ہے۔" تشویش سے ہاتھ مسلتے ہوئے حمنہ اسے بتا رہی تھی۔

"علی آپ گاڑی یہاں تک لے آئیں کچھ نیم بیہوشی کی سی کیفیت ہے اس لڑکی کی۔ میرا خیال ہے گاڑی میں تو خود سے چل کر بیٹھ جائے گی۔" علی کو گویا کرنٹ لگا تھا۔

"ہم اسے کہاں لے کر جائیں گے۔" اسی وقت اس کے موبائل کی بیپ بجنے لگی۔ اس نے جھنجلا کر بنا نمبر چیک کیے فون کان سے لگا لیا۔

"علی بھائی! ایک خوش خبری سنیں۔" رسمی علیک سلیک کے بنا ہی اس نے بڑے پرجوش طریقے سے کہا مگر علی کی تمام تر توجہ فی الحال اس "خبر" پر تھی جو پگڈنڈی پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔

"میں تھوڑی دیر بعد تمہیں کال کرتا ہوں۔" حمنہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے سیل فون آف کر دیا۔

"جو بھی ضروری ٹریٹمنٹ ہے وہ ہم اسے یہیں دے دیتے ہیں مگر ہاسپٹل لے کر نہیں جا سکتے تمہیں اچھی طرح اندازہ ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے ہم دھر لیے جائیں گے۔"

"تو میں نے کب کہا ہے کہ ہم اسے ہاسپٹل لے کر جائیں ہم اسے گھر لے کر جائیں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"واٹ۔" حمنہ کے اطمینان کے جواب میں علی کا ردعمل شدید تھا۔
"کیا تم پاگل ہو چکی ہو حمنہ۔ پتا نہیں یہ لڑکی کون ہے کہاں سے آئی ہے اس کی حالت ایسی کیوں ہوئی ہے؟ اور تم چاہتی ہو کہ بنا سوچے سمجھے ہم اسے گھر لے جائیں۔"
"میں نے سوچ لیا ہے۔" حمنہ نے دو ٹوک کہا۔ "میرا پروفیشن مجھے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ محض کیا' کیوں اور کیسے کی وجہ سے میں کسی کو تڑپتا ہوا بے یار و مددگار چھوڑ جاؤں۔ پھر کچھ دیر کی ہی تو بات ہے جیسے ہی اسے ہوش آئے گا ہم اسے اس کے گھر پہنچا دیں گے۔"
"یہ وقت یوں جذباتی ہو کر کوئی کام کرنے کا نہیں ہے حمنہ۔ ہم اس لڑکی کی وجہ سے کسی مصیبت میں بھی پھنس سکتے ہیں۔" علی نے مصالحانہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"یہ وقت یوں کٹھور پن ظاہر کرنے کا بھی نہیں ہے علی۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس لڑکی کی مدد کرنے کی وجہ سے ہم کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے سے بچ جائیں۔"
علی کی جھنجلاہٹ عروج پر پہنچ گئی حمنہ کی رقیق القلبی کبھی کبھی بلکہ اکثر و بیشتر یونہی جاگ جاتی تھی اور ایسے میں اسے کچھ بھی سمجھانا تقریباً" ناممکن سا ہو جاتا تھا اس وقت بھی وہ اپنی بات مکمل کر کے واپس پگڈنڈی پر اتر گئی تھی۔
علی جھلائے ہوئے انداز میں کار کی جانب بڑھ گیا باقی کا سارا راستہ اس نے اس پل کو کوستے ہوئے گزارا تھا جب اسٹیئرنگ اس نے حمنہ کے حوالے کیا۔

☆ ☆ ☆

وہ بیدار ہوئی تو ارد گرد صرف سناٹا تھا اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں ابھی اٹھنے کا قطعی ارادہ نہیں تھا کچھ پل یونہی گزارے تو اس نے کروٹ بدل لی کھڑکی کے کھلے پٹ سے آنے والی تیز روشنی نے پل بھر میں بینائی میں خلل ڈالا تھا اس نے فوراً" آنکھوں پر دونوں ہتھیلیاں رکھ لیں۔
کچھ پل خاموشی سے سرک گئے تبھی اسے احساس ہوا کہ آج فضا میں گل چین کی مہک مفقود ہے اسے حیرانی نہیں ہوئی البتہ کسی کمی کا احساس ضرور ہوا تھا۔
کھڑکی سے جھانکتے آسمان کا رنگ بھی بدلا بدلا سا تھا نہ کسی کبوتر نے اڑان بھری نہ کسی پرندے کی چہکار گونجی۔ وہ نیند سے جاگی تھی پھر فطرتاً" بھی کچھ لاپرواہ سی لڑکی تھی کوئی تبدیلی کی طرف دھیان دلاتا تو احساس چونک جاتا پھر وہ معصومیت سے کندھے اچکا دیتی۔
"اچھا ایسی بات ہے حیرت ہے مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" کہہ کر ایک طرف ہو جانے والی۔
اس وقت بھی یہی ہوا تھا اپنے ارد گرد کی دونوں تبدیلیاں اسے معمول کا ہی حصہ لگی تھیں۔ البتہ نچلے صحن سے دادو جی کی آواز نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی کچن میں برتن بج رہے تھے۔
"مطلب زین تو گھر پر نہیں ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ذہن و دل تفکرات سے آزاد ہوں تو نیند کے خوشگوار جھونکے یونہی مہربان رہا کرتے ہیں اور پھر اسے فکریں پالنے کی ضرورت تھی بھی کیا۔ اول تو اللہ کا کرم ہی اس قدر تھا کہ غم پریشانیاں دور دور سے اسے دیکھ کر حسرت آنکھوں میں لیے کسی اور سمت میں چلی جاتیں اور جو کبھی کوئی غم پریشانی قریب آتا بھی تو اس کے اپنے ڈھال کی طرح اس کے سامنے تن جاتے تھے۔

وہ ان محبتوں کو حق کی طرح وصولتی فخر سے مسکراتی اپنی آپ میں مگن رہتی۔ بہت ساری سوچوں کو اطراف میں منڈلاتا چھوڑ کر وہ لمحوں میں غافل ہو گئی تھی۔ یوں بھی کوئی ایک محبت تو تھی نہیں جو اس کے تفاخر کا گراف بلند کرتی اس کے پاس فخر کرنے کے لیے کئی ایک محبتوں کے حوالے موجود تھے۔

وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی اور ابو جی کہا کرتے تھے کہ جن دنوں وہ پیدا ہوئی تو وہ لوگ ان کی ملازمت کی وجہ سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے اس کی پیدائش کے موقع پر انہوں نے بطور خاص مکہ مکرمہ جا کر شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے۔

بچپن سے لے کر اب تک ابو، امی، پھپھو مومنہ اور دادو جی نے یہ بات کئی بار اسے بتائی تھی۔ بڑے بھیا کی پیدائش کے بارہ سال بعد وہ دنیا میں آئی تو اس گھر کے لیے اس کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں تھا البتہ زین اسے زحمت کہنا زیادہ مناسب سمجھتا تھا۔

اکثر ان دونوں کا جھگڑا بھی اسی بات پر ہوا کرتا تھا کہ ان دونوں میں سے کون ابو جی کا زیادہ لاڈلا ہے اور زین اور اس کا تعلق بھی بڑا عجیب تھا زیادہ دیر تک وہ ایک دوسرے سے خفا رہ نہیں سکتے تھے اور پانچ منٹ بھی جھگڑا کیے بنا گزارتے نہیں تھے۔ اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ایک دوسرے کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتے تھے اہم تو اہم، غیر اہم باتوں میں بھی ایک دوسرے کے شریک تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے، ایک دوسرے کے رازدار تھے اور ایک دوسرے کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

زین اس کے تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور خود ماہا سے تین برس بڑا تھا خود کو حد درجہ لاپرواہ ظاہر کرنے والا زین العابدین اندر سے اتنا ہی کیئرنگ واقع ہوا تھا وہ اسے جلانے کلسانے کا کوئی موقع بمشکل ہی ہاتھ سے جانے دیتا تھا اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں آنے دیتا تھا زین اس سے کتنی محبت کرتا ہے اور اس کی کتنی پرواہ کرتا ہے اس بات کا اندازہ ماہا کو بہت بچپن میں ہی ہو گیا تھا وہ اسے جلانے کے لیے ماہا کی گڑیا کی ٹانگ یا بازو توڑ دیتا تھا اور پھر اسے غمگین دیکھ کر اندر ہی اندر شرمندہ ہوتا بڑی جانفشانی سے ٹوٹی ٹانگ یا بازو جوڑنے بیٹھ بھی جاتا تھا۔

ایجوکیشنل فیلڈ کے برعکس اس نے کئی معاملات میں زین کی پیروی کی تھی زین کی طرح وہ بولتے ہوئے اپنے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا کرتی تھی امی جی سے ضد کر کے زین کے کپڑوں جیسے کپڑے پہنا کرتی تھی ہیئر اسٹائل بھی بوائے کٹ تھا پتنگ اڑاتے ہوئے ہاتھوں پر گہرے گھاؤ آئے تھے۔ کرکٹ کی وہ چیمپئن تھی لیکن بڑے ہونے پر اکثر چیزیں بدل گئیں جن سے اکثر کو اسے تسلیم کرنا پڑا۔

اسے اب تک یاد تھا کہ پہلی بار لڑکیوں والی شلوار قمیص پہننے پر زین نے اس کا کس قدر مذاق اڑایا تھا۔ کالج میں ایڈمیشن لینے تک بوائے کٹ بال کمر تک آ چکے تھے امی اور دادو جی کی ڈانٹ ڈپٹ نے بہرحال اسے اپنے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مونث کا صیغہ استعمال کرنے پر راضی کر ہی لیا تھا دوپٹہ بھی اب خوب اچھی طرح سے اوڑھ کر لینا پڑتا تھا پتنگ اڑانے کا تو اب سوال ہی نہیں اٹھتا تھا البتہ کرکٹ کے شوق کو وہ اب تک دل سے نہیں نکال پائی تھی اب بھی نظر بچا کر گلی میں محلے کے بچوں کے ساتھ دو تین اوورز کھیل لیا کرتی تھی اور وہ جو ایک خواہش تھی کہ بڑے ہو کر "وسیم اکرم" بننا ہے تو یہ خواہش حسرت بن کر دل میں گڑی رہ گئی تھی۔

بس یہی تھی اس کی ننھی سی دنیا۔۔۔ جس میں اتنی وسعت بہرحال تھی کہ پھپھو جی کا گھرانہ اور اس کی کالج کی فرینڈز سما سکیں مگر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ صاف ستھرے آسمان جیسی خوبصورت زندگی میں محبتوں کا مان ست رنگی دھنک کی طرح پھیلا ہوا تھا اور پھیلاؤ اتنا تھا کہ دھنک پار کچھ دکھائی بھی نہیں دیتا تھا محبت 'توجہ میں تقسیم برداشت نہیں کرتی پھر جب یہ تقسیم ایک غیر متعلقہ فرد کی وجہ سے ہو تو الجھن اور بھی سوا ہوتی ہے سو وہ بھی جھنجلائی ہوئی تھی۔

زین کا تبریز کو ضرورت سے زیادہ وقت دینا اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے Pistachio لیا تبریز نے چاکلیٹ فلیور میں نے اسے کتنا کہا کہ Pistachio بھی ٹرائی کرے مگر اس بے سرے کو چاکلیٹ فلیور ہی پسند ہے۔" اپنی بات ختم کرتے ہوئے اس نے چپکے سے اخبار کے اوپر سے جھانکا۔ ماہا پوری تندہی سے کیاری کی نلائی کر رہی تھی۔

زین کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

رات وہ گھر دیر سے آیا تھا اور تھکاوٹ اتنی تھی کہ فوراً" ہی سو بھی گیا۔ صبح بیدار ہوا تو ماہا کا انداز معمول سے ہٹ کر تھا وہ اس کی بات سن رہی تھی مگر کسی بات میں اختلاف نہیں کر رہی تھی۔ وہ اس کی باتوں کا ہوں 'ہاں میں جواب بھی دے رہی تھی مگر اس کا انداز' حد درجہ سنجیدہ اور لاتعلق سا تھا۔

اسے بہن کی اس پیار بھری خفگی پر ڈھیروں ڈھیر پیار آیا وہ منہ سے کچھ نہ بھی کہتی تب بھی اسے اندازہ تھا کہ وہ اس سے کس قدر خفا ہے کیونکہ وہ اس کی خفگی کے پس منظر سے کچھ کچھ واقف تھا وہ جانتا تھا کہ ماہا تبریز کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی اور ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی رائے تبریز کے بارے میں تبدیل ہو جائے کیونکہ بہن کی ناپسندیدگی کی بنا پر وہ تبریز سے دوستی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ واقعی اچھا انسان تھا۔

درج مکھی کے بچوں کی تھیلی اٹھا کر وہ کیاری کے دوسری سمت میں چلی گئی تھی۔ ہفتہ وار تعطیل تھی سو ناشتے کی بہت دن چڑھے آتی تھی ابو جی اور کامران بھائی امی کے ساتھ کچن میں تھے اور وہ خود دادو جی کی چارپائی کے پاس کرسی رکھے سامنے اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔

دھوپ دیواروں سے اتر کر صحن میں چلی آئی تھی سارے گھر میں کچن سے اٹھتی پریشر ککر کی آواز گھومتی پھر رہی تھی۔

بظاہر اخبار پڑھتے ہوئے وہ کب سے یونہی لایعنی گفتگو کر کے ماہا کو بولنے کے لیے اکسا رہا تھا۔

"گلی ۳۶ کے دائیں طرف جو سڑک جاتی ہے۔" صفحہ پلٹتے ہوئے اس نے پھر سے سلسلہ کلام جوڑا۔ "وہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

یک بہت بڑی فلاور شاپ ہے اس کے باہر بڑے اچھے پینٹڈ گملے بک رہے تھے کل میں نے کہا بھی تھا تم ہی سے کہ دو ایک گملے خرید لیتے ہیں مگر وہ بے سرا ماتا ہی نہیں حالانکہ وہاں اتنی پیاری پیاری "تتلیاں" بھی آئی ہوئی تھیں لگتا تھا سارے رنگ زمین پر اتر آئے ہیں کبھی کوئی تتلی یہاں آتی کبھی وہاں جاتی۔۔۔ سچ ان آنکھوں کی ٹھنڈک کا ہر سامان موجود تھا وہاں۔" یونہی ادھر ادھر کی ہانکتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔

"تتلیاں ہی تھیں نا؟" مٹر کے دانے نکالتیں دادو جی نے چشمے کی اوٹ سے اسے گھورا تو وہ پل بھر کو سٹپٹایا۔

"جی دادو۔۔۔ ماہی کی قسم۔" اس کا انداز ویسا ہی لاپرواہ تھا۔ "ویسے اس فلاور شاپ پر بڑے اچھے پھول ملتے ہیں۔" اس کی بات دادو جی نے کاٹی۔

"ہاں تو پھولوں کی دکان سے بھنڈیاں تو اچھی ملنے سے رہیں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" اس نے اخبار لپیٹ کر جھولی میں رکھا دائیں ٹانگ بائیں پر منتقل کی اور بند مٹھی پر ٹھوڑی ٹکا کر انہیں دیکھنے لگا۔ "میں اتنا ذہین ہوں تو اکثر سوچتا تھا کہ میں خاندان بھر میں کس پر گیا ہوں آج پتا چل گیا ہے کہ آپ ہی ہیں وہ در نایاب۔۔۔ بندے کے منہ سے ابھی پوری بات بھی نہیں نکلتی اور آپ مطلب سمجھ لیتی ہیں۔"

"بس بیٹھے بیٹھے شرارتیں کر لیا کرو۔" دادو جی نے پھر اسے گھورا۔ "ایسے ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھے تھکتے نہیں ہو؟ کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔"

"شرارتیں کرنا کوئی آسان کام ہے خیر آپ کو بھی کیا پتا بندہ جب تک کام میں ہاتھ نہ ڈالے اس کے اصل کا پتا ہی نہیں چلتا۔" وہ ان کی چارپائی پر آبیٹھا۔

"بہرحال آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ کہیے کیا کام کروں، آپ کے پاؤں دبا دوں سر میں تیل کی مالش کر دوں یا مٹر کے دانے نکال دوں۔"

"ہاتھ بھی مت لگانا۔" انہوں نے دانوں کی پرات پرے کھسکائی اور خود بھی تھوڑا سا کھسک گئیں مبادا کہ وہ تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کرنا شروع ہی کر دیتا۔ "نکالو گے کم ٹھونسو گے زیادہ۔۔۔ جاؤ میاں جا کر اپنا کام کرو ہم تو باز آئے تمہیں کچھ بھی کہنے سے یا وہاں کرسی پر بیٹھو اور بڈھی دادی سے ٹھٹھول کرو۔" ان کا انداز تنایا ہوا تھا۔

"ایٹ اے ٹائم تین تین کام۔" اس نے رشک بھری نگاہوں سے دادو کو دیکھا۔ "کچھ پڑھی لکھی ہوتیں تو آج پارلیمنٹ کی کسی اچھی کرسی پر بیٹھی ہوتیں۔ سنا ہے ایک وقت میں کئی کئی کام کرنے کے حکم وہیں سے جاری ہوتے ہیں ویسے سوچیں دادو جی! آپ کالا کوٹ پہن کر پارلیمنٹ کے اجلاس کی صدارت کر رہی ہیں۔ واہ یار۔۔۔ کیا مزے ہوتے اپنے دوستوں میں تھوڑی شو ہی مار لیتے مگر نقصان بھی ہوتا آپ سے اپائنٹمنٹ لے کر ملاقات ہوتی ہمیں آپ کے سیکریٹری کے آگے پیچھے بھاگنا پڑتا کہ یار سیکریٹری! ہمارا اپنا دادو جی سے ذرا ملنے کو دل چاہ رہا ہے ہو سکے تو ایک گھنٹے کی ملاقات ہی کروا دو۔۔۔"

"ایک بات کہو تو یہ لڑکا دس باتیں خود سے ڈھونڈ نکالتا ہے ارے میاں! جاؤ اپنے کام سے لگو ہم تو اب تم سے کچھ نہ کہیں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دادو جی کا بس نہیں چلا کہ اس کایا اپنا سر پیٹ ڈالیں زچ ہو کر بیٹے کو پکار بیٹھی۔
"دس از فاؤل دادو جی! آپ کے اور میرے ذاتی معاملے میں ابو جی کا کیا کام۔"
"بتاتی ہوں اسے کہ تمہیں بڈھی دادی سے مذاق کرنے کا بخار چڑھا ہے۔"
"بتادیں۔" وہ مایوسی سے گویا ہوا۔ "الٹا ابو جی کو مجھ سے ہمدردی ہی ہوگی کہ بیچارے کو مذاق کرنے کے لیے دادی ہی ملی ہے۔"
دادو زچ ہو کر اٹھنے لگیں اس نے بازوان کے گرد حمائل کردیں۔
"دادو۔۔۔ میری پیاری دادو جی! آپ کیوں بوڑھی ہونے لگیں بوڑھی ہو یہ ماہی۔ آپ تو بالکل میری ہم عمر لگتی ہیں۔" اس نے سر بھی ان کے کندھے پر ٹکادیا۔
"پھر شروع ہوگیا۔" وہ اٹھنا چاہتی تھیں مگر اس کی مضبوط گرفت سے آزاد ہونا آسان کب تھا وہ سر ان کے کندھے سے لگائے بیٹھا رہا حتی کہ وہ زچ ہوئی پھر کچھ نرم پڑیں اور بالآخر ہنس دیں۔

"پرات میں سے مٹھی بھر مٹر کے دانے اٹھاتے ہوئے اس نے ماہا کو دیکھا وہ پانی کا پائپ پکڑے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی گویا لوہا گرم ہو چکا تھا بس اب آخری ضرب لگانی تھی۔
"یہ تم کیا مجھے "کالی مچ قصائی ول تکدی" والے اسٹائل میں گھور رہی ہو۔۔۔" دانا دانا منہ میں اچھالتا وہ اس کے پاس آرکا۔ "لاؤ تمہاری مدد کروادوں۔" پائپ پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا جسے ماہا نے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹالیا۔
"مہربانی۔۔۔ میں خود کرلوں گی۔"
پائپ کے منہ پر انگوٹھا رکھے اس نے انگور کی بیل پر پانی ڈالنا شروع کردیا۔ زین کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
"کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے۔" اس نے پنجرے سے پانی کا پیالہ نکالا اور اس کے سامنے لے کر کھڑا ہو گیا۔ "ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ ہماری مچھلی کی زبان راتوں رات کوئی لے گیا حالانکہ یہ بات دل کے لیے کوئی۔۔۔" انداز معصومانہ تھا۔

"زین کے بچے۔" وہ جھنجلا کر چیخی۔ "مجھے بار بار بلانے کی کوشش مت کرو میں تم سے ناراض ہوں اور تم سے بات نہیں کرنا چاہتی اور۔۔۔ اور بس میں تم سے ناراض ہوں۔" اس نے پائپ پھینکا اور اسی کرسی پر ٹانگیں چڑھا کر بیٹھ گئی جس پر زین بیٹھا تھا زین کو ہنسنے کا مزید موقع مل گیا وہ اپنے مخصوص انداز میں کسی ننھے بچے کی طرح منہ پھلائے ہتھیلی پر چہرے ٹکائے بیٹھی تھی۔
"اچھا تم ناراض ہو۔ رات سے ناراض ہو؟" بڑے معصومانہ انداز میں تائید چاہتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر زمین پر پڑا پائپ اٹھالیا۔ "حیرت ہے مجھے پتا ہی نہیں چلا۔"
"تو اس میں نئی بات کون سی ہے تمہیں تو کبھی بھی پتا نہیں چلتا۔" اس کا انداز خاصا بھنایا ہوا تھا۔ "لیکن اس بار میں بھی تمہیں نہیں بتاؤں گی کہ میں کیوں ناراض ہوں۔"
"ٹھیک ہے یار! مت بتاؤ۔" اس نے اپنی مسکراہٹ بڑی مشکل سے چھپا کر لاپرواہی سے کہا تھا ماہا نے بڑی حیرت سے زین کو دیکھا وہ بڑے پرسکون انداز میں پودوں کو پانی دیتا اپنی پسندیدہ دھن گنگنا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زین میں مذاق نہیں کر رہی۔ سو فیصد سنجیدہ ہوں اور اس بار واقعی نہیں بتاؤں گی کہ میں کیوں ناراض ہوں۔"
اس کا لب و لہجہ تنبیہی تھا اور ایسا کرتے ہوئے اسے ایک بار بھی گمان نہیں گزرا تھا کہ وہ بڑے آرام سے ٹریپ ہو رہی ہے۔
"میں بھی سو فیصد سنجیدہ ہوں تم بالکل مت بتاؤ کہ تم کیوں ناراض ہو۔ میں بھی نہیں پوچھوں گا۔ بالکل نہیں پوچھوں گا۔"
"یعنی تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سمیت پوچھا۔
"ہاں۔" جواب کورا تھا۔
وہ بدمزہ ہو کر رخ بدل گئی اندر ہی اندر پکا تہیہ کر لیا تھا کہ خود سے کچھ نہیں بتانا مگر ایسا کتنی دیر تک ہو سکتا تھا جو بات دل میں تھی جب تک باہر نہ آجاتی سکون تو آتا ہی نہیں۔
"زین کے بچے! پوچھو نا کہ میں کیوں ناراض ہوں۔" اس کا انداز کچھ غصیلا کچھ چڑا ہوا اور کچھ کچھ التجائیہ تھا اور اس کی چڑ مصنوعی نہیں تھی مگر زین کی سنجیدگی ضرور بناوٹی تھی وہ بڑی بے ساختگی سے ہنسا تھا اور جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا اس نے جھینپ کر نظروں کا رخ بدل لیا اور یہ بات تو خود اسے بھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ ہر کام اس قدر عجلت میں کیوں مکمل کرنا چاہتی ہے۔
"یار! میرا موڈ تو تھا ہی نہیں جانے کا مگر تبریز ہے نا! اسے اس کی فرم کی طرف سے گاڑی ملی ہے۔ بس اسی سلسلے میں ــــ" وہ ابھی ساری بات کی وضاحت کرنا چاہتا تھا مگر ماہا نے اس کی بات کاٹ دی۔
"تم یہ اپنا تبریز نامہ بند کرو مجھے سخت برا لگنے لگا ہے وہ شخص تمہارا سارا وقت تو اس کے سرہانے گزر جاتا ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ یہ سامنے والا مکان یونہی خالی پڑا رہتا۔" وہ بے دلی سے بولی تھی۔
"خوامخواہ خالی رہتا پھر بھوت پریت بسیرا کرتے۔" دادو جی کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔
یہ سامنے والا مکان کسی قریشی صاحب نے تعمیر کروایا تھا بعد میں انہوں نے کسی ضرورت کے تحت اسے فروخت کرنے کا سوچا تو سب سے پہلے آکر انہی لوگوں سے رابطہ کیا جن کے گھر کا دروازہ عین سامنے تھا ابو جی نے بڑے سبھاؤ سے بات کی اور قریشی صاحب کی ملاقات محتشم بھائی سے کروادی وہ پراپرٹی ڈیلنگ کا کاروبار کر رہے تھے اور کسی دوست کے ساتھ شراکت داری کی بنیاد پر بڑی اچھی اسٹیٹ ایجنسی چلا رہے تھے۔ یہ کام کچھ عرصہ التوا میں پڑا رہا کیونکہ گھر بنیادی طور پر تو مکمل تھا البتہ گلاس فٹنگ اور پینٹ وغیرہ جیسے کام باقی تھے۔ محتشم بھائی سے جب بھی ملاقات ہوتی دادو جی اور وہ خود بھی ان سے اس مکان کو جلد از جلد فروخت کروانے کے لیے کہتیں کیونکہ دونوں کو خالی مکان دیکھ کر وحشت ہوتی تھی دادو جی بھوت پریت سے خوفزدہ اور وہ چوروں ڈاکوؤں سے خائف۔
پھر گھر فروخت ہو جانے کی خبر ملی تو سب سے زیادہ پرجوش بھی وہی دونوں تھیں مگر تبریز کو دیکھ کر دونوں کے جوش پر پانی پھر گیا زین کے ہم عمر تن تنہا لڑکے سے بھلا انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ تبریز نے یہاں شفٹ ہونے سے قبل دنوں میں مکان کا حلیہ بدلا المونیم کے کھڑکیاں دروازے لگوائے کھڑکیوں میں ٹنٹڈ گلاس فٹ کروائے بہترین پینٹ کروائے باہر کی کیاری میں پلانٹ اسکیم شاندار تھی اور پھر جب وہ شفٹ ہوا تو زین کو پتا چلا کہ وہ اسے جانتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ بلکہ وہ صرف اسے پہچانتا تھا شکلاً۔ جاننے اور پہچاننے کے مابین بڑا فاصلہ ہوتا ہے ہم جنہیں پہچانتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ جانتے بھی ہوں۔

تو ذین صرف اسے پہچانتا تھا جانتا تو دوستی کے بعد شروع کیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اتنا برا نہیں ہے بلکہ وہ اچھا تھا لین کو تو خیر بہت پہلے سے اچھا لگتا تھا تبریز UET کے سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں اس سے دو سال سینئر ہے۔ پکا تھا جہاں اس کی قابلیت کا سکہ پوری طرح سے بیٹھا ہوا تھا اسٹوڈنٹس تو اسٹوڈنٹس وہاں اساتذہ بھی اس کی ذہانت کے قائل تھے۔ تبریز اور اس کے باقی تینوں دوست ڈیپارٹمنٹ کی کریم تھے لڑکوں کو اگر اس کی ذہانت و قابلیت رشک میں مبتلا کرتی تھی تو لڑکیوں کو متاثر کرنے کے لیے اس کی مضبوط مالی حیثیت شاندار پرسنالٹی، زبردست ڈریسنگ اور روڈ سا انداز ہی کافی تھا۔ خدا جب آپ کو بہت ساری خصوصیات دے دیتا ہے تو کچھ خامیاں بھی رکھ دیتا ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

دونوں نے بیک وقت کامران بھائی کو پرکھا تھا۔ سنجیدہ چہرہ مسکراہٹ چھپاتے لب اور جھجکتا ہوا انداز۔

وہ غڑاپ سے اپنے کمرے میں غائب ہو چکے تھے۔

دادو جی اپنا بھاری وجود سنبھالتی بیٹے اور بہو کے پیچھے فون والے کمرے میں چلی گئیں زین نے پائپ ایک طرف رکھا اور بجائے چارپائی پر جم کر بیٹھ گیا۔

"یار! تبریز اتنا اچھا لڑکا ہے تم نے بلاوجہ اس سے دشمنی پال لی ہے۔" ناہا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس نے ٹوک دیا۔

"تمہیں پتا ہے میرے پروجیکٹ کے سلسلے میں وہ میری کتنی مدد کر رہا ہے آج کل جو میں اس کے ساتھ اتنا وقت گزار رہا ہوں تو یہ سب پروجیکٹ کے سلسلے میں ہے۔ تبریز نے مجھے کئی ریفرنس بکس اور نوٹس بھی اسے ہیں پھر انٹرنیٹ سے جو میٹریل جمع کر رہا ہے وہ الگ اور صرف تبریز کی وجہ سے ہی میں ان انجینئرنگ فرمز میں بھی جا سکا ہوں جہاں جانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ایسی بڑی بڑی فرمز میں تو پی آر چلتی ہے جو میری تو نہ ہونے کے برابر ہے۔"

اس کے لہجے میں کچھ احساس کمتری سا تھا ناہا جل ہی تو گئی۔

"یہ احساس کمتری تمہیں لے ڈوبے گا زین۔" اس نے اٹھ کر پھر سے پائپ اٹھا لیا۔ زین نے ہنستے ہوئے سر کے پیچھے ہاتھ باندھے اور چت لیٹ گیا۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے قسم سے جب تبریز میرے ساتھ ہوتا ہے تو کوئی لڑکی میری طرف نہیں دیکھتی سب اسی کو دیکھتی ہیں۔" وہ متبسم سے رشک سے گویا ہوا۔

"ہاں ایسا ہی تو اپولو ہے۔" خفگی ختم البتہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"ہے تو۔" وہ پھر گویا ہوا۔ "اور ساری ادائیں بھی اپولو والی ہی ہیں جن دنوں یونیورسٹی میں ہوتا تھا تو ہماری کئی کلاس فیلوز بھی اس کے آگے پیچھے پھرا کرتی تھیں مگر مجال ہے جو اس نے کسی کو گھاس بھی ڈالی ہو اور میں سوچا کرتا تھا کہ اس شخص کو لڑکیوں میں دلچسپی محسوس ہی نہیں ہوتی یا صرف پوز کرتا ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا گویا واقعی سوال کا جواب ڈھونڈ رہا ہو۔

"تو تمہاری کون سا صدیوں بعد ملاقات ہوتی ہے ابھی جا کر دروازہ بجاؤ اور پوچھ لو۔"

"یہ ٹھیک ہے اب کی بار پوچھ ہی لوں گا۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "پتا ہے ناہی! وہاں فلاور شاپ پر واقعی بڑی اچھی اچھی تتلیاں آئی ہوئی تھیں مگر مجال ہے جو اس بدذوق نے نظر اٹھا کر بھی دیکھا ہو بلکہ کئی ایک نے نظر اٹھا کر بلکہ ٹکا کر اسے ضرور دیکھا تھا اور اپنے مزے ہو گئے وہ تبریز کو دیکھ رہی تھیں اور میں انہیں۔" وہ مزے لے کر بتا رہا تھا اور ناہا اگر اسے جانتی نہ ہوتی تو ضرور یقین کر لیتی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"سچ ناہی! ان آنکھوں نے کتنے دلکش نظارے دیکھے کہ بس۔"

"تمہاری ان حرکتوں کے بارے میں ارم آپی کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالیں گی۔"

"تو گھاس جیسے بھی کیسے۔ بھئی ہمیں تو تمہاری ارم آپی چاہئیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اطمینان سے بولا ماہا نے ایک نظر اسے دیکھا اور مسکراہٹ دباتی پنجرے میں پیالہ رکھنے چل دی اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ارم آپی کا ذکر سن کر زین کے لہجے کی کھنک اور آنکھوں کا رنگ نہ بدلے۔

"مبارک ہو۔" داود جی افتاں خیزاں کمرے سے برآمد ہوئی تھیں۔

"کامران کے سسر شادی کے لیے مان گئے ہیں۔" انہوں نے سانس بحال کرتے اطلاع دی ماہا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اس عمر میں۔"

"دونوں بہن بھائی ہمیشہ ایسا ہی بولتا۔" داود جھنجھلائیں۔

"ارے کامران کے سسر کا فون تھا چیچہ وطنی سے۔ کامران اور رمشا کی شادی کی تاریخ رکھ دی ہے انہوں نے۔ چلو خیر سے یہ کام بھی نمٹے۔"

زین نے مسکرا کر شرارت بھری نظروں سے ماہا کو دیکھا۔ "میں بھی سوچ رہا تھا کہ "بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔" اس نے کامران بھائی کے کمرے کی جانب اشارہ کیا اور پاؤں میں سلیپر اڑستا کھڑا ہو گیا۔

"میں ذرا محتشم بھائی کو فون کر دوں۔" وہ کمرے میں چلا گیا ماہا وہیں بیٹھی سوچتی رہی زین کا اس وقت محتشم بھائی کو فون کرنے کی وجہ سے آگاہ تھی وہ کامران بھائی کے کالج کے گہرے دوست تھے پھر پھپھی زاد کا رشتہ الگ۔ زین اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھا کر کامران بھائی کا ریکارڈ لگانا چاہتا تھا اور محتشم بھائی کی موجودگی میں وہ کسی بات کا برا کم ہی مناتے تھے اور آج تو پھر بھی خاص دن تھا۔

کامران بھائی اس کے بھائیوں بلکہ اس گھر کے سب سے سنجیدہ فرد تھے ان دونوں کو آپس میں جھگڑنے پر اگر کوئی ڈپٹتا تھا تو وہ کامران بھائی ہی تھے بلکہ زین کا خیال تھا کہ جب کامران بھائی بور ہو رہے ہوتے ہیں اور ان کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تو وہ ہمیں ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب کامران بھائی کی منگنی ہوئی اس روز وہ دونوں بیحد خوش تھے۔

"اب کامران بھائی کی شادی ہو گی تو وہ ٹائم پاس کے لیے اپنی بیوی کو ڈانٹا کریں گے ہمیں نہیں۔"

زین نے تو باقاعدہ لڈی ڈالی تھی۔

اور ان باتوں کے برعکس ماہا کی خوشی کچھ اور طرح کی تھی چھ سال قبل جب عمران بھیا کی شادی ہوئی تھی تو وہ ساتویں کلاس میں تھی اور شادی کو بھرپور طریقے سے انجوائے نہیں کر پائی تھی مگر اب کے معاملہ مختلف تھا اس نے کامران بھائی کی شادی کے لیے خاصی پلاننگ کر رکھی تھی اب بھی اس کا ذہن ان مختلف ڈریسز کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اسے شادی میں پہننے تھے۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

راستہ بھر کار کے بند شیشوں کے درمیان ایک پر اسرار اور متفکر سی خاموشی گردش کرتی رہی۔ دونوں کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔

گھر کے گیٹ پر گاڑی رکنے تک انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ چوکیدار شاید کوارٹر میں تھا کئی بار ہارن بجانے پر بھی گیٹ نہیں کھلا تب علی نے باہر نکل کر ڈور بیل بجائی ساتھ ہی گیٹ پر سے جھانک کر دیکھا۔ چوکیدار کے کمرے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی لان ویران پڑا تھا فضا سے تاریکی کا عنصر چھٹ چکا تھا البتہ سورج کی نوخیز کرنوں میں مخصوص تپش نہ تھی۔

اس نے جھنجلاہٹ کے مارے پھر بیل بجائی تب سرخ پتھروں سے بنی روش کے اس طرف کا داخلی دروازہ کھلا ہارون آنکھیں ملتے ہوئے برآمد ہوئے تھے ایک ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے انہوں نے دوسرے ہاتھ سے مین گیٹ وا کیا تھا۔

گاڑی اندر آچکی تو انہوں نے گیٹ بند کر دیا اور ان کی طرف آ گئے۔

"چوکیدار کہاں ہے؟" علی نے فرنٹ سائیڈ سے گھوم کر ان کی طرف آتے ہوئے دریافت کیا۔

"دراصل۔۔۔ یہ، کون ہے؟" بتاتے بتاتے اچانک ان کی نظر پچھلی سیٹ پر دراز اس وجود پر پڑی تھی سارا کی بوجھل آنکھوں سے نیند کم غائب ہوئی تھی البتہ آواز کا بوجھل پن ہنوز تھا انہوں نے تشویش سے پہلے علی اور پھر حمنہ کو دیکھا۔

حمنہ نظریں چرا کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگی علی نے مزید سنجیدگی سے سینے پر بازو باندھ کر فرنٹ ڈور سے ٹیک لگائی۔

"چوکیدار کہاں ہے ہارون؟"

ان کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے علی نے بھرپور سنجیدگی سے پوچھا۔

"چوکیدار کے بڑے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اس لیے وہ کل رات چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلا گیا البتہ آج اس کا کوئی شاہد نامی دوست آئے گا جو اس کی جگہ ڈیوٹی دے گا۔ لالہ رخ کی آیا نے رات اسے ٹھیک ٹائم پر سلا دیا تھا مگر وہ دودھ پینے سے انکار کر رہی تھی اس وجہ سے مجھے لالہ کو ڈانٹنا پڑا۔ کل رات دو رانگ کالز آئی تھیں دونوں نمبر ٹیلی فون میموری میں Save ہیں۔

تمہارے ہاسپٹل سے بھی ایک کال آئی تھی اور حمنہ کی ایک پیشنٹ بنفس نفیس تشریف لائی تھیں۔

اور۔۔۔ اور کل دودھ پھٹ گیا تھا۔ وجہ؟ مجھے نہیں معلوم۔ بس یا تمہیں کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔"

اتنی تفصیل سے ہر بات بتانے پر علی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ہلکے نیلے رنگ کے ملگجی شلوار قمیص میں منتشر بالوں کے ساتھ وہ چہرے پر سنجیدگی لیے بے حد خفگی سے اسے دیکھ رہے تھے اپنا سوال نظر انداز کیا جانا یقیناً انہیں ناگوار گزرا تھا۔

"اب اگر آپ کے ہر سوال کا جواب مل گیا ہو تو کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ یہ کون ہے؟" وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئے تھے مگر یہ خود ساختہ سنجیدگی یک لخت چٹخ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مائی گاڈ! میرے چہرے پر کیا لطیفے لکھے ہیں جو یوں دانتوں کی نمائش کیے جا رہے ہو۔"

"تمہیں جو بھی پوچھنا ہے حمنہ سے پوچھو۔" وہ لاتعلقی سے بولا۔

"تمہارے نہ بتانے سے تمہاری توند کیا اندر چلی جائے گی۔" انہوں نے اپنی ازلی برجستگی سے سوال کیا وہ علی کو اس حوالے سے چڑایا کرتے تھے۔

علی نے اس وقت بجائے برا منانے کے ایک گہری سانس بھر کر انہیں دیکھا تھا اور وہ مختصری تفصیل جو اس لڑکی سے تعلق رکھتی تھی ان کے گوش گزار کر دی تھی۔

"اب پلیز آپ علی کی طرح خدشات کا اظہار مت کیجئے گا۔" حمنہ جھنجلائی ہوئی صورت لیے کار سے باہر نکلی تھی وہ ہارون سے مخاطب تھی۔

"ٹھیک ہے نہیں کرتا۔" ہارون نے چند لمحوں کے توقف سے کہا۔ ان کے چہرے پر کم و بیش علی جیسے تاثرات ہی تھے۔

"مگر حمنہ! عقلمندی سے سوچا جائے تو علی کے خدشات کچھ ایسے غلط بھی نہیں ہیں۔"

"سوچنے کے لیے تو بہت کچھ ہے مگر کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم پہلے اس لڑکی کے بارے میں سوچ لیں۔"

"تم یہاں بیٹھ کر سوچتی رہو میں اور ہارون اندر جا رہے ہیں۔" وہ لاتعلقی سے کہتا اندر جانے لگا مگر حمنہ کی پریشان سی آواز پر رکنا پڑا۔

"جی فرمایئے۔" وہ بے نیازی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ بے ہوش ہے علی۔" وہ شرمندہ سی تھی۔

"تو۔۔۔؟"

"میں اکیلی اسے اندر کیسے لے کر جاؤں؟"

"ہاسپٹل سے اسٹریچر منگوالو۔" وہ تپ کر بولا پھر سر جھٹکتے کار کے کھلے دروازے کی طرف بڑھا وہ حمنہ کا اشارہ سمجھ رہا تھا۔

"جہاں ذاتی اسٹریچر موجود ہو وہاں ہاسپٹل کی کیا ضرورت۔" ہارون اس کی اکتائی ہوئی حالت سے بھرپور حظ اٹھا رہے تھے۔

کوئی مناسب وقت ہوتا تو علی ضرور ان کی بات کا کوئی مناسب جواب دیتا اس وقت تو فقط بیزاریت ہی بیزاریت تھی اسے باہر نکالا تو حمنہ بولی۔

"ٹیکسی میں لے چلیے۔" وہ تینوں آگے پیچھے داخلی دروازے کی جانب بڑھے تھے۔ "یہ محترمہ ٹیکسی میں رہیں گی تو میں کہاں جاؤں گی۔"

ہارون نے خود ساختہ سی پریشانی سے پوچھا تو حمنہ بے نیازی سے بولی۔

"میں آپ کا سامان باہر رکھ دیتی ہوں آپ گیلری میں شفٹ ہو جائیں۔"

"ارے" انہوں نے خفگی خود پر طاری کی۔ "عجیب میزبان ہو پہلے منتیں کر کر کے اپنے گھر بلاتے ہو پھر در در

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھٹکاتے ہو۔"

حمنہ کو ہنسی آگئی۔

"آپ بھی نا ہارون بھائی! در در کب بھٹکا رہے ہیں ہم۔ صرف یہ کہا ہے کہ آج آپ گیلری میں شفٹ ہو جائیں اس لڑکی کو ہوش آجائے تو انشاء اللہ ہم شام تک اسے اس کے گھر پہنچا دیں گے اس کے بعد آپ واپس انیکسی میں آجایئے گا۔"

"اور اگر اسے ہوش نہ آیا تو؟"

"ہم صرف برا ہی کیوں سوچیں۔"

"اس لیے کہ اچھا سوچنے کا دور ہی نہیں رہا اکثر لوگ دوسروں کی ہمدردیاں بٹور کر اور ان کی نرم دلی سے فائدہ اٹھا کر بڑے غلط غلط کام کر لیتے ہیں۔"

وہ لوگ انیکسی میں پہنچ چکے تھے لائٹ آن تھی علی نے بڑھ کر احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔

"کتنی معصوم سی ہے یہ۔" حمنہ نے کئی پل اس کے چہرے کو بغور دیکھنے کے بعد ہارون کو دیکھا تھا۔ "کیا اس کے معصوم چہرے کو دیکھ کر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی غلط کام کر سکتی ہے؟"

"معصوم۔؟" ہارون نے ابرو کو خفیف سا اچکا کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس لڑکی کو غور سے دیکھو حمنہ! یہ صرف معصوم نہیں یہ خوبصورت بھی ہے۔" حمنہ نے چونک کر ہارون کو دیکھا پھر اس لڑکی کو۔ وہ واقعی خوبصورت تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اسے چادر اوڑھانے لگی۔

ہارون کی نظریں علی پر ٹکی تھیں جو اپنے جوتے کی ٹو سے کارپٹ مسل رہا تھا۔ وہ کافی دیر سے خاموش تھا اس کے انداز میں حمنہ کے اس عمل پر خفگی یا بیزاریت نہیں تھی مگر اس کا انداز کسی گہری سوچ کی غمازی کرتا تھا۔

ہارون نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"میرے پاس تم دونوں کے لیے دو خبریں ہیں۔" انہوں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا علی نے ان کی

تقلید کی تھی۔ حمنہ لائٹ آف کر کے ان کے پیچھے چلی آئی۔

"پہلی خبر تو یہ ہے کہ میں دوپہر تک کراچی جا رہا ہوں۔"

"اتنی جلدی۔" وہ دونوں چونکے۔

"ابھی کل تو آپ آئے ہیں نہیں بھئی اتنی جلدی تو ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔"

حمنہ نے استحقاق بھرے انداز میں کہا تو وہ خوشگوار یت سے مسکرا دیے۔

"میرا جانا بہت ضروری ہے ایک تو اہم میٹنگ ہے اور اس میٹنگ کے بعد مجھے پہلی فلائیٹ سے اسٹاک ہوم پہنچنا ہے۔" وہ لوگ لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔

"اسٹاک ہوم۔ خیریت۔" علی نے نشست سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

"خاصی خوشگوار خیریت ہے۔" انہوں نے گھما پھرا کر کہا۔

"مطلب؟" علی چونک گیا۔ ہارون نے چند پل خاموش رہ کر گزارے ان کے چہرے پر بے حد خوشی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تاثرات تھے۔

"زارون کا فون آیا تھا شاہ اللہ بیٹے کا باپ بن گیا ہے وہ۔"

"گریٹ۔" علی نے بھینچ کر انہیں گلے لگایا حمنہ نے بھی مبارک دی۔

"آنٹی ابھی خبر اتنی دیر سے سنا رہے ہو۔"

وہ واپس بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میرے سیل فون پر بھی اس نے کال کی تھی مگر میں نے اس کی بات ہی نہیں سنی۔" اتنی بے تحاشا خوشی میں اسے ایسی سی ہوئی۔ "بہرحال تایا بننے کی بہت بہت مبارک۔ مگر مجھے اتنا تو بتا دو میں تایا کہلاؤں گا یا چاچا۔" اس کی خوشی بھی ہارون سے کسی طور کم نہ تھی ہارون ہنسنے لگے۔

"اس بات کا فیصلہ میں نہیں بلکہ زارون کرے گا۔"

"اور اگر اس نے دادا کہہ دیا تو؟" حمنہ نے بروقت نکتہ اٹھایا تو علی نے مسکراتے ہوئے سر کے پیچھے ہاتھ باندھ کر صوفے کی بیک سے کمر ٹکا دی۔

"نام چاہے کچھ بھی ہو اصل چیز تو رشتہ ہوتا ہے جو کہ ہمارا اس بچے سے بہت مضبوط بہت پائیدار ہے۔"

"ہارون! یاد ہے بچپن میں جب ہم دونوں باسکٹ بال کی پریکٹس کے لیے جایا کرتے تھے تو زارون ہمیں کس قدر تنگ کیا کرتا تھا۔" علی نے نظروں کا زاویہ تبدیل کر کے ہارون کو دیکھا۔ ہارون مسکرا دیے۔

"کیسے بھول سکتا ہوں ابھی کل ہی کی تو بات لگتی ہے۔ یار یہ وقت اتنی جلدی کیوں گزرتا جا رہا ہے زارون تو ابھی خود بچہ لگتا تھا اب خود بچے کا باپ بن گیا ہے۔"

ان کے لہجے میں وقت کی تیز رفتاری کا گلہ کم اور بھائی کی محبت کا عنصر زیادہ تھا۔

حمنہ نے تالی بجا کر ماحول کے عجیب سے تاثر کو توڑا۔

"برائے مہربانی اب آپ لوگ نوسٹیلجیا کا شکار مت ہوں۔"

"ٹھیک ہے نہیں ہوں گے۔" علی فوراً مان گیا۔ "مگر تمہیں ہم دونوں کو اچھی سی چائے پلانی پڑے گی۔" اس کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔

"تم دونوں تھک گئے ہو گے چائے میں بنا لیتا ہوں۔" ہارون نے سنجیدگی سے آفر کی۔ علی نے بری سی شکل بنا کر انہیں دیکھا۔

"تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پینے سے بہتر ہے ہم مٹی کا تیل پی لیں۔ اس کا ٹیسٹ پھر بھی اچھا ہو گا۔"

"بہت خوب۔" ہارون نے طنز سے اسے دیکھا۔ "بھول گئے اسی چائے کے لیے میری منتیں کیا کرتے تھے۔"

"ماضی کی بری یادیں یوں بھی کم ہی یاد رہتی ہیں۔"

علی نے برجستگی سے کہا حمنہ ہنستے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ہارون خفگی سے اوپر کی جانب چل دیے انہیں روانگی کے لیے تیاری کرنی تھی علی نے کسلمندی سے وہیں ٹانگیں پھیلا لیں۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ بچپن کی ننھی منی شرارتیں دبے قدموں حافظے میں چلی آئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حمنہ نے کچن سے آواز دی تھی۔ "علی آپ بھی فریش ہو لیں۔"
اس نے سنی ان سنی کر دی۔ یادوں کی پوٹلی کھلی تھی جبھی نظریں بھٹکتی ہوئی راہداری پر جا رکیں اس راہداری کے اختتام پر انیکسی تھی۔ سب یادیں سب شرارتیں از سر نو تازہ ہو گئیں وہ جن کے ذہن میں بس ایک خیال بن کر رہ گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

اکنامکس کے نوٹس گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب تھے نتیجتاً وہ سارے گھر میں چکرائی پھر رہی تھی۔
"میں صبح کالج جاتے ہوئے ٹی وی پر اپنے نوٹس رکھ کر گئی تھی اور اب انہیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔" وہ روہانسی ہو گئی صبح ٹیسٹ تھا اور نوٹس ندارد اوپر سے مسز عبد القدوس کی دہشت کا تو سارے کالج میں چرچا تھا۔
"لو بتاؤ۔" دادو جی جھنجلائیں۔ "بھلا کس باؤلے نے مشورہ دیا تھا ٹی وی پہ چیزیں رکھنے کا ارے کتاب تو محترم ہوتی ہے ہم تو سینے سے لگا کر رکھتے تھے کتابوں کو جس صفحے پر ایک لفظ بھی لکھ دیا پھر قدموں تلے رلنے نہ دیتے تھے ایک آج کل کے بچے ہیں۔"
"تو ہم کیا کتابیں بیچ کر خطائیاں کھا لیتے ہیں۔" زین لاؤنج کے فرش پر پھسکڑا مارے جوتے پالش کر رہا تھا اطمینان سے بولا۔
"یہ آج کل کے بچے میری طرح ہوتے ہیں دادو جی لونگ تو آل سب اچھے۔ آپ سے بھی زیادہ اچھے۔ کتابوں کو سینے سے نہیں لگاتے مبادا کہ پسینے سے نم ہو کر جلد پھٹ جائے بلکہ الماریوں میں رکھ کر دور دور سے کتابوں کا نظارہ کر لیتے ہیں اب بھلا عقیدت بھری نظروں سے کتابوں کا کیا بگڑے گا رہ گئے کاغذ تو ان کی کشتیاں بنا کر ندی میں بہا دیتے ہیں۔"
"امی میرے نوٹس۔" اسے اپنی پڑی تھی۔
"میں کہاں سے لاؤں نوٹس۔ پہلے چیزیں ادھر ادھر پھینک دیتی ہو پھر سب کو تنگ کرتی ہو۔"
"ادھر ادھر نہیں پھینکے ٹی وی پر رکھے تھے۔" اس نے زور دے کر کہا وہ بے نیازی سے بولیں۔

"جا کر اپنے کمرے میں دیکھو وہیں ہوں گے۔"
"جب رکھے ٹی وی پر تھے تو کمرے میں کیسے ہوں گے؟" وہ چڑ ہی تو گئی امی نے گھورا تو بے بسی سے بولی۔
"اپنے کمرے سمیت سب طرف دیکھ چکی ہوں تنگ۔" اور وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی اپنا کمرہ تو یا قاعدہ چھان ہی ڈالا تھا اور اس یقین کے باوجود کہ نوٹس ٹی وی پر رکھے تھے اس نے سب طرف تلاش کر لیا تھا۔ مگر امی جی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا وہ اس کی لاپرواہ طبیعت سے خوب واقف تھیں جو چیز جہاں رکھتی ہمیشہ اس کی متضاد سمت میں تلاش کرتی۔
اب بھی اسے ڈپٹ کر اپنے کمرے میں نوٹس تلاش کرنے کو کہا اور واپس دادو جی کے ساتھ مصروف گفتگو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو گئیں۔ زیر بحث کامران بھائی کی ساس کی بہنوں کے جوڑے تھے۔

بعد مزہ ہو گئی ٹیسٹ کی تیاری کی ہمسز عبد القدوس کا خوف سیاؤں پچھا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جھنجلاہٹ حد سے سوا۔ وہ دروازے کے عین وسط میں تیزی سے اندر آتی رانی سے ٹکرائی تھی۔

"بیچ بٹنوں جیسی آنکھیں اللہ نے چہرے پر سجانے کے لیے نہیں دیں ان کا استعمال بھی کر لیا کرو۔" وہ کہنی سہلاتی اسی پر الٹ پڑی۔

"ہائے آپا جی۔" رانی کو برا لگ گیا۔ "میں تو آنکھیں کھول کر ہی چل رہی تھی۔"

"اچھا تو کیا میں اندھی ہوں؟" وہ مزید طیش میں آئی۔

"تو سچ بول کر میں نے اپنا سر تڑوانا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" ماہا نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"کچھ نہیں آپا جی! میں تو یہ پوچھنے آئی تھی کہ آپ اتنے غصے میں کیوں ہو؟"

"میرا دماغ خراب ہو گیا ہے اس لیے غصے میں ہوں۔ میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ مجھے آپا جی مت کہا کرو۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"تم انہیں بھیا جی کہا کرو یہ اسی میں خوش رہتی ہیں۔" زین بولا ماہا نے گردن موڑ کر کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"تمہیں بولے بغیر تو کھانا ہضم نہیں ہوتا نا۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر خاموش رہو میرا دماغ پہلے ہی خراب ہے۔"

"پیدائشی خراب ہے۔"

"رانی! تم نے میرے نوٹس دیکھے ہیں؟"

"ہاں جی!"

"کہاں؟"

"آپ کے ہاتھوں میں۔"

"ہیں۔ کب دیکھے تھے؟"

"پرسوں۔" ماہا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"زین! میرے نوٹس تم نے چھپائے ہیں ناں۔" وہ قریب آ کر مشکوک نظروں سے گھورنے لگی زین نے نظر بھر اسے دیکھا پھر ہنستا ہوا پنجرے کے پاس چلا گیا۔

"تمہاری شکل پر اتنی مسکینی برس رہی ہے اگر میں نے چھپائے بھی ہوتے تو اب تک واپس کر چکا ہوتا۔ بیل بج رہی ہے دروازہ کھولو۔"

"حالانکہ تم سے ایسی امید بھی نہیں ہے مجھے اور مسکین صورت ہو گی تمہاری اب خود ہی دروازہ کھولو۔" برآمدے کا فرش صحن کی سطح سے کچھ بلند تھا وہ وہیں پیر پسار کر بیٹھ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ملیا! کامران بھائی ہوں گے دروازہ کھلنے میں مزید دیر ہوئی تو ڈانٹیں گے۔"

اس نے ڈرایا۔ وہ بولی۔ "دونوں کو ڈانٹیں گے کیونکہ انہیں ہم دونوں کی غلطی پوری پوری دکھائی دیتی ہے اور اگر ابو جی ہوئے تو وہ مجھے بالکل نہیں ڈانٹیں گے کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔" مسلسل بجتی بیل کی آواز کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے خود پر سنجیدگی طاری کی۔

"دراصل بات یہ ہے کہ ابو جی مجھ سے بھی بہت پیار کرتے ہیں بس کبھی کبھی میں انہیں ان کی سوتیلی اولاد لگنے لگتا ہوں اور وہ کامران بھائی طرح انصاف پسند نہیں ہیں۔"

"اچھا تم دروازہ کھولو کامران بھائی ہوئے تو ڈانٹ کھالیں گے اور ابو جی ہوئے تو تصدیق کروالیں گے۔"

"یہ کام تو ہم تب بھی کر سکتے ہیں جب تم دروازہ کھولو۔"

مسلسل و متواتر بجتی بیل سے اکتا کر رائی کچن سے نکل غصے سے ان دونوں کو بحث میں مشغول دیکھا۔

"آپ دونوں اپنی بحث مکالمہ ختم کرو دروازہ میں کھول دیتی ہوں۔" وہ چڑ کر کہتی دروازے کی طرف لپکی دروازہ کھولا اور وہیں سے نعرہ بلند کیا۔

"پھپھو جی آئی ہیں۔"

"تو کیا پورے محلے کو خبر کرو گی۔" اپنا بھاری وجود سنبھالتی پھپھو جی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں متوجہ ہوئے تھے۔

"اکیلی آئی ہیں۔" زین کی پرشوق متلاشی نظروں نے ان کے عقب میں جھانکا۔

"ارے نہیں۔ محتشم آیا ہے ساتھ۔"

انہوں نے برآمدے میں رک کر اپنا سانس برابر کیا۔

"تمیز رل گیا تھا اسی سے چار باتیں کرنے رک گیا۔" وہ کہتی ہوئیں کمرے میں چلی گئیں جہاں امی اور دادو جی موجود تھیں ساتھ میں محتشم بھائی بھی اندر آگئے۔

"بڑی دیر کی مہمان آتے آتے۔" زین کے شکوے پر وہ شگفتگی سے ہنسے تھے۔

"بس یار۔" برآمدے تک آتے آتے نجانے وہ کون سی تفصیل سنا رہے تھے۔ وہ قصداً ذرا سا رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ـــــ کیوں انہیں اپنی ناراضی کا احساس بھی تو دلانا تھا۔

محتشم نے اس کے بچوں کے سے انداز کو دلچسپی سے دیکھا پھر لبوں تلے مسکراہٹ دبا کر اس کے چہرے کے عین سامنے چٹکی بجائی۔

"کیا ہوا۔" اس کے دیکھنے پر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ رکھائی سے کہہ کر رخ بدل گئی مگر دوسرے ہی پل انہوں نے اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔

"کچھ کیوں نہیں ہوا اور اگر نہیں ہوا تو ہماری گڑیا کا منہ اتنا پھولا پھولا سا کیوں ہے۔"

ان کے لہجے میں بے حد اپنائیت تھی۔ زین قریب تھا اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ایسے موقع پر وہ خاموش رہتا۔

"آپ نے شاید پہلی بار اس گڑیا کو اتنا غور سے دیکھا ہے ورنہ اس کا منہ تو ہمیشہ سے ہی اتنا پھولا ہوا ہے۔" وہ کہتا ہوا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قریب سے گزر کر اندر چلا گیا محتشم بھائی کھل کر مسکرا دیے پھر اس کے چہرے پر زین کی بات کے لیے ناپسندیدگی دیکھی تو جلدی سے بولے۔

"اب پلیز جھگڑا مت کرنے لگنا وہ مذاق کر رہا ہے۔"

"میں کہاں جھگڑا کرتی ہوں وہ تو یہ زین ہی۔" بولتے ہوئے اچانک یاد آیا کہ وہ ان سے خفا تھی تو دوبارہ سے منہ پھلا کر بولی۔

"میں تو آپ سے خفا ہوں۔"

"وجہ۔" وہ مسکرائے اور نجانے وہ ہر وقت ہی مسکراتے رہتے تھے یا کبھی کبھار مگر ماہا نے ہمیشہ انہیں ایسے ہی دیکھا تھا۔ تھے تو وہ کامران بھائی کے ہم عمر مگر ان سے کسی قدر مختلف۔ اپنی شخصیت کے تمام تر تدبر، متانت اور سنجیدگی کے باوجود جلدی گھل مل جانے والے۔

"آپ کو پتا ہے آپ کتنے دن بعد ہمارے گھر آئے ہیں۔" اس نے دریافت کیا تو وہ آرام سے بولے۔

"ایک ہفتے بعد۔"

ماہا کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں پھر مزید ناراضی سے بولی۔

"کتنا خراب حساب ہے آپ کا۔ ایک ہفتہ بعد نہیں بلکہ پورے ایک مہینے بعد آئے ہیں آپ ہمارے گھر، حالانکہ گھروں کے درمیان فاصلہ کتنا کم ہے صرف تین گلیوں کا۔"

"تین گلیوں کا فاصلہ صرف ہمارے گھر سے ہی نہیں بنتا۔ ہمارے گھر سے نکلیں تب بھی یہ تین گلیاں ہی عبور کرنی پڑتی ہیں ہمارے گھر تک پہنچنے کے لیے میں نہیں آسکا تو تم آجاتیں ارم بھی تمہیں یاد کر رہی تھی۔"

"میں آئی تو تھی آپ کی طرف مگر آپ دونوں دفعہ گھر پر نہیں ملے۔"

"معروفیت بہت رہی یار! خیر اب آ ہی گیا ہوں تو کیا یہیں سے واپس لوٹاؤ گی۔"

وہ جھینپ سی گئی پھر وہ دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے محتشم بھائی ممانی کو سلام کر کے نانی کے ساتھ ہی صوفے پر ٹک گئے۔ رسمی سی گفتگو چل نکلی تو امی نے اسے چائے بنانے کے لیے کہا مگر اس کے اٹھنے سے پہلے ہی محتشم بھائی نے ٹوک دیا۔

"چائے بعد میں پہلے کھانا اور پلیز مامی! کوئی تکلف نہیں البتہ چائے کے ساتھ میں مٹھائی ضرور کھاؤں گا اتنی خوشی کی خبر بغیر مٹھائی کے مزہ نہیں دیتی۔ ویسے کامران کب تک آئے گا؟" انہوں نے بے تکلفی سے کہتے ہوئے پوچھا انہیں معلوم تھا کہ کامران بھائی لنچ ٹائم میں آفس سے گھر آتے ہیں تبھی پوچھ رہے تھے۔

"بس آتا ہی ہوگا کامران بھی۔ تمہارے ماموں تو آج آفس میں ہی کھانا کھائیں گے صبح کہہ کر گئے تھے جاؤ ماہا! کھانا گرم کرو۔" امی نے اسے کہا تو زین بولا۔

"اسے کیوں کہہ رہی ہیں جب تک یہ کھانا گرم کرے گی یہ لوگ اپنے گھر جا کر نئے سرے سے کھانا بنا کر کھا بھی چکے ہوں گے۔"

"تو پھر تم اٹھ کے کھانا گرم لو۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں اٹھ گیا تو محتشم بھائی کو کپڑے کون دے گا ایسے بھی میں انہیں بہت پسند کرتا ہوں کیونکہ میری طرح سے یہ بھی کنوارے ہیں۔"

"ارے خوب یاد دلایا۔" دادو جی چونکیں۔ "خیر سے کامران کی بھی بات پکی ہے اگلے مہینے تک شادی ہو جائے گی۔ میں پوچھتی ہوں مومنہ! اپنے محتشم کو کیا بڑھاپے میں بیاہو گی۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کوئی ہے تمہاری نظر میں' تو کہو اپنے کامران کے ساتھ ہی محتشم کی بھی شادی کر دیتے ہیں خیر سے کامران کے ساتھ ہی یہ بھی گھوڑی چڑھے۔"

"لڑکیوں کا کیا کال پڑ گیا ہے شہر میں جو ہم محتشم بھائی کی شادی کامران بھائی کے ساتھ کر دیں پھر رمشا بھی برا مان گئیں تو؟ رہنے دیں دادو جی! ہم سوالٹ کا بلب لے کر محتشم بھائی کی دلہن تلاش کریں گے خدا کے گھر میں دیر ہے اندھیر نہیں۔"

سب مسکرا رہے تھے سوائے دادو جی کے انہوں نے گھور کر اسے دیکھا پھر بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔

"کل عمران کا بھی فون آیا تھا وہ بھی پوچھ رہا تھا کہنے لگا کامران کی تو شادی ہو رہی ہے خیر سے محتشم کے کتنے بچے ہیں میں نے کہا یہاں تو شادی کی خبر نہیں تم بچوں کی بھلی پوچھتے ہو۔" انہوں نے سب سے بڑے پوتے کا نام لیا۔

"میں تو کہتی ہوں کل کو چھوڑو آج اس کی شادی کر دوں لڑکیاں بھی ایک سے بڑھ کر ایک میری نظر میں ہیں مگر یہ مانے بھی تو۔" پھپھو مومنہ نے بدگمانی سے انہیں دیکھا وہ سر جھکائے مسکراہٹ لبوں تلے سمیٹے سب سن رہے تھے۔

"اب کیسے بچے بنے مسکرا رہے ہیں۔" زین نے انہیں چھیڑا۔

"سنیں محتشم بھائی کوئی انفرادی پسند ہے تو چپکے سے میرے کان میں بتا دیں میں عرضی آگے تک پہنچا دوں گا وہ بھی وہ آؤٹ اپنے کمیشن اور اگر کوئی آئیڈیل و ائیڈیل کا چکر ہے تو بھی بتا دیں ہم اوریجنل پرنٹ آؤٹ نکلوا لیں گے۔"

"ایک بات ہے پھپھو جی ـــ کامران بھائی کی شادی کے بعد ہم محتشم بھائی کے لیے ایک اچھی سی لڑکی تلاش کریں۔" ماہا نے جھٹ سے تجویز دی۔

"بلکہ بعد میں ہی کیوں؟ شادی میں اتنے لوگ ہوں گے میری ساری فرینڈز بھی آئیں گی بس تو آپ انہی میں سے کسی ایک ـــ"

"تمہاری فرینڈز۔" وہ اس کی بچکانہ بات پر زور سے ہنس دیے زین کہہ رہا تھا۔

"گویا شادی شادی نہیں بلکہ سیل میلہ ہو گا یعنی جو پسند آئے وہ آپ کی۔ واہ بھئی گولڈن چانس ہے۔ محتشم بھائی مس نہیں کرنا چلو اسی بہانے کچھ اپنا بھی فائدہ ہو جائے گا۔"

"منہ دھو رکھیے جناب زین العابدین صاحب یہ آفر صرف محتشم بھائی کے لیے ہے۔"

"آہ کیا کہہ دیا ظالم۔" اس نے مصنوعی دلگرفتگی سے کہا۔

"میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کاش میں محتشم بھائی ہوتا۔" اس کی سرگوشی صرف ماہا نے سنی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تمہاری آفر مجھے بالکل بھی منظور نہیں ہے' چاہو تو آفر آگے ٹرانسفر کردو کیا پتا واقعی زین کا بھلا ہو جائے میرا تو ابھی شادی کرنے کا موڈ نہیں ہے یوں بھی پہلے ارم کی شادی ہوگی پھر میری۔" ان کا لہجہ مستحکم و ٹھوس تھا۔

"ارے ارم سے یاد آیا اماں! وہ رضوی صاحب ہیں نا ان کا بیٹا ہے ماشاء اللہ بڑا ہونہار۔" پھپھو جی محتشم بھائی کو چھوڑ ارم آپی کا مسئلہ لے کر بیٹھ گئیں محتشم بھائی نے سکون کا سانس لیا اور اس کی جانب دیکھ کر بولے۔

"تم کھانا لگا رہی ہو یا میں جاؤں؟"

وہ خاموشی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"یہ عمران کا کب تک ارادہ ہے پاکستان آنے کا؟" محتشم بھائی کے آواز اس نے اپنے عقب میں سنی تھی۔

"جلدی تو نہیں آسکیں گے آفس سے چھٹی نہیں مل رہی اسی لیے شادی سے بس ایک ہفتہ قبل ہی آسکیں گے۔" زین کہہ رہا تھا۔

اس کی سرگوشی کی طرح آواز کا خالی پن بھی صرف اماں نے محسوس کیا تھا۔ وہ بنا پلٹے دروازہ عبور کر گئی۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وطن بہت تیزی سے گزر رہے تھے اور ہر گزرتا دن امی کی بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا۔ شادی کے انتظامات سے متعلق تشویش میں مبتلا تھیں اگرچہ آدھے سے زیادہ انتظامات ہو چکے تھے پھر ابھی تو تقریباً ایک ماہ باقی تھا کیونکہ اپریل کے آخری ہفتے میں شادی تھی اور ابھی تو مارچ کا بھی پورا ایک ہفتہ باقی تھا مگر امی بے چینی میں مبتلا تھیں ان کے خیال میں عین شادی والے روز کتنے ہی ایسے کام سر اٹھائے کھڑے ہوں گے جنہیں پہلے انجام پا جانا ضروری تھا بقول ان کے عمران کی شادی میں اچھی خاصی افراتفری ہو گئی تھی اور یہی اب وہ نہیں چاہتی تھیں۔

کامران بھائی کا کمرہ اوپر کے پورشن میں تھا کچھ روز قبل ان کے کمرے سمیت اوپر کے پورشن میں کچھ تعمیری تبدیلیاں عمل میں لائی گئی تھیں جن کا مطالبہ سراسر مشابھابھی کی والدہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ پتا نہیں انہیں ہر چیز میں کیڑے نکالنے کی عادت تھی یا یہ عادت اس خاندان سے رشتہ جڑنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔ افتخار انکل ابو جی کے دور پار کے کزن تھے اور یہ رشتہ سراسر انہی کے ایما پر ہوا تھا البتہ آنٹی اس رشتے سے مطمئن نہیں تھیں کبھی منگنی ہو جانے کے باوجود کبھی کامران بھائی کی اچھی بھلی ملازمت میں خامی نظر آتی تو کبھی مکان کے چھوٹے ہونے کا قلق ہوتا حالانکہ مکان کچھ ایسا چھوٹا بھی نہیں تھا بارہ مرلہ کے اس ڈبل اسٹوری مکان میں زندگی کی وہ ہر سہولت موجود تھی جو متوسط طبقہ افورڈ کر سکتا ہے۔

گھر کے بڑے بتاتے تھے کہ قیام پاکستان کے بعد صدر کے علاقے میں دادا نے یہ مکان کلیم میں حاصل کیا تھا حد میں انہوں نے ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کر لیں ابو جی نے اپنی شادی کے وقت کچھ ضروری تبدیلیاں کیں پھر عمران بھائی کی ملازمت کے بعد گھر کے معاشی حالات بہت بہتر ہو گئے تو مزید کچھ تعمیراتی کام کروا لیا گیا۔ دادا کے زمانے کا وہی مکان جو ایک ہال نما کمرے اور لکڑی کی چھت والے باورچی خانے پر مشتمل تھا اب اسی مکان میں ہر فرد کے لیے نہ صرف الگ کمرہ موجود تھا بلکہ ڈرائنگ روم کے علاوہ دو اسٹور روم بھی موجود تھے جنہیں بوقت ضرورت گیسٹ روم کے طور پر بھی استعمال کر لیا جاتا تھا پرانی شکل و صورت والے مکان پر بہت نئے فیشن کے مطابق نہ سہی مگر پسند کے مطابق کافی رنگ کا پینٹ کروایا گیا تھا بلکہ سارے گھر میں از سر نو پینٹ کروایا گیا تھا پھر اس کی امی خاصی کفایت شعار تھیں ابو جی کی مختصر سی تنخواہ میں بھی انہوں نے گھر کو بہت اچھے طریقے سے سجا رکھا تھا اور اب تو پھر بھی گھر میں دو دو تنخواہیں اور عمران بھائی کے کمائے ہوئے سعودی ریال آتے تھے۔ آمدن بڑھی تھی تو خوشحالی آئی تھی اور خوشحالی آئی تھی تو طرز رہائش میں تبدیلی آئی تھی مگر زین ابھی بھی مطمئن نہیں تھا وہ ہمیشہ سے "زیادہ سے زیادہ" اور "بہتر سے بہتر" کا قائل رہا تھا۔ انجینئرنگ پڑھ رہا تھا سو ذہن میں نئے نئے آئیڈیاز کلبلاتے رہتے تھے۔

"اگر ہم اپنے گھر میں "یہ" "یہ" تبدیلیاں "یوں" "یوں" کر لیں تو ہمارا گھر گلبرگ یا ڈیفنس ٹاؤن میں بنی کوٹھیوں کو بھی مات دے گا۔" وہ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ یہ بات کہتا تھا مگر ابو جی کا جواب کبھی تبدیل نہیں ہوا۔

"ان سب تبدیلیوں کے لیے سرمایہ درکار ہے جو کہ میرے پاس تو ہے نہیں جب تم خود کمانے لگو گے تو جتنی مرضی تبدیلیاں کر لینا میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔" سو اب زین کے وہی خواب تھے۔ ایک ارم سے شادی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوسرا اچھی سی جاب کے حصول کے بعد اتنا سرمایہ اکٹھا کرنا جس سے وہ ایک شاندار سا گھر بنا سکے۔ وہ تبریز کے گھر کو دیکھ کر آہیں بھرنا تو مرلہ کے رقبے پر بنا سرمئی ٹائیلز' سیاہ گرل' خوبصورت سے ٹیرس اور چھوٹے سے لان پر مشتمل اس مکان کی تعمیر نہایت جدید خطوط پر کی گئی تھی پھر تبریز نے گھر کی آرائش میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی تھی۔ اس کا گھر اس کے شاہانہ مزاج کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ (یہ زین کی رائے تھی)۔

"ہمارا گھر تو اس گھر کے سامنے بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے ہنڈا اکارڈ کے سامنے رنگیلی بس کھڑی کر دی ہو۔"

زین ایسی مثالیں ڈھونڈ لانے میں ماہر تھا اور ماہا کو ایسی باتوں سے چڑ تھی مگر وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ اصل میں زین متاثر کس سے ہے تبریز سے یا تبریز کے گھر سے۔

"میں تبریز سے متاثر ہوں تبریز کے گھر سے متاثر ہوں اس کے طرز رہائش سے متاثر ہوں اس کے شاہانہ انداز سے متاثر ہوں۔ اور یار! میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں اس کی کس کس بات سے متاثر ہوں۔" ماہا کے یونہی ذکر کرنے پر وہ بڑے پرجوش انداز میں گویا ہوا تھا۔

"جب وہ یونیورسٹی میں تھا تو میری رائے اس کے بارے میں بہت مختلف تھی میں اسے مغرور اور خودپسند سمجھتا تھا اور صحیح ہے بھئی! لوگ تو ذرا سی ذہانت پر زرافے کی طرح گردن اکڑا لیتے ہیں تبریز تو پھر بھی تھرو آؤٹ پوزیشن ہولڈر تھا یہ تو دوستی کے بعد اندازہ ہوا کہ اصل میں وہ بہت پیارا انسان ہے مغرور ہرگز نہیں۔ بس ریزرو رہتا ہے جلدی لوگوں میں گھلتا ملتا نہیں محفل میں بھی الگ تھلگ لگتا ہے اپنوں کی دوری سے بلکہ جدائی کہنا زیادہ مناسب رہے گا بس ایک یہی خامی رہ گئی تبریز کی شخصیت میں۔"

"ہیں۔ ہیں۔ مطلب۔" داود جی چشمہ درست کرتے ہوئے چونکیں زین چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر تاسف سے بولا۔

"تبریز بالکل اکیلا ہے داود جی! اس کے پیرنٹس ایک ایئر کریش۔ ہوائی حادثے کا شکار ہو گئے تھے تب تبریز صرف بارہ برس کا تھا کسی دور پار کے رشتے دار نے سنبھالا تبریز کو بھی اور اس کے فادر کی پراپرٹی کو بھی مگر زیادہ توجہ پراپرٹی پر رہی تبھی تبریز کو تعلیمی دور ہاسٹلز میں گزارنا پڑا۔"

یہ بات داود جی اور اس کے لیے نئی تھی اس سے قبل زین نے تبریز کی کسی ایسی محرومی کا ذکر نہیں کیا تھا اسے فطری سا دکھ ہوا مگر داود جی کی طرح شدت غم سے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے تبریز کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دراصل وہ بخوبی واقف تھی کہ زین کو لوگوں سے جلدی جلدی متاثر ہو جانے کی بیماری ہے اور وہ خود اس کی زبانی ایسی باتیں سن کر اس کا مذاق اڑایا کرتی تھی مگر اس وقت معاملہ مختلف تھا ماہا نے کسی قسم کے اظہار رائے سے گریز کرتے ہوئے خاموش رہنے کو ترجیح دی تھی وہ چھ سات ماہ کے اس عرصے میں پہلی بار تبریز سے ہمدردی محسوس کر رہی تھی۔

"ہائے بیچارا! بن ماں باپ کا بچہ۔ نہ ماں' نہ بہن' نہ باپ' نہ بھائی۔ ہاہا لوگوں کے دل بھی سیاہ ہوتے جا رہے ہیں مجال ہے جو اپنوں کی محبت بھی باقی رہی ہو۔ بتاؤ کوئی انسانیت ہے ادھر بچے کی تعلیم مکمل ہوئی ادھر رشتے دار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سب چھوڑ چھاڑ دوسرے ملک جا بیٹھے بچے کو کوئی کھانا پکا کے کھلانے والا بھی نہیں۔ زین! اس سے کہو ہماری طرف ہی کھالیا کرے۔" انہوں نے کڑھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا تھا تبریز سے۔ مگر وہ مانا نہیں ساری زندگی ہاسٹل میں گزاری ہے سو خود بھی کچھ پکانا جانتا ہے اب تو یوں بھی اس نے ایک لڑکا ملازم رکھ لیا ہے کھانا پکانا گھر کی دیکھ بھال وغیرہ سلیم ہی کرلیتا ہے۔"

"ہائے بن ماں باپ کا بچہ۔" دادو جی نے اسی شام بن ماں باپ کے بچے سے عرصہ دراز قبل وفات پا جانے والے والدین کی تعزیت کی تھی۔ یوں بھی تبریز کا گھر میں آنا جانا بڑھ گیا تھا اگرچہ یہ آنا جانا صرف ڈرائنگ روم تک محدود تھا اس نے دو ایک بار زین کے ازحد اصرار پر کھانا بھی کھایا تھا بلکہ اب تو دادو بھی زین کو کہتی تھیں کہ وہ تبریز کو بلوا لے۔ "اچھا ہے دونوں بھائی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا کرے۔" وہ کہتیں اور امی کو بھی اعتراض نہیں تھا تبریز شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں کافی مدد کروا رہا تھا اس نے اپنی فالتو پڑی بائیک ضرورت کے استعمال کے لیے زین کو دے دی تھی وہ خود تو کار استعمال کر رہا تھا اس کا ارادہ بائیک فروخت کرنے کا تھا اور زین کافی عرصے سے کوئی سیکنڈ ہینڈ بائیک تلاش کر رہا تھا ابو کے پاس Vispa تھی۔ کامران بھائی کی اپنی موٹر بائیک تھی۔ ایک وہی بغیر سواری کے تھا۔ سو اس نے فوراً "بائیک آدھی قیمت میں خرید لی۔ حالانکہ تبریز رقم لینے پر معترض تھا۔

"تمہیں جب تک بائیک کی ضرورت ہے تم اسے استعمال کرلو زین! قیمت ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" بقول زین تبریز نے نہایت خلوص سے کہا تھا مگر زین کو بذات خود یہ بات پسند نہیں تھی۔

"یار! قیمت ادا کرنے کی تو واقعی ضرورت نہیں ہے مگر وہ کہتے ہیں نا کہ بیوی اور گاڑی ہمیشہ ذاتی ہونی چاہیے۔ تو بس میں بھی اسی بات پر یقین رکھتا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں زین کو جن فرمز میں جانے کا موقع ملا تھا انہی میں سے ایک فرم نے اسے جاب آفر کی تھی اگرچہ ابھی زین کا رزلٹ نہیں آیا تھا مگر اس کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اور کچھ نئے ٹیلنٹ کو آزمانے کی غرض سے جاب آفر کی گئی تھی۔

جوائننگ رپورٹ سائن کرنے کے بعد زین خاصا خوش تھا اور پرجوش بھی۔

"اچھا یہ بتاؤ میری پہلی پے میں سے تم دونوں کیا لوگی۔" مونگ پھلی کے دانوں کو مسل کر پھونک مار کر چھلکے اڑائے اور ہتھیلی ارم کے سامنے پھیلا دی۔

وہ ابھی کچھ دیر قبل آفس سے آیا تھا اور اب ان دونوں کے ساتھ بیٹھا گپیں لڑا رہا تھا۔ کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔ ارم نے اس کی ہتھیلی سے چند صحت مند دانے چن لیے۔

"پہلے یہ تو بتاؤ کہ پے ملے گی کتنی؟" وہ صبح سے آئی ہوئی تھی اور رات رکنے کا ارادہ تھا۔

"بھئی نہایت نامناسب سوال ہے۔" زین نے کرسی پر مزید کچھ پھیلتے ہوئے بری سی شکل بنائی۔ "تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ لڑکیوں سے ان کی عمر اور لڑکوں سے ان کی تنخواہ کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے۔"

"کیوں نہیں پوچھا کرتے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بس نہیں پوچھا کرتے۔ بندہ ال مینوڈ لگتا ہے۔"

"اچھی لاجک ہے۔" ارم نے سستی سے پاؤں پھیلائے۔

"اور یہ تم نے ہاتھ کیوں روک لیے۔ میں یہ مونگ پھلی صرف ماہا کے لیے نہیں بلکہ تم دونوں کے لیے لایا تھا اور اس پیٹو مچھلی کو دیکھو ایسا لگ رہا ہے ریس لگا کر کھا رہی ہے بات کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ تم بھی سستی چھوڑو اور بسم اللہ کرو۔"

"میں کھا چکی ویسے بھی زیادہ کھانے سے گلا خراب ہو جائے گا اب موسم نہیں رہا مونگ پھلی کھانے کا۔"

"اچھا پھر تمہارے حصے کی بھی میں کھا لیتا ہوں۔"

"خبردار۔" ماہا نے فورا" سے پیشتر لفافہ اپنے قبضے میں کیا۔ "میں بھی بس تمہیں یاد کروانے ہی والی تھی کہ تم یہ مونگ پھلی ہمارے لیے لائے تھے اور پلیز' جوتے اپنے کمرے میں جا کر اتارو کیونکہ میں نے اور ارم آپی نے رات کو یہیں سونا ہے اور تمہارے جوتے اتارنے کے بعد یہاں ایک منٹ کے لیے سانس لینا بھی مشکل ہو جائے گا۔"

"محترمہ یہ میرے جوتے ہیں آپ کے نہیں۔"

"اب تم دونوں لڑنا مت۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر میرا سوال تو بیچ میں ہی رہ گیا۔" زین نے پھر کہا تو ارم سوچتے ہوئے بولی۔ "اچھا تم یوں کرنا جب تمہیں پہلی پے ملے تو مجھے اچھی سی آئس کریم اور پزا کھلا دینا۔"

"ہاں چھوٹے لوگ چھوٹی ڈیمانڈ۔ کوئی بڑی چیز مانگی ہوتی۔"

"اچھا۔ مثلاً"۔" ارم نے برا منائے بنا پوچھا تو وہ اطمینان سے بولا۔

"مثلاً" تاج محل۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تاج محل۔" ارم کی آنکھوں اور لہجے میں تعجب سمٹ آیا پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی وہ ایسی مسکراہٹ تھی جو ماہا کی سمجھ سے بالاتر تھی اس مسکراہٹ میں ایسی مسکراہٹ کا کوئی تاثر نہیں تھا جیسی مسکراہٹ زین کے ہونٹوں بلکہ سارے چہرے کو احاطے میں لیے ہوئے تھی وہ بہت بڑی بات کو زومعنی کہہ کر انجان ہو گیا تھا مگر محض لفظوں کی حد تک۔ اس کی آنکھوں میں بے حد شرارت اور بڑی واضح چمک تھی۔ زین کو اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ سادگی سے بولی۔

"پچھلے ہفتے تم نے مجھ سے سو روپے ادھار لیے تھے پہلی پے ملتے پر بس وہی واپس کر دینا۔ بڑی مہربانی ہوگی۔"

پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"تمہیں تو امی نے پھولک لانے کے لیے کہا تھا۔" زین کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر کی پشت تک چلا گیا۔

"میں بھول گیا۔" وہ شرمندہ تھا کیونکہ صبح گھر سے نکلتے ہوئے امی نے خاصی تاکید کی تھی۔

"بھول گئے ہر یاد رکھنے والی بات تم بھول جاتے ہو اتنے تھوڑے دن رہ گئے ہیں شادی میں۔ اب ہم بجائیں گے کیا، تمہارا سر؟" وہ صدمہ اور غصے کی ملی جلی سی کیفیت کا شکار تھی۔

"نہیں تمہارا سر۔ ویسے بھی بھرے ہوئے کنستر کی نسبت خالی کنستر اچھا بجتا ہے۔" وہ کہہ کر چھپاک سے باہر نکل گیا۔ ارم کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"آپ کیوں ہنس رہی ہیں؟" ماہا نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑکی میں جا رکی۔

"تم دونوں ہر وقت جھگڑتے رہتے ہو۔ بور نہیں ہوتے اس ایکٹویٹی سے۔"

"بالکل نہیں۔" وہ پھر شروع ہو گئی تڑتڑ کی آواز کے ساتھ بستر پر چھلکوں کا ڈھیر لگ رہا تھا۔

"میں اور زین تو بوریت دور کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔"

"اور جب لڑتے لڑتے بور ہو جاتے ہو تو۔"

"تو۔۔۔؟" اس نے پل بھر کو سوچا پھر لاپروائی سے بولی۔ "تو پھر لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"یہ بھی بے تکلفی کی علامت ہے۔" ارم نے متبسم لہجے میں کہا۔ "سنا ہے زیادہ لڑنا جھگڑنا بھی محبت کی نشانی ہوتی ہے کاش۔ میرے بھی بہت سارے بہن بھائی ہوتے تو میں بھی ان سے لڑتی جھگڑتی یا محتشم بھیا اور میرے علاوہ ضرور کوئی بہن بھائی ہوتا تو ہمارے گھر میں بھی کچھ ہلچل ہوتی۔"

"تو آپ محتشم بھائی سے جھگڑا کیا کریں نا۔ وہ بھی تو اتنے اچھے ہیں۔"

"تو میں نے کب کہا کہ وہ برے ہیں۔" ارم نے کہا۔ "بس۔۔۔ یوں ہے کہ احترام اور بے تکلفی ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔"

ماہا نے قدرے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا کھڑکی سے باہر نجانے کس پر نظریں ٹکائے ارم آپی بڑے پھیکے سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

حسب عادت بات کی تہہ تک پہنچے بنا اسے ارم آپی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی وہ اسے بہت تنہا محسوس ہوئی تھیں۔

"تو آپ مجھ سے لڑ لیا کریں میں بھی تو آپ کی بہن ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ارم نے مزے سے اس کی معصومیت پر تبصرہ لگایا۔ "تمہاری یہ ہی باتیں تو کھینچ لاتی ہیں مجھے۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں؟" وہ خفگی سے بولی۔

"بالکل نہیں بلکہ میں تو تمہاری آخر پر سنجیدگی سے سوچ رہی ہوں لیکن یار! تم سے لڑنے کو تو دل نہیں چاہتا دل چاہتا ہے تم سے صرف باتیں کی جائیں تمہاری طرح پیاری پیاری۔"

"تو پھر کریں ناں۔" وہ مسکرائی بچی نہیں تھی وہ مگر اس خاندان کے سبھی لوگ اسے کسی چھوٹی بچی کی طرح ٹریٹ کرنے کے عادی تھے سو وہ خود بھی اس چیز کی عادی تھی مگر کچھ عادتیں کبھی کبھی نقصان کا باعث بھی بن جایا کرتی ہیں۔ اس کی شخصیت پر بچپنا اور ناسمجھی کا عنصر غالب تھا۔

"تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" ارم نے پوچھا۔

"جانا کہاں ہے وہیں کھڑی ہے۔" اس نے موبائل پھلی کا لفافہ بند کیا۔

"پیپرز کب ہیں؟"

"جون میں ہوں گے یا پھر جولائی میں اور آپ کے پیپرز کب ہیں؟" بتا کر اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" ارم کا جواب بیزاریت بھرا تھا اور تمام تر توجہ باہر۔ وہ ایم اے ہسٹری فائنل ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی ایک پرائیویٹ انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمیشن لے رکھا تھا۔

"پیپرز کی تیاری کیسی ہے؟" ماہا نے پھر پوچھا تو ارم بولی۔

"لڑکیوں سے ان کی عمر لڑکوں سے ان کی تنخواہ اور اسٹوڈنٹ سے اس کے پیپرز کی تیاری کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے۔" اس کے انداز میں شگفتہ سی تنبیہہ تھی۔ پچھلی گفتگو کو یاد کرتے ہوئے ان دونوں نے ہنسنے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا ماہا اس کے قریب کھڑکی میں آن رکی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس نے سرسری سا سوال کیا۔ نیچے گلی میں اکا دکا بچے دکھائی دے رہے تھے اسٹریٹ لائیٹس روشن ہو چکی تھیں اس علاقے میں چونکہ زیادہ تر ملازمت پیشہ افراد رہائش پذیر تھے اس لیے صبح کے بعد اسی وقت ہلچل محسوس ہوتی تھی فضا میں پلاؤ پکنے کی مزیدار سی مہک بکھری پڑی تھی تبریز کے گھر کا لان کونے میں لگے لیمپ پوسٹ کی روشنی میں بھیگا ہوا تھا اور لان سے منسلک گیراج میں تبریز اور سلیم دونوں ہی موجود تھے وہ لوگ غالباً "کار کی دھلائی میں مصروف تھے۔

"وہ دیکھو چاند کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔" ارم کے کہنے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے والوں کی پانی کی ٹنکی کے عین اوپر نامکمل سا چاند ٹکا تھا۔

"چلیں نیچے چل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

اسے بھوک میں کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا سو اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے چلی آئی۔

کچن کے دروازے کے سامنے برآمدے میں پرانی طرز کی ڈائننگ ٹیبل پڑی تھی زین وہیں بیٹھا امی کے ساتھ بحث میں مصروف تھا اس کی ضد تھی کہ ڈھولک کی کمی پیتل کی پرات سے پوری کی جائے پھر اس نے یہ ضد پوری بھی کی تھی ماہیے ان سب نے مل کر گائے تھے جبکہ داود جی سے فرمائش کر کے ان کے زمانے کے مشہور گانے سنے گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ارم کے سر میں درد تھا سو وہ جلدی اٹھ کر اوپر کمرے میں چلی گئی ماہا کو ابھی مزید ہنگامے کے موڈ میں تھی مگر ارم کے اٹھنے کے ساتھ ہی زین کی دلچسپی بھی ختم ہو گئی۔ رات کے کھانے کے بعد ابو جی چائے ضرور پیا کرتے تھے اس نے ایک کی بجائے دو کپ چائے بنائی اور چائے کے ساتھ ایک پین کلر لے کر اوپر کمرے میں آگئی۔

ارم اب تک کھڑکی میں کھڑی تھی وہ حیران ہوئی پھر ہنس دی۔

"آپ کو چاند اتنا پسند ہے ارم آپی؟" ارم اس کی آواز پر چونکی پھر خود بھی مسکرا دی۔

"مجھے چاند بہت پسند ہے ماہا۔"

"پھر آپ زین سے کہیں کہ وہ آپ کو چاند لا دے۔"

ارم کو مگ پکڑاتے ہوئے اس نے کہا اپنی طرف سے خاصی عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے ارم کو کچھ کہنے کے لیے اکسایا تھا وہ اسے وہ بات کہنے کے لیے رضامند کرنا چاہتی تھی جو ماہا سننا چاہتی تھی۔

"صرف اچھی لگنے سے چیزیں کب ملا کرتی ہیں ماہا! اپنی پسند کو حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے قربانی دینی پڑتی ہے اور قربانی دینے کے لیے بڑا حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ تم چائے نہیں پیو گی؟"

وہ بیڈ پر بیٹھ کر چائے پینے لگی اور ماہا کا دل پہلی بار چاہا تھا کہ وہ ارم سے زین کے بارے میں استفسار کرے اور وہ بلا جھجک ایسا کر بھی لیتی اگر جو زین سے کیے عہد کا پاس نہ ہوتا یہ وہ واحد معاملہ تھا جسے وہ بڑے آرام سے دل میں چھپا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر انہوں نے بہت سی باتیں کیں کوئی خاص باتیں نہیں بس ادھر ادھر کی عام سی باتیں پڑھائی کی باتیں کالج کی باتیں۔ اپنی عادت کے عین مطابق وہ زیادہ تر بولتی رہی تھی ارم نے سننے کا فریضہ سرانجام دیا۔ شادی میں پہننے کے لیے ڈریسز کا چناؤ بھی اسی روز فائنل کیا گیا اور اپنی باتوں کے دوران انہیں قطعی اندازہ نہیں تھا کہ نچلے پورشن میں دادو جی کا سانس الجھ رہا ہے۔

ہوش تو تب آیا جب امی نے اوپر آکر ماہا سے دادو کے Inhaler کے بارے میں دریافت کیا۔ دادو جی دمہ کی مریضہ تھیں پھر عمر کے اس حصے میں تھیں جہاں چھوٹی سے چھوٹی بیماری بھی شدت اختیار کر لیتی ہے رات بہت جوش میں گانے کی باعث ان کا سانس پھول گیا تھا۔ ماہا رات میں ان کے ساتھ سویا کرتی تھی آج ارم کی وجہ سے اوپر اپنے کمرے میں سوئی تھی تبھی ان کی طبیعت کی خرابی کا علم نہ ہو سکا امی رات میں ایک بار ان کے کمرے میں ضرور جھانکا کرتی تھیں آج بھی اپنے مخصوص وقت پر جھانکا تب دادو کی حالت کا علم ہوا۔

جب تک وہ دونوں دادو کے کمرے میں آئیں ابو سمیت کامران بھائی اور زین بیدار ہو چکے تھے۔

"کامران تم جا کر ڈاکٹر کو لے آؤ۔" ابو جی نے دادو کی ہتھیلیاں رگڑتے ہوئے مضطرب سے انداز میں کہا۔ شادی کی تیاریوں میں گھر کی ہر چیز اپنے مقام سے ہلی ہوئی تھی ایسے میں ننھے سے Inhaler کا ملنا ممکن نہ تھا اور دادو کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں دادو جی کو ہاسپٹل لے جانا چاہیے۔" کامران بھائی نے کہا تھا۔

"ہاں ہو تو پھر ٹیکسی ہی لے آؤ۔" ابو جھنجلا کر قدرے بلند آواز میں بولے۔

"ٹیکسی بھی کہاں ملے گی اس وقت۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

امی نے آنسوؤں کے درمیان کہا خاصی حساس دل خاتون تھیں وہ کسی غیر کی تکلیف پر بھی آنسو پہلے باہر آتے تھے بات بعد میں کرتیں۔

"میں دیکھتا ہوں۔" زین تیزی سے کہتا باہر نکل گیا گھڑی کی سوئیاں ڈھائی کے ہندسے سے آگے بڑھ رہی تھیں ٹیکسی مین روڈ سے مل سکتی تھی اور صدر کی یہ الجھی ہوئی گلیاں عبور کر کے مین روڈ تک جانے میں کم سے کم بھی پندرہ منٹ لگتے تھے مگر زین محض پانچ منٹ بعد واپس آیا تھا۔

"چلیں۔"

"ٹیکسی مل گئی۔" اسے دادو کے بیڈ کی جانب بڑھتے دیکھ کر ارم نے پوچھا۔

"نہیں۔ تیمر کی گاڑی میں دادو کو ہاسپٹل لے کر جائیں گے۔" اس نے بڑے آرام سے دادو جی کے منحنی وجود کو بازوؤں میں اٹھالیا۔

امی اور ابو گاڑی میں ہی چلے گئے پیچھے ہی کامران بھائی بھی بائیک نکالنے لگے تو وہ ساتھ جانے کی ضد کرنے لگی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں۔" وہ زین کو گھر پر رکنے کی تاکید کر کے بائیک بھگا لے گئے۔

کچھ پل خاموشی سے کٹے پھر جھنجلا کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ اضطراب سے ٹیلی فون اسٹینڈ کے قریب چکر لگاتا زین بری طرح جھنجلا کر اس کی طرف پلٹا۔

"تم تو اپنا باجا بند کرو۔"

اس نے چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا کر سسکنا شروع کر دیا تو ارم کو بولنا پڑا۔

"پلیز زین! اس طرح مت کرو اس کے ساتھ وہ پریشان ہے۔"

"تو میں کیا بہت خوش ہوں۔" وہ تھک کر صوفے پر گر گیا اور پیشانی مسلنے لگا۔

ارم نے ایک نظر اس کے متفکر چہرے کو دیکھا۔

"تم فکر مت کرو ماہا! انشاء اللہ نانو کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ پر یقین تھی اور اس کا یقین کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا پینتالیس منٹ بعد کامران بھائی نے فون پر خیریت کی اطلاع دی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایک کھائی تھی۔ گہری، عمیق کھائی۔

یا شاید کوئی کنواں۔۔۔ اندھا کنواں۔۔۔ روشنی کی ایک ننھی سی کرن بھی نہیں تھی۔ اس کے اردگرد بے تحاشا تاریکی تھی۔

وہ شاید "قبر" تھی تو کیا ایک قبر سے نکل کر وہ دوسری قبر میں آگئی ہے۔ اس نے سوچا مگر جواب میں اس کے کانوں میں عجیب سی آوازیں ٹکرانے لگیں۔ بہت ساری آوازیں۔ ڈھیر ساری آوازیں۔

اس شور سے اس کا دماغ پھٹنے کو تھا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں زندہ ہوں۔" اس کے دل میں آواز گونجی۔ ایک جگنو اسے دکھائی دیا۔ اس نے اپنے کانوں سے ہاتھ ہٹائے تب اسے احساس ہوا کہ وہ قبر میں نہیں تھی بلکہ وہ ایک تنگ سی راہداری تھی جس میں بے حد تاریکی تھی۔

"میں زندہ ہوں۔" اس نے خود سے کہا اور اس جگنو کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا وہ کسی بھی طرح اس جگنو کو اپنی مٹھی میں لینا چاہتی تھی۔

وہ بھاگتی رہی۔ زخموں سے چور اس کا بدن اس مشقت کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس کے پیروں سے خون رسنے لگا تھا اور پھر بھی وہ بھاگ رہی تھی۔ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ روشنی کا وہ نقطہ پہلے سے زیادہ دور ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک ہر طرف دھندلی سی روشنی پھیل گئی۔ زرد زرد شعاعوں نے اسے اپنے احاطے میں لے لیا۔

وہ تھک کر گھٹنوں کے بل گر گئی اس کی سانس پھول چکی تھی اس کے ارد گرد درخت تھے۔ موٹے تنوں والے اونچے اونچے درخت۔۔۔

"میرے اللہ۔" اس نے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے آسمان کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ اوپر اس کے سر پر دھند تھی گہری دھند۔ اچانک اس کی آنکھوں میں سفید روشنی کے نیزے چبھ گئے اس نے بیقراری سے ہتھیلیاں آنکھوں پر رکھ دیں۔

اس کی آنکھیں تکلیف سے بھری تھیں۔ اس پاؤں میں کانٹوں کی چبھن تھی۔ اس کے بازو میں بے تحاشا درد تھا اس کا بدن ٹھوکروں کی شدت سے کراہ رہا تھا اور۔۔۔ اور وہ سانس لے رہی تھی۔

اس نے ہتھیلیاں آنکھوں سے ہٹا دیں۔ منظر بالکل صاف تھا نہ کوئی دھند نہ تاریکی۔

وہ ایک سجے سجائے بیڈ روم میں تھی۔ بیڈ کے دائیں جانب کرسی پر ایک عورت براجمان تھی۔ سستی سے جمائی لیتی وہ عورت اس کی کھلی آنکھیں خود پر مرکوز دیکھ کر ہڑبڑا کر اس کے قریب آئی تھی۔

"بی بی۔۔۔ بی بی! بٹیا کو ہوش آگیا۔"

سرائیکی لب و لہجے والی وہ عورت۔۔۔ اس نے اس عورت کو دروازے کی جانب جاتے اور دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا اور پھر سر تکیے پر گرا لیا تھا۔ وہ عورت کون تھی؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ اس وقت کہاں تھی؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ صرف ایک بات جانتی تھی کہ وہ زندہ ہے اور وہ کیوں زندہ ہے؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بات عجیب نہیں تھی مگر اسے عجیب ہی لگی۔

"لو بھلا۔ یہ کیا بات ہوئی میں کیوں نہیں پہن سکتی گجرے؟"

اس نے جھنجلا کر امی اور دادو جی کو باری باری دیکھا۔ کچھ دیر قبل دادو جی نے اسے اپنے کمرے میں بلوایا تھا وہ اس وقت اپنی کزنز اور فرینڈز کے ساتھ خوب زور و شور کے ساتھ ڈھولک بجانے میں مصروف تھی اور چونکہ بلاوا دادو جی کی جانب سے تھا سو آنا ہی پڑا۔ وہ اس کی نظر اتارنا چاہتی تھیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ مہندی کی تقریب میں امی نے سب لڑکیوں کے لیے موتیا اور گیندے کے گجرے منگوائے تھے اور ماہا ان گجروں کو پہننے پر بضد تھی امی اور دادو جی کا انکار اسے عجیب لگ رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ایک بار کہی جانے والی بات تو تمہیں سمجھ ہی نہیں آتی ماہا! جب کہہ دیا کہ تم نے گجرے نہیں پہننے تو بس نہیں پہننے۔" امی کا لہجہ دوٹوک تھا وہ مزید چڑ گئی۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

"اُف۔۔۔ میں تمہارے سوالوں سے عاجز آگئی ہوں ماہا۔ کوئی بات تو بغیر سوال جواب بھی مان لیا کرو۔"

"ہمارے خاندان میں لڑکیاں گجرے نہیں پہنا کرتیں۔"

"اچھا۔۔۔" یہ نئی بات تھی اسے دھچکا سا لگا۔ "نعم بھابھی نے بھی تو پہنے ہیں۔"

اس نے عمران بھائی کی بیوی کا نام لیا امی نے زچ ہو کر سر پیٹ لیا۔ پھر بیٹی کی طرف دیکھا۔ مہندی کلر کے سوٹ میں خوب بک سک سے تیار وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ انہوں نے نظر ہٹائی اور تحمل سے بولیں۔

"نعم لڑکی نہیں بیاہتا عورت ہے ماشاء اللہ دو بچوں کی ماں ہے اور ہمارے یہاں کنواری لڑکیوں کو پھول نہیں پہنائے جاتے۔"

اس نے گہرا سانس بھر کر مدد طلب نظروں سے دادو جی کو دیکھا مگر وہ بھی مدد کرنے کے موڈ میں قطعاً "نہیں لگ رہی تھیں وہ بیزار سی ہو کر اٹھ گئی مگر ایک آخری امید کے تحت کمرے میں مٹھائی کا ٹوکرا اٹھا کر داخل ہوتے عمران بھائی سے التجا ضرور کی تھی۔

"عمران بھائی! آپ امی جی سے کہیں ناں کہ مجھے بھی گجرے پہن لینے دیں۔"

عمران بھائی نے حیرانی سے اسے دیکھا اور بولے۔

"دیکھیے محترمہ! میرا نام محمد عمران سعید ہے۔ مجھے لڑکیوں اور خصوصاً "خوبصورت لڑکیوں کا بھائی بننا نہایت ناپسند ہے لہٰذا آپ مجھے میرے اصل نام سے ہی مخاطب کر سکتی ہیں۔"

ان کے چہرے پر بے حد سنجیدگی مگر آنکھوں میں وہ گہری شرارت تھی جو اس کے علاوہ کمرے میں موجود ہر نفس نے پوری شدت سے محسوس کی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں عمران بھائی؟ یہ میں ہوں۔۔۔ ماہا۔"

"ہیں۔ کیا تم واقعی ماہا ہو۔" انہوں نے بے یقینی سے بغور اس کی شکل دیکھی پھر بولے "ہاں! میں بھی سوچ رہا تھا کہ شکل تو کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔" وہ چڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی ہر کوئی اس کی بات کو نظرانداز کرنے میں لگا ہوا تھا۔ واپس شامیانے میں آ کر ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے پاس جانے کے بجائے اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے ایک الگ تھلگ کونا منتخب کیا تھا۔

"جب میری شادی ہو جائے گی تو میں بھی خوب سارے گجرے پہنوں گی نہ صرف کلائیوں میں بلکہ بالوں میں بھی اور۔۔۔ اور پاؤں میں بھی۔"

اس نے چڑچڑے پن سے سوچتے ہوئے کمر کرسی کی پشت سے ٹکا دی۔

مووی کیمرے کی چنگھاڑتی ہوئی زرد روشنی میں وہ دور بیٹھی نعم بھابھی کو زور و شور سے ڈھولک پیٹتے دیکھ رہی تھی۔ عمران بھائی اور نعم بھابھی اپنے دونوں بچوں سمیت ایک ہفتہ قبل پاکستان آئے تھے اور اسے دیکھ کر انہوں نے بڑی خوشگوار سی حیرانی کا اظہار کیا تھا جب چھ سال پہلے وہ سعودی عرب گئے تھے تو ماہا اپنے چھوٹے چھوٹے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بالوں کے ساتھ بالکل ٹامبوائے لگا کرتی تھی اور جب واپس آئے تھے تو اس کی ظاہری شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کا پہناوا بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ ایک خوشگوار تبدیلی تھی اور اس کے باوجود ان کی "ٹامبوائے" "ٹامبوائے" ہی تھی۔ زین کو دیکھ کر بھی انہوں نے حیرانی کا اظہار کیا تھا۔

"جاتے ہوئے تو میں اسے اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا اب کیا ہو گیا ہے؟" وہ جب سے آئے تھے یہ بات کئی بار پوچھ چکے تھے وہ اس کی زیادہ بولنے کی عادت سے سخت نالاں تھے بات کوئی کرتا جواب دینے کو وہ حاضر۔

دادو جی پر تو اس نے کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی جیسے ہی وہ پرجوش ہو کر تالیاں بجانے کے لیے ہاتھ بلند کرتیں یا گانے کے لیے منہ کھولتیں۔ وہ سر پر پہنچ جاتا۔

"آپ نے گانا گانا ہے نہ تالیاں بجانی ہیں بس آرام کرنا ہے۔"

اس سارے عرصے میں کامران بھائی سب سے زیادہ مذاق کا نشانہ بن رہے تھے کوئی ان سے مذاق کرتا۔ جواب دینے کے لیے زین موجود اپنے ساتھ ساتھ کامران بھائی کے حصے کے جوابات بھی اس نے اپنے سر لے لیے تھے۔ وہ ننھی ننھی کنکریوں کا جواب بھی اینٹوں سے دے رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ دادو جی کو تاکید کرنا نہیں بھولتا تھا۔

"ساری تالیاں اور گانے سنبھال رکھیے انشاء اللہ میری شادی پر کام آئیں گے۔"

ایسے کہتے ہوئے وہ ایک ترچھی سی نگاہ ارم پر ضرور ڈالتا تھا اور ایسے میں ارم بے حد بے نیاز سی دکھائی دینے لگتی اس کی بے نیازی سے زین نے کیا نتیجہ نکالا تھا اس سے وہ ناواقف تھی مگر اتنے بہت سارے دنوں اور بے حد کوشش کے بعد وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچ گئی تھی کہ زین کا معاملہ یک طرفہ نہیں ہے۔

کوئی تو ایسی بات ضرور تھی جو ہر بار زین کے کسی بھی معنی خیز جملے پر ارم کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی۔ اس نتیجے پر پہنچ کر بے حد خوش تھی اور اسے جلد از جلد زین سے شیئر بھی کرنا چاہتی تھی مگر گھر میں مہمانوں کی کثرت کی بنا پر موقع ہی نہیں مل رہا تھا ابھی بھی وہ اسے چپکے سے کہہ گیا تھا۔

"دادو جی سے کہو ارم کی نظر اتار لیں یا پھر میری آنکھیں۔۔۔"

اس نے مسکرا کر انعم بھابھی کے عقب میں محض تالیاں بجاتی اور متانت سے مسکراتی ارم آپی کو دیکھا تیز روشنی میں ان کی سفید رنگت دمک رہی تھی۔ ارم کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز اس کی رنگت ہی تھی ادھ کھلے بالوں کے ساتھ لرزتے ہوئے آویزوں میں ارم کا پیارا سا چہرہ بڑا پیارا لگ رہا تھا۔

"زین کا ارم آپی کے لیے پاگل ہونا کچھ ایسا نامناسب بھی نہیں ہے اگر میں لڑکا ہوتی تو یقیناً مجنوں ہی ہو جاتی۔"

اپنے اس خیال پر وہ بڑی بے ساختگی سے مسکرانے لگی تھی اور مسکراتے ہوئے یکدم اسے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا یہ احساس نہایت عجیب تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس کی نظر محتشم بھائی پر جا رکی وہ اس سے کچھ فاصلے پر پچھلی جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ نظر ملتے ہی وہ مسکرائے تھے اور اس کی جانب آ گئے تھے۔

"تم اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے پوچھا ان کے انداز میں کچھ حیرانی سی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے اختصار سے جواب دیا تو وہ اشارہ کرتے ہوئے بولے

"تو سب کے ساتھ جا کر بیٹھو۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں تھک گئی ہوں۔" اس نے اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑ کر کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"صبح سے تو بھاگتی پھر رہی ہو۔" انہوں نے ساتھ والی کرسی پر نشست سنبھالی تو وہ کچھ نہیں بولی۔ محتشم بھائی خود ہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے مگر اس کا دھیان ان کی باتوں میں نہیں تھا۔ وہ جو ایک عجیب سا احساس تھا وہ اب تک برقرار تھا اور اسے بے چین کر رہا تھا۔

"آپ بہت شاندار لگ رہے ہیں محتشم بھائی۔" اس نے ان کی طرف توجہ دی اور جو پہلی بات ذہن میں آئی کہہ ڈالی۔ محتشم بھائی نے اس تعریف کو ایک بردبار سی مسکراہٹ کے ساتھ قبول کیا اور بولے۔

"شکریہ! اور تم بھی بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں تو ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہوں۔" وہ کسی بچے کی طرح فٹافٹ تعریف وصول رہی تھی محتشم بھائی نے اس کی بات سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اس کی تائید ہی کی تھی۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ مجھے تو تم ہمیشہ ہی اچھی لگتی ہو۔"

"عمران بھائی بھی یہی کہتے ہیں۔" وہ ایک دم خوش ہو کر بولی تھی اور اپنے اس جوش میں اس نے محتشم بھائی کے چہرے پر اڈتی بے ساختہ مسکراہٹ اور پھر اس مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے بند مٹھی لبوں پر جماتے دیکھا تھا۔

"ایک بات کہوں ماہا!" اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔ پھر یک دم بولے تھے۔

"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں انہیں کبھی مت کٹوانا۔" ماہا نے انہیں دور تک جاتے ہوئے دیکھا تھا پھر اپنی دھیلی سی چوٹی پر ہاتھ پھیر کر ری سی شکل بنائی تھی۔

"محتشم بھائی کو دادو جی کا نواسا نہیں بلکہ بھائی ہونا چاہیے سارے خیالات انہی سے ملتے ہیں۔" اسے دائمہ یاد آگئی وہ اس کی کلاس فیلو تھی اور ماہا کو اس کے ہیئر اسٹائل میں کٹے چمکدار سے براؤن بال بے حد پسند تھے۔ وہ اپنے بالوں کو بھی بالکل اسی طرح کٹوانا چاہتی تھی مگر اجازت نہ ملنے کی بنا پر ہمیشہ یوں چوٹی پر باندھنی پڑتی۔ اتنے لمبے اور گھنے بال تھے کہ کھل کر سنبھالنا مشکل ہو جاتے سو وہ کھول کر شوق پورا نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ رہی تھی جب اس نے تبریز کو اپنی جانب آتے دیکھا۔

"آپ بتا سکتی ہیں کہ زین کہاں ہے۔" وہ کچھ مضطرب سا دکھائی دیتا تھا۔

"وہ بھی تو یہیں تھا شاید باہر ہو۔" اس نے جواب دیا۔

"میں باہر سے ہی آرہا ہوں وہ وہاں نہیں ہے۔" تبریز نے کہا۔

ماہا نے متلاشی نظریں سب طرف دوڑائیں پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"آپ کو کوئی ضروری کام ہے زین سے۔"

"جی۔" تبریز نے اختصار سے جواب دیا اور اس سے قبل کہ ماہا کچھ کہتی زین خود ہی چلا آیا۔

"تھینک گاڈ۔ تم آگئے۔" تبریز نے سکون بھرا سانس لیا تھا۔ زین چونکا۔

"کیوں خیریت؟" ماہا کو اپنا آپ وہاں بڑا غیر ضروری سا لگا سو وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"مجھے ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں کوئٹہ جانا پڑ رہا ہے سوری زین! میں یہ فنکشن اٹینڈ نہیں کر سکوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا۔" اس نے تبریز کو کہتے سنا تھا۔

اس کا من پسند گانا شروع کیا جا رہا تھا وہ انعم بھابھی کے قریب جگہ بنانے لگی مگر اس سے قبل ہی افصحہ نے اسے پکار لیا وہ انعم بھابھی سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہاں آ جاؤ ماہا۔" افصحہ نے اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی ماہا کو طوعاً" کرہاً" بیٹھنا پڑا۔ افصحہ اس کی فرینڈ تھی اور اسی حوالے سے ماہا نے شادی میں بلوایا تھا۔ افصحہ سے دو ایک باتیں کرنے کے بعد اس نے پوری دلجمعی سے تالیاں پیٹنا شروع کی ہی تھیں کہ افصحہ کی کہنی اس کی پسلیوں سے ٹکرائی۔

"ہرے ہٹو۔۔۔ کہنی ہے یا۔۔۔" وہ تڑپ سی گئی افصحہ شرمندہ ہو گئی۔

"سوری یار! جوش میں میرے ہوش کم ہی سلامت رہتے ہیں تمہیں زور سے تو نہیں لگی۔"

"نہیں۔ تمہاری کہنی تو فوم کی تھی ناں؟"

"ہاہاہا۔ مزے کی بات ہے خیر چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ کہ وہ کون تھا؟" افصحہ نے مزید ماہا سے چپک کر سرگوشی میں دریافت کیا۔ ماہا نے ناسمجھی سے افصحہ کو دیکھا اس کا تجسس اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔

"کون۔۔۔؟ کس کی بات کر رہی ہو؟"

"وہی جس سے تم ابھی بات کر رہی تھیں۔"

"وہ۔" اس کی توجہ گانے کی جانب زیادہ تھی۔ "زین کا دوست تھا۔"

"کوئی نام تو ہو گا۔"

"تبریز۔۔۔ ہمارے سامنے والے گھر میں رہتا ہے۔"

ماہا کا انداز سرسری سا تھا مگر افصحہ کا ہرگز نہیں۔ اس کے چہرے پر پہیلی چمک اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور ماہا کی حیرانی۔

وہ تعجب سے افصحہ کی باتیں سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ۔" اس نے ایک تصویر پر انگلی رکھ کر حتمی انداز میں زین کو دیکھا۔

"ویک اینڈ مزدور" کی چھٹی تھی سو زین گھر پر ہی تھا اور وہ دونوں شادی کی ساری تصویریں سامنے پھیلائے کوئی اچھی سی فیملی فوٹوگراف چن رہے تھے جسے انلارج کر کے اب لاؤنج کی زینت بنایا جانا تھا اور تصویریں تو بہت سی تھیں لیکن چونکہ وہ دونوں اکٹھے تھے سو جلدی فیصلہ ہونا تو ممکن ہی نہ تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی پسند میں کئی نقائص دکھائی دیتے جیسا کہ اب ہوا تھا زین نے محض ایک نظر دیکھ کر تصویر کو مسترد کر دیا۔

"تم یہ تصویر دیکھو۔" اس نے ایک اور تصویر ماہا کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"انلارجمنٹ کے لیے یہی تصویر مناسب رہے گی۔ ہماری سبھی فیملی فوٹوگرافس میں سے یہ سب سے زیادہ اچھی ہے کیونکہ اس میں میں بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے تائید طلب نظروں سے ماہا کو دیکھا اس نے اپنی ساری توجہ دیگر تصاویر کی جانب مرکوز کر رکھی تھی پھر اچانک اس نے ایک تصویر زین کی آنکھوں کے عین سامنے کر دی تھی۔

"اور اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس کا لب و لہجہ متبسم و شریر سا تھا۔ زین نے تصویر دیکھی پھر بے ساختہ مسکرا دیا۔ ارم کی تصویر تھی جو بارات والے روز لی گئی تھی سفید رنگ کے سوٹ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ کیمرے کی آنکھ نے نہایت نیچرل پوز فیڈ کیا تھا۔

زین نے تصویر لی اور ٹوٹے ہوئے شہتیر کی مانند بیڈ پر گر کر دیکھنے لگا۔ خاموش مسکراتے ہوئے لب اور چمکتی ہوئی آنکھیں۔

"کاش میں اس تصویر کو اپنے والٹ میں لگا سکتا۔" اس کا لہجہ حسرت لیے ہوئے تھا۔

"لگا لو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کسی نے دیکھ لیا تو۔؟"

"تو۔" اس نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر سوچا پھر چٹکی بجا کر بولی۔

"تو کہہ دینا چچی زاد بہن کی تصویر ہے۔" مشورہ فوراً" حاضر تھا زین نے ناراضی سے اسے تکیہ کھینچ مارا جسے اس نے ہنستے ہوئے کیچ کیا تھا پھر اسی تکیے کو زانو پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"تم ابو سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"کس بارے میں؟"

"شادی کے بارے میں۔"

"اونہوں۔ میں مشرقی لڑکا ہوں اور مشرقی لڑکے اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کرتے کچھ اچھے نہیں لگتے۔"

"لیکن دوسروں کی شادی کے بارے میں بات کرتے تو اچھے لگتے ہیں ناں تو تم ابو جی سے ارم آپی کی شادی کی ہی بات کر لو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے۔" اس کی اس درجہ سنجیدگی سے وہ بری طرح جل گئی۔ "تم مشرقی لڑکے بنے شرماتے رہو ادھر ارم آپی کو کوئی اور لے جائے گا۔ پلیز کچھ کرو میں نہیں چاہتی کہ کل کو تم ارم آپی کی یاد میں دکھ بھرے گیت گاتے نظر آؤ۔"

زین نے بڑی سنجیدگی سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر لاپروائی سے تصویریں ٹٹولنے لگا۔ "چھوڑو یار! ایسے خدشات وہ پالے جسے اپنے جذبے کی سچائی پر یقین نہ ہو۔ لگن سچی ہو تو منزل خود بخود مل جاتی ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ارم صرف تمہاری بھابھی بنے گی۔"

وہ خاموش سی رہ گئی زین ہمیشہ اتنے ہی یقین کے ساتھ بات کیا کرتا تھا۔ کیسی عجیب چیز ہے یہ محبت۔ کتنا مان و یقین پیدا کر دیتی ہے انسان میں۔

اس کی آنکھوں کے سامنے الصمد گھوم گئی اس کے لہجے میں بھی بالکل زین جیسا اعتماد ہی تھا وہ بھی اتنی ہی پُریقین تھی جتنا کہ زین۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

لطیفہ سنایا تھا تو بس اسی پر مسکرا رہا تھا۔"

"رہنے دو ایسا کہتے۔ تمہارا سینس آف ہیومر دن بہ دن نکھرتا جا رہا ہے۔ لطیفہ کل سنایا تھا مسکرا آج رہے ہو خیر مجھے بھی سنا دو۔"

"تو نصول بچوں کو سنانے والا لطیفہ نہیں ہے۔"

زین ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا اور اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر بولا۔

"اپنی چھوٹی سی عقل کو تم زحمت مت دو پہلے ہی مختصر ہے کہیں کمی نہ ہو جائے فی الحال تو چلو میں تمہیں کالج چھوڑ دیتا ہوں۔"

ماہا کا منہ بن گیا تھا۔ عقل والی بات سخت ناگوار گزری تھی۔

"شکریہ میں وین سے جاؤں گی۔" وہ ناشتا کرنے لگی۔

"او کے ایز یو وش۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا اور ہاتھ ہلاتا چلا گیا ماہا نے پل بھر کو ہاتھ روک کر اس کے انداز پر غور کیا پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گئی۔ زین کوئی کامران بھائی تو تھا نہیں کہ جن کے یوں مسکرانے پر وہ حیران ہوتی بات صرف اتنی تھی کہ زین کا بات بے بات ہنسنا اور بے حد خوش نظر آنا اسے تعجب میں ڈال رہا تھا۔

اس وقت تو اس نے سر جھٹک کر بات ٹال دی مگر آنے والے کچھ دنوں میں وہ کسی بھی بات کو سر جھٹک کر ٹال نہیں سکی تھی۔

سب سے پہلے رمشا اور انعم بھابھی کی معنی خیز مسکراہٹوں نے اسے چونکا دیا۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ ایک عجیب سی کیفیت کب سے اس کے گھر میں گردش کرتی پھر رہی ہے۔ کوئی ایسی بات جو صرف اس کے لیے نامعلوم تھی جبکہ باقی سب لوگ اس سے واقف تھے گھر کے در و دیوار بھی ذو معنی سرگوشیاں کرتے محسوس ہوتے۔ پیپرز ختم ہو چکے تھے اور اب چونکہ فراغت تھی سو سوچنے کے لیے خاصا وقت مل گیا وہ سب کے رویوں کا بغور جائزہ لینے لگی اور بالآخر جھنجلا گئی۔ کوئی واضح صورت حال بھی نہیں تھی کہ وہ شکوہ کرتی بس یوں تھا کہ سب کے چہروں پر بکھری معنی خیز مسکراہٹوں اور ذو معنی سرگوشیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اور پھر ایک روز سب کی ذو معنی مسکراہٹوں، شرارت بھری نگاہوں اور زین کے بے تکے گانوں کا عقدہ کھل گیا۔ تبریز نے اسے پرپوز کیا تھا۔

گلی نمبر 3 طارق آباد، 2611817
صبح 10:30 تا 1:30 شام 5 تا 9 بجے تک تعطیل جمعۃ المبارک
0345-7734334

✲ ✲ ✲

"میری منگنی ہو رہی ہے۔"

اس کے حلق سے بڑی پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔ اپنا بیگ کھنگالتی افصحہ نے ایک نظر اس کی لبالب بھری آنکھوں اور سرخ ہوتی ناک کو دیکھا پھر دکھ سے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لیے۔

"انا للہ وانا علیہ راجعون۔ کون سے قبرستان میں ہے۔"

افصحہ کے اتنے ہمدردی سے پوچھنے پر ایک دم بے حد حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی میں تمہیں اپنی منگنی کی خبر سنا رہی ہوں اور تم۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"جیسے تمہارے چہرے کے تاثرات ہیں انہیں دیکھ کر شاید صرف یہی کہہ سکتی تھی۔ او احمق لڑکی! اتنی سڑی شکل کے ساتھ تو کوئی اپنے چہلم کی خبر بھی نہیں سنتا۔"

ماہا نے بنا کچھ کہے گردن موڑ کر دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا آج وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے کالج آئی تھی اور جب سے آئی تھی تب سے یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اپنی منگنی کی "منحوس خبر" افصحہ کو کیسے سنائے۔ خود کو بڑی آکورڈ سی سچویشن میں گھرا محسوس کر رہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ یہ خبر افصحہ کے لیے کسی شاک سے کم نہیں ہوگی مگر وہ بتانے کے لیے مجبور تھی سو جھجکتی سے کچھ دیر قبل افصحہ کے ساتھ ایڈمن بلاک کے عقبی جانب آ بیٹھی تھی سیڑھیوں کے عین سامنے چنار کا طویل القامت درخت کڑکتی دھوپ میں سلگ رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے افصحہ! میری منگنی کس سے ہو رہی ہے؟" آنسو پیتے ہوئے اس نے بڑی دقت سے پوچھا۔

"سویرال سے تو ہونے سے رہی۔" افصحہ کا جواب مگن سا تھا۔

ماہا ہتھیلیوں میں چہرہ ٹکائے بیٹھی تھی زور سے آنکھیں بھینچ کر اس نے نمی کو پیچھے دھکیلا اور تیزی سے افصحہ کے ہاتھ تھام لیے۔

"پلیز افصحہ! میں جو بات تمہیں بتانے لگی ہوں اسے حوصلے سے سننا۔ میں کبھی بھی۔ ایسا نہیں چاہتی تھی میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا تم شاید یقین نہ کرو مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہے غصے میں میں نے ایک وقت کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ یقین کرو افصحہ میں نے اپنے گھر والوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی ہے مگر کوئی میری بات سمجھتا ہی نہیں۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی افصحہ بری طرح بوکھلا گئی۔

"ہائے۔۔۔ اف۔۔۔ تم رو مت ماہا! مجھے بتاؤ کہ ہوا کیا ہے۔"

"ہوا تو کچھ نہیں پر ہو جائے گا۔ سچ افصحہ بہت بری بات ہے۔۔۔ بہت بری بات۔"

"پتا تو چلے۔"

"دیکھو تم مجھ پر غصہ مت ہونا خدا کی قسم میری اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔"

"اب کہہ بھی چکو۔"

"افصحہ۔۔۔ میری منگنی ہو رہی ہے۔۔۔ تبریز کے ساتھ۔"

اس نے بری طرح سسکنا شروع کر دیا توقع کے عین مطابق افصحہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ بہت زیادہ قوت گویائی سلب کر لیا کرتا ہے افصحہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

ماہا کو اندر ہی اندر مزید دکھ نے گھیر لیا کوئی انسان اس کی وجہ سے غم میں مبتلا ہو وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے آنسو صاف کیے۔ افصحہ کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔

"گھٹیے منہ ماہا! میں سمجھی تمہاری منگنی سچ مچ سویرال سے ہو رہی ہے۔"

نظر ملنے کے ساتھ ہی افصحہ نے بڑی بے ساختگی سے کہا تھا اس کے لہجے میں حد درجہ جھنجھلاہٹ اور چہرے پر "ڈوب مرو" والے تاثرات ابھر آئے۔ ماہا رونا دھونا بھول کر بڑے تعجب سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"تمہاری جگہ میں ہوتی تو اب تک خوشی سے بے ہوش ہو چکی ہوتی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"میرا خیال ہے تمہیں تو اب بھی بے ہوش ہو جانا چاہیے۔ صدمے سے۔"
وہ اپنی حیرانی پر کسی طرح قابو نہیں پا رہی تھی۔
"لو خواہ مخواہ! اتنی خوشی کی خبر تو ہے۔" افصحہ نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔
"ہائے! افصحہ۔" اسے بھرے غم لاحق ہو یقیناً صدمے نے افصحہ کے دماغ پر الٹا اثر کیا تھا۔
"خبردار! اپنی ہی منگنی میں ہائے ہائے کر کے رونڑے مت انکاؤ بیوقوف لڑکی! تمہیں تو رونے کی بجائے شکرانے کے نوافل ادا کرنے چاہئیں۔"
"افصحہ! تم نے میری بات شاید غور سے نہیں سنی۔ میری منگنی تبریز سے ہو رہی ہے تبریز سے اور یہ سن کر بھی تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آرہا۔"
"نہیں۔ مجھے بہت غصہ آرہا ہے دل چاہ رہا ہے سو جوتے تمہارے سر پر لگاؤں مجھے تبریز کی قسمت پر ترس آرہا ہے تم سی ناشکری لڑکی اس کے پلے پڑ جائے گی بیچارا۔۔۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تمہاری منگنی واقعی بو برال سے ہو جاتی۔"
"میرا خیال تھا تبریز سے میری منگنی کا سن کر تم افسردہ ہو جاؤ گی۔"
"میں کیا شکل سے تمہیں پاگل لگتی ہوں جو اتنی خوشی کی بات سن کر افسردہ ہو جاتی۔"
"اس لیے کہ تم تبریز سے محبت کرتی ہو۔"
"میں۔۔۔؟" اصل میں افصحہ کے لیے یہ خبر شاک کی حیثیت رکھتی تھی اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ "باخدا۔۔۔ نہیں تو۔"
"لیکن تم نے مجھ سے خود کہا تھا۔" ماہا کی اپنی حالت اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔ افصحہ نے سر پیٹ لیا۔
"میں نے ایسا کب کہا تھا ماہا؟"
"لیکن تم نے تو یہ کہا تھا کہ تم تبریز کو پسند کرتی ہو اور۔۔۔ اس کی بولتی آنکھیں۔۔۔ تم اس کی کتنی تعریفیں کیا کرتی تھیں۔"
"ہاں میں تبریز کو پسند کرتی ہوں۔" افصحہ نے آرام سے اعتراف کر لیا۔ "اور میں اس کی تعریفیں بھی کیا کرتی تھی مگر میں تو بہت سے لڑکوں کو پسند کرتی ہوں اور ان کی تعریفیں بھی کرتی ہوں تو میں ان سب سے تو شادی نہیں کر سکتی نا۔ کیونکہ کسی کو پسند کرنا اور محبت کرنا بالکل دو مختلف باتیں ہیں۔"
"اور میں سمجھی کہ تم تبریز سے محبت کرتی ہو۔" ماہا بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ پچھلے کئی روز اس نے فقط اسی پریشانی میں گزارے تھے وہ خود کو غاصب محسوس کر رہی تھی جبکہ افصحہ اس وقت کہہ رہی تھی۔
"تم عجیب لڑکی ہو ماہا! ساری باتیں خود ہی سوچ لیتی ہو کسی دوسرے کو وضاحت کا موقع بھی نہیں دیتیں میں سمجھی تھی کہ تم میری دوست ہو سو میری عادات و مزاج سے واقف ہو گی۔ مگر افسوس کہ تم ناواقف ہو۔ تبریز کی ظاہری پرسنیلٹی بہت اچھی ہے وہ بہت ڈیشنگ ہے اور بہت ذہین بھی لگتا ہے پھر تم نے ہی مجھے بتایا کہ تمہارا بھائی تبریز کا بہت Admirer ہے میں نے یقین کر لیا میری رائے اس شخص کے بارے میں اچھی ہے مگر محبت۔۔۔ نو وے۔۔۔ کسی کو جانے بغیر کیسے محبت کی جا سکتی ہے شاید تمہیں یہ بات بھی نہیں پتا کہ میں بچپن ہی سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے پھپھی زاد سے انگیجڈ ہوں لہٰذا میری ساری محبتیں صرف اس کے لیے ہیں۔ جہاں تک تبریز کو سراہنے کی بات ہے تو وہ سب باتیں میں محض مذاق میں کہتی رہی ہوں مجھے پتا ہوتا کہ تم رائی کا پہاڑ بنا لوگی تو ایسا کبھی نہ کہتی۔"

افصحہ بہت سنجیدگی سے بولتے ہوئے ماہا کے تاثرات جانچ رہی تھی آخری بات اس نے بہت ہلکے پھلکے سے انداز میں کہی تھی ماہا کے روتے روتے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی وہ اس وقت خود کو بہت بڑا احمق محسوس کر رہی تھی۔

"چلو چلتے ہیں گیٹ کھل گیا ہے مگر جانے سے پہلے کوئی کنفیوژن ہے تو اسے دور کر لو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں تبریز سے محبت نہیں کرتی یہ سراسر تمہاری غلط فہمی تھی۔ چلو اب جلدی سے خوش ہو جاؤ کہ وہ شاندار بندہ تمہارا ہونے جا رہا ہے۔" ماہا اب کے کھل کر مسکرائی تھی اس کا دل بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ افصحہ کی جانب سے مطمئن ہو کر اسے اس بات کی فکر نہیں ہی تھی کہ اس کی منگنی تبریز سے ہوئی ہے۔ یا ہو بڑا ل سے بس وہ غاصب نہیں کہلانا چاہتی تھی۔

اپنی چیزیں سمیٹ کر گیٹ کی طرف جاتے ہوئے افصحہ نے شرارت سے کہا تھا۔

"ویسے میں بہت جیلسی فیل کر رہی ہوں۔" اور ان دونوں نے ہنسنے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

شٹل کاک کو مناسب طاقت سے فضا میں اچھال کر ایک زوردار ہٹ لگائی تھی۔ وہ تو وہ زین کی شکل بھی اتر گئی کیونکہ شٹل ایک دفعہ پھر امرود کی شاخوں میں گم ہو چکی تھی اور بمشکل پندرہ منٹ کے کھیل میں تیسری بار یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

"تمہیں کھیلنے کی ذرا بھی تمیز نہیں ہے ماہا!" زین بری سی شکل بنا کر کرسی پر ڈھے گیا کسلمندی کے باعث وہ قدرے جلدی آفس سے آ گیا تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے اور قدرے فریش ہو کر انہوں نے کھیلنے کا ارادہ کیا۔ آج کل گھر میں بڑی یاسیت اور خاموشی سی محسوس ہونے لگی تھی اگرچہ مکین وہی تھے بلکہ رمشا بھابھی کا اضافہ بھی ہو چکا تھا مگر عمران بھائی اور انعم بھابھی کی تو اپنی ہی بات تھی وہ لوگ صرف کامران بھائی کی شادی میں شرکت کی غرض سے پاکستان آئے تھے مگر پھر یہ سلسلہ ملتوی ہو تا گیا اور یہ بات تو ماہا کو اب سمجھ آئی تھی کہ واپسی میں یہ تعطل محض ماہا کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ جس روز تبریز نے اسے انگوٹھی پہنائی اس سے ٹھیک پانچ روز بعد انہوں نے رخت سفر باندھ لیا۔

گھر میں ہی ایک چھوٹے سے فنکشن کا اہتمام کر لیا گیا تھا اور یہ شاید دو تقریبات کے آگے پیچھے ہونے کا نتیجہ تھا کہ گھر میں بڑی خاموشی سی محسوس ہوتی تھی۔

"تم سا چالاک بندہ میں نے اب تک نہیں دیکھا زین۔" اس کے لگائے ہوئے الزام پر بری طرح تلملاتے ہوئے ماہا نے کہا۔ "جب خود سے صحیح نہیں کھیلا جاتا تو الزام میرے سر پر ڈال دیتے ہو۔ ہم اپنی پوزیشنز تبدیل کر کے کھیلتے ہیں پھر پتا چلے گا کسے تمیز ہے اور کسے نہیں۔"

"رہنے دو بی بی! تمہیں تو کبھی تمیز نہ آئے گی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

دادو جی نے بڑے موقع پر بات اچک لی ہو! ”ماہا نے گہرا سانس بھر کر انہیں دیکھا پندرہ روز قبل شروع ہونے والے پروگرام کی اگلی قسط کا آغاز ہو چکا تھا۔ دادو جی پہلے بھی اسے ان عادات پر ٹوکا کرتی تھیں مگر منگنی کے فوراً بعد سے انہیں ماہا کی عادات بہت کھٹکنے لگی تھیں۔ بقول ”اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے دادو جی اسے یہ باور کروانا نہیں بھولتی تھیں کہ وہ ایک نہایت بدسلیقہ پھوہڑ اور سگھڑاپے سے عاری لڑکی ہے اور تمیز تہذیب کے نام پر اسے ایک لفظ بھی نہیں آتا۔

ماہا نے ان کا ایک ایک لفظ تحمل سے سنا۔ گھر بھر میں تبریز کے پرپوزل کا سب سے زیادہ حامی زین تھا اور اس کے بعد دادو جی۔ ان کی بیماری کے دوران جس طرح سے تبریز نے مدد کی تھی اور پھر کامران بھائی کی شادی میں جس قدر وہ پیش پیش رہا تھا غالباً ”انہی باتوں نے انہیں متاثر کر ڈالا تھا اور انہی باتوں کی بدولت اس کی پسندیدگی کا گراف بڑھ گیا تھا سب لوگ اس کی عادات و اخلاق و کردار سے بڑے متاثر تھے۔ خصوصاً ”دادو جی۔

وہ جتنا اسے پسند کرتی تھیں آج کل اتنا ہی اس کی فکر کے غم میں مبتلا نظر آتی تھیں۔ ماہا کبھی تو ان کے فرمودات سکون سے سنتی اور کبھی تحمل سے سنتے سنتے چڑ جاتی جیسا کہ اب ہوا تھا۔

”پہلے تو آپ اس کو اپنے ذہن سے نکال دیں کہ تین چار ماہ میں میری شادی ہو جائے گی منگنی تو آپ لوگوں نے کر دی شادی میں اتنی جلدی نہیں کروں گی ابھی تو مجھے ایم اے کرنا ہے۔“ اس کی بات پر دادو جی نے یوں ہاتھ لہرایا تھا جیسے مکھی اڑا رہی ہوں اور ان کی اس ادا پر وہ مزید بری طرح چڑ گئی تھی۔

”اور یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی کو سینا پرونا اور کھانا پکانا جیسے کام ضروری سیکھنے چاہئیں۔ بازاروں میں دکانیں بھری پڑی ہیں ہر روز نت نئے بوتیک کھل رہے ہیں میں ریڈی میڈ کپڑے خرید لیا کروں گی ورنہ درزی کس مرض کی دوا ہے اور مجھے کھانا پکانا نہیں آتا تو کیا ہوا تبریز کو تو آتا ہے پھر سلیم بھی تو ہوگا اب بھی تو کھانا پکاتا ہے بعد میں بھی پکا لیا کرے گا۔ یوں بھی کھانے کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ہم کوئی شیف رکھ لیں گے۔“

دادو جی اس کے خیالات سن کر ہکا بکا رہ گئی تھیں پھر جھنجلا کر بولیں۔

”واہ واہ سبحان اللہ۔ ایسی باتیں تو کبھی شہزادیوں نے نہ سوچی ہوں گی کہنے کو بیس سے اوپر کی ہونے کو آئی ہیں پر عقل تو مانو ٹخنوں میں چھپی بیٹھی ہے۔ ارے سنو بی بی! وہ بچہ ماشاءاللہ بہت کماتا ہے کوئی کمی نہیں مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم دونوں ہاتھوں سے اڑاؤ۔ عورت کے دم سے گھر میں خوشیاں آتی ہیں سلیقہ آتا ہے۔ شادی کے بعد بھی اگر تبریز نے سلیم کا پکایا ہی کھانا ہے تو تمہارا کیا فائدہ ہوگا بیوی کے ہاتھ کا کھا کر مرد کو سکون ملتا ہے تبھی کہتی ہوں کہ کچھ پکانا رکانا سیکھو۔“

”آپ کھانے کے پیچھے ہی کیوں پڑ گئی ہیں۔ بالکل ہی پھوہڑ تو نہیں ہوں میں۔ چائے اور دال چاول تو بنا ہی لیتی ہوں اگر زیادہ لذیذ کھانا ہوا کرے گا تو یہاں آ جایا کروں گی امی اتنا اچھا تو پکاتی ہیں۔“

”تو چھوڑیں بھی دادو جی! ان تلوں میں تیل نہیں ہے اور پھر جو ماہی کہہ رہی ہے تو یہ بھی برا آئیڈیا نہیں ہے۔“

”ارے رہنے دو میاں!“ زین کی بات پر وہ بولیں۔ ”ان کے آئیڈیے تو نرالے ہوتے ہیں ہمیشہ۔ اور مرد تو ایسے معاملوں میں بڑے خوددار ہوتے ہیں پھر تبریز نے تو ہمارے یہاں منگنی کے بعد دو تین بار ہی چائے پی ہے کجا کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی کے بعد وہ یہاں کھانا کھائے گا۔"

"اف۔" زین اندر چلا گیا ماہا نے اسے جاتے دیکھا پھر کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

"اب کی بار تبریز آئے تو آپ اسے کہہ دیجیے گا کہ کھانا کھانے کا شوق ہے اور وہ بھی لذیذ تو سلیم سے شادی کرلے کیونکہ اتنی لمبی ناک والے آدمی ہمیں ہضم نہیں ہوتے۔"

"ہائے ہائے۔" دادو جی نے بے بسی سے اپنے ہی سر پر ہاتھ مارا تھا فاصلہ ذرا جو درمیانی کم ہوتا تو شاید اسی کو مار دیتیں۔ "ماہو زبان کے آگے تو خندق ہے جو منہ میں آتا ہے بولتی ہے تڑاتڑ بولتی ہے اے بی بی! ہم کہتے ہیں کبھی سوچ کر بھی بولا کرو اور یہ تبریز کے بارے میں ذرا تمیز سے بات کیا کرو خیر سے عمر میں بھی بڑا ہے اور رتبے بھی بڑا ہے۔"

"سو آپ کہیں تو تبریز بھائی جان کہہ لیا کروں۔" اس نے نہایت جھنجلا کر کہا تھا۔

"اور بس مجھے ہی ڈانٹتی رہا کریں جب دیکھو ڈانٹ رہی ہیں۔ بس موقع ملنا چاہیے۔ پہلے کھانے کو ایشو بنا لیا اب اس بات کو۔"

"تمہارا کیا دماغ خراب ہے جو تمہیں بلاوجہ ڈانٹیں ارے تمہارے بھلے کی باتیں ہیں سیکھ لوگی تو فائدے میں رہو گی آگے تمہاری مرضی۔ ہمارا کیا ہے زبان کو قفل لگا لیتے ہیں آج مرے کل کو دوسرا دن دادی کی باتیں یاد کیا کرو گی پر ہم نہ ہوں گے۔"

"اب آپ مجھے ایموشنل بلیک میل کر رہی ہیں۔"

"ارے ہم کچھ نہیں کر رہے برآمدے میں نماز پڑھنے آئے تھے یہاں باتوں میں لگ گئے باہر گھنٹی بج رہی ہے دیکھو باپ ہے یا بھائی۔"

اکتائے ہوئے لہجے میں کہہ کر انہوں نے مصلیٰ بچھایا اور نیت باندھ لی۔

اس نے گیٹ کھولا اور جو صورت دکھائی دی وہ تبریز کی تھی ایک پل کو تو وہ بری طرح سٹپٹائی۔ سمجھ نہیں آیا کہ اندر بلا کر اسے سیدھا ڈرائنگ روم کا رستہ دکھائے یا صحن میں لے جائے یا پھر ان دونوں باتوں سے ہٹ کر دوپٹے کا کونا منہ میں دبا کر اٹھارویں صدی کی ہیروئنوں کی طرح بھاگ جائے۔ کامران بھائی کی شادی میں ہی اس کا آنا جانا بڑھ گیا تھا مگر اب وہ صرف زین کے دوست کی حیثیت سے نہیں آتا تھا اس کی اہمیت اس گھر میں اس رشتے کے حوالے سے بڑھ گئی تھی جو ماہا سے جڑا تھا مگر ان سب باتوں سے قطع نظر وہ ہمیشہ ابو جی کی موجودگی میں آتا تھا کم سے کم ایسی صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" تبریز کے قدرے بلند آواز میں کہنے پر وہ چونکی وہ دہلیز کے دوسری طرف بڑی متحیر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام" وہ ہڑبڑا کر دروازے سے ہٹ گئی تبریز اس کے ہٹتے ہی اندر آگیا تھا۔ "آپ خیریت سے ہیں۔" اس کی تقلید میں صحن کی جانب جاتے ہوئے تبریز نے پوچھا تھا۔

"میں خیریت سے ہوں۔" ماہا نے جواب دیا اور اسے یقین تھا کہ تبریز اگلا سوال اس کی پڑھائی کے متعلق کرے گا مگر تبریز کا سوال گزشتہ کے برعکس تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اتنی خاموشی کیوں ہے بابا؟ سب لوگ کہاں ہیں؟"

"امی اور رمشا ابھی بازار گئی ہیں' ابو جی اور کامران بھائی آفس سے نہیں آئے اور دادو جی نماز پڑھ رہی ہیں جبکہ زین ۔۔۔"

"انکل ابھی آفس سے نہیں آئے۔" ایک ہاتھ کرسی کی پشت پر رکھے دوسرا ہاتھ اٹھا کر گھڑی میں وقت دیکھا وہ شاید کچھ سوچ رہا تھا۔

"اور آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھ جائیں۔" اس نے یکدم ماہا سے کہا تو وہ سٹپٹا کر دادو جی کو دیکھنے لگی۔ وہ حالت رکوع میں تھیں۔

"آپ تو بیٹھیں۔" تبریز نے اس کی تذبذب میں گھری صورت کو دیکھا پھر کرسی گھسیٹتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"بیٹھ جائیے ماہا! میں آپ کو کھا نہیں جاؤں گا۔"

وہ شرمندہ سی ہو کر اس کے سامنے والی کرسی پر ٹک گئی تو وہ بولا۔

"کیا بات ہے آپ بہت غصے میں لگ رہی ہیں۔"

"نہیں۔۔۔" اس نے پل بھر کا توقف کیا اور پھر عادتاً "تان اسٹاپ" شروع ہو گئی۔

"ہاں میں غصے میں ہوں مگر ایسے غصے کا کیا فائدہ جسے کوئی خاطر میں ہی نہ لائے۔ الٹا سب لوگ اپنا اپنا غصہ مجھ پر نکال لیتے ہیں اور خوب ڈانٹتے ہیں۔ کامران بھائی کے شوز نہ ملیں تو وہ مجھے ڈانٹتے ہیں شٹل درخت میں اٹک جائے تو زین ڈانٹتا ہے ابھی ابھی دادو جی نے ڈانٹا ہے تھوڑی دیر پہلے دودھ ابل گیا تو امی جی نے بھی مجھے ڈانٹ دیا اور تو اور صبح میں نے پھپھو جی کی عیادت کے لیے فون کیا تو محتشم بھائی بھی غصے میں تھے سیدھے منہ بات ہی نہیں کی میں نے کہا ارم آپی کو بلا دیں پتا چلا کہ وہ بھی غصے میں اور کمرے میں لیٹی ہیں۔ بتائیں میں کوئی فالتو ہوں جو سب ہی مجھ پر غصہ کرتے ہیں؟"

تبریز بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے خاصی دلچسپی سے اسے سن رہا تھا اس کے یوں اپنی جانب دیکھنے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے بولا۔

"میں کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا مگر زین نے مجھے بتایا تھا کہ آپ خاصی احمق ہیں' ہر غلطی کرتی ہیں پھر مانتی بھی نہیں اور یہ کہ آپ خاصی ڈھیٹ ہیں۔"

"یہ آپ سے زین نے کہا۔" ماہا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تو وہ مطمئن سے لہجے میں بولا۔

"آپ اتنی مشہور تو نہیں ہیں کہ لندن میں خبر لگی ہو یقین کریں یہ مجھے زین نے ہی کہا تھا۔ اور ایک بات اور کوئی میری بات پر یقین نہ کرے تو مجھے بھی بہت غصہ آتا ہے بلکہ حد سے زیادہ آتا ہے۔"

ماہا نے بوکھلا کر اسے دیکھا کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہا مگر جتنی اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اس سے تو ایسا بالکل نہیں لگتا تھا۔ چڑ سی گئی (یعنی کہ حد ہے یہاں بھی غصہ برداشت کرو اور وہاں بھی۔)

"آپ کو صرف اسی بات پر غصہ آتا ہے؟" اپنی تسلی کی غرض سے پوچھ لیا۔

"نہیں اور بھی کچھ باتیں ہیں مثلاً "میری نیند کسی کی وجہ سے خراب ہو تو میں بہت بھڑک اٹھتا ہوں اور پھر مجھے اس بات کی پروا بھی نہیں ہوتی کہ میرے سامنے کون ہے۔ میں بے دریغ اس پر اپنا غصہ نکالتا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہا کے منہ کے زاویے بگڑنے لگے اور جو ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیتی تو پتا چل جاتا کہ وہ اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری سے کس قدر حظ اٹھا رہا ہے۔

"یہ بھی اچھا ہے کہ آپ کو سب کا غصہ سہنے کی عادت ہے مستقبل میں یہی عادت انہیں بڑا فائدہ پہنچائے گی۔"

"بلا وجہ تو میں کسی کا غصہ بھی نہیں سہتی۔" اس کی بات کی تہ تک پہنچے بغیر ہی وہ ترخ کر بولی تھی۔ مقصد صرف اسے یاد کرانا تھا۔ دادو جی سلام پھیر رہی تھیں سے گردن موڑے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے یہاں سے "دفع" ہو جانے کا حکم دے رہی تھیں اور اس کی بے توجہی انہیں بری طرح تلملائے دے رہی تھی۔ تھک ہار کر دونوں نے مصلے کا کونا موڑا اور اسی جانب چلی آئیں۔ تبریز شائستہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کی شکل دیکھ کر بھی ایسا ہی لگتا ہے پھر زین نے بھی مجھے یہی بتایا تھا کہ ماہا کو غصہ سہنے کی عادت نہیں ہے اور خود بھی اسے غصہ نہیں آتا۔"

"اے چھوٹے میاں! غصہ تو سمجھو ان کی ناک پر دھرا رہتا ہے عقل کی بس کوئی بات نہ ہو پھر سب خیر ہے۔ ناشتے میں غصہ، دوپہر کے کھانے میں غصہ انہوں نے تو غصے کو اوڑھنا پہننا بنا رکھا ہے۔" وہ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ تبریز کے سلام کا جواب سر اور ہاتھ کے اشارے سے دیا تھا۔

"میری برائی کا کوئی موقع تو ہاتھ سے جانے دیا کریں دادو جی۔"

وہ چڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تبریز کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ بھی دیکھ لی تھی سو غصہ تو آنا ہی تھا۔ سیڑھیاں اترتے زین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جا کہاں رہی ہو بہنا! ابھی تو میری باری ہے۔"

"دوریوں بسور کر جانے کی ضرورت نہیں۔" دادو جی خفگی سے بولیں۔

"بچہ کب سے آیا بیٹھا ہے اتنا نہ ہوا کہ کوئی چائے شربت ہی پوچھ لو۔" "آپ نے پوچھنے کا موقع ہی کب دیا۔ اتنی دیر سے تو جاء نماز پہ بیٹھی جنتر منتر کر کے مجھے غائب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اب جا رہی ہوں تو چائے شربت کی بات چھیڑ دی۔"

وہ انہی کی پوتی تھی اور جواب دینے میں تو خیر کبھی بھی نہیں چوکی تھی۔

دادو جی نے دزدیدہ نظروں سے تبریز کو دیکھا جو ساری گفتگو کے دوران محض خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا اور اسی گردن جھکائے دائیں پاؤں کو خفیف سا جھلاتے ہوئے وہ جیسے اپنی ہنسی دبا رہا تھا اور کیسا بھلا لڑکا تھا یہ تبریز بھی۔ جس دن سے وہ اس گھر میں آ رہا تھا وہ اسے پسند کرتی تھیں غرور اور اکھڑ مزاجی جیسی کوئی عادت نہیں تھی اچھا کماتا تھا گھر بھی شاندار اور ذاتی تھا مگر نخرہ نام کو نہیں ماننے کی بات تھی کہ وہ بہت سی خصوصیات کا حامل تھا یہی اچھی کمائی اور ذاتی مکان جیسی چیزیں کسی اور کے پاس ہوں تو لڑکوں کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے وہ سروں کی لڑکیوں میں خامیاں نکالنا اپنا فرض عین سمجھنے لگتے ہیں تبریز تو شکل و صورت میں بھی بہترین تھا۔ چراغ لے کر ڈھونڈتے پر بھی ایسا لڑکا نہ ملتا پھر سب سے بڑی بات وہ خود سوالی بن کر آیا تھا اس گھر کی اکلوتی بیٹی کی خواہش کی تھی اس نے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ پینڈورا باکس اس کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ماہا کی خامیاں اس کے سامنے آئیں، تبریز لاکھ اچھا سہی۔ تھا تو مرد ہی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"غصہ مت ہوں داد و جی! اور آپ کو بھی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ماما! مجھے چائے یا شربت میں سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔"

دادو جی تبریز کے منہ سے "دادو جی" سن کر نہال ہی تو ہو گئی تھیں پھر ایک اضافی خوبی وہ جھگڑے کا تصفیہ چاہ رہا تھا۔

"ہائے تو کیا سوکھے منہ بیٹھو گے۔"

"میں چائے ضرور پیوں گا مگر سعید انکل کے ساتھ۔ میرا خیال ہے وہ گھر آ ہی رہے ہوں گے۔" اس نے ایک بار پھر ریسٹ واچ کی جانب دیکھا پھر بولا۔

"فی الحال تو آپ زین کو کچھ کھلائیں۔ سنا ہے خالی پیٹ بولتی بھی بند ہو جاتی ہے۔ آج کچھ کچھ یقین بھی آ گیا ہے۔" اس نے جتاتی نظروں سے زین کو دیکھا وہ اس کی بات پر محض مسکرایا تھا۔ جواب ماما نے دیا تھا۔

"ہمارے یہاں معاملہ مختلف ہے پیٹ جتنا خالی ہو زبان اتنی ہی چلتی ہے۔"

"ان کی زبان تو ہمیشہ چلتی ہے پیٹ بھرا ہو یا خالی۔ زین بچے! تبریز کو اپنے کمرے میں لے جاؤ ہم ہی کچھ بندوبست کرتے ہیں ان بی بی سے تو امید فضول ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ زین خاموشی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تبریز نے اس کی تقلید کی تھی۔

"میں اکیلی یہاں کیا کروں۔ دادو جی چائے کے ساتھ فرنچ فرائز کیسے رہیں گے۔" وہ بلند آواز میں بولتی دادو جی کے پیچھے چل دی پھر جب کچھ دیر بعد چائے کے بجائے فرنچ فرائز کی پلیٹ لے کر زین کے کمرے میں جانے لگی تو دادو جی نے بطور خاص تاکید کی تھی۔

"اب وہاں جا کر بیٹھ ہی مت جانا ادھر باورچی خانے میں بہت سے کام بکھرے پڑے ہیں سب سے پہلے تو برتن ہی دھو لو۔"

باورچی خانے میں کچھ ایسے خاص کام بھی نہیں تھے مگر وہ دادو جی کی بات کا مقصد بخوبی سمجھتی تھی سو بلا چوں و چرا ان کی بات مان لی۔

زین بیڈ پر چڑھا بیٹھا تھا تبریز نے کرسی سنبھال رکھی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو تبریز ایک دم خاموش ہو گیا۔

نجانے وہ لوگ کس بارے میں بات کر رہے تھے ماما کو یوں اس کے خاموش ہو جانے پر بڑا عجیب سا لگا تھا۔ وہ پلیٹ رکھ کر باہر جانے لگی تو زین نے پکار لیا۔

"تم کہاں جا رہی ہو۔ بیٹھو۔"

"مجھے برتن دھونے ہیں۔" زین اس کی بات سن کر یوں مسکرایا جیسے یہ بات احمقانہ ہو۔

"مجھے پتا ہے تم نے کوئی برتن نہیں دھونے بیٹھ جاؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"کون سی بات۔" اس نے بیٹھتے ہوئے زین کے لبوں پر پھیلی پھیکی سی مسکراہٹ کو دیکھا اس مسکراہٹ نے اسے چونکایا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بدقت مسکرا رہا ہو پھر ایسی کون سی بات تھی جو تبریز کی غیر موجودگی میں نہیں ہو سکتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زین کی بات سن کر وہ ایک دم سناٹے میں آگئی تھی۔ اس بات کو سننے سے پہلے وہ تشویش میں مبتلا تھی اور اب بے یقینی میں۔

"تم مذاق کر رہے ہو زین؟"

بڑی دیر بعد بولنے کے قابل ہوتے ہوئے اس نے کمرے میں موجود دونوں نفوس کو دیکھا ان دونوں میں سے کوئی بھی مذاق کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ماہی! اپنی فرم کی طرف سے پانچ سال کے کانٹریکٹ پر میں اسٹیٹس جا رہا ہوں۔ ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور۔۔۔ اور چار روز بعد فلائیٹ ہے میری۔"

"چار روز بعد کی فلائیٹ ہے اور تم اب بتا رہے ہو۔" اس نے دکھ سے زین کو دیکھا پھر بھڑک کر بولی۔ "تم بھی بتانے کی کیا ضرورت تھی وہیں جا کر فون کر دیا ہوتا۔"

"ماہا۔۔۔" اسے یوں طیش میں دیکھ کر تبریز نے بے اختیار کچھ کہنا چاہا مگر ماہا کو ہوش نہیں تھا اس کے لیے یہ خبر کسی شاک سے کم نہیں تھی۔

"آپ ہماری بات میں مت بولیں یہ ہمارا معاملہ ہے میرا اور زین کا ہمارے گھر کا ویسے تو بڑے دوست بنے پھرتے ہیں زین کے۔۔۔ سمجھا نہیں سکتے اسے۔"

"تبریز مجھے کیا سمجھاتے ماہی! یہ سراسر میرا فیصلہ ہے۔ جانتی ہو کتنا فائدہ ہوگا مجھے اس کانٹریکٹ سے کتنا کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا مجھے اس ٹور سے پھر سیلری پیکیج دیکھو جانتی ہو اس کانٹریکٹ کے لیے ہماری فرم کے چار نام موجود تھے ان میں سے دو انجینئرز تو ۔۔۔ خاصے تجربہ کار تھے مگر ان دونوں کو ریجیکٹ کرتے ہوئے مجھے نامزد کیا گیا ہے وہاں، اسٹیٹس میں مجھے مصری آرکیٹکٹس اور انجینئرز کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا بلیو می ماہی! یہ ایک گولڈن چانس ہے اور میں اسے مس نہیں کرنا چاہتا۔"

"گولڈن چانس ہے تم مس نہیں کرنا چاہتے تنخواہ بڑھے گی ایکسپیرئنس بڑھے گا آگے بڑھنے کے مواقع ملیں گے تمہیں صرف انہی باتوں کی پروا ہے زین۔ سوچا ہے ہم سب تمہارے بغیر کیسے رہیں گے؟"

اس نے ایک دم سے رونا شروع کر دیا زین نے گھبرا کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "شروع میں مشکل ہوگی مگر آہستہ آہستہ عادت ہو جاتی ہے' یہاں تو سب لوگ ہوں گے میرے بارے میں تو سوچو وہاں جا کر بالکل غیروں میں رہنا پڑے گا۔ میں کتنا تنہا رہوں گا وہاں۔"

"تو کون احمق تمہیں جانے کے لیے کہہ رہا ہے؟"

"ماہی!" زین نے اس کے آنسو نرمی سے پونچھ ڈالے۔ "اچھے مستقبل کے لیے حال کی قربانی دینی ہی پڑتی ہے وقتی جدائیاں برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرا کیریئر میرے اپنوں سے زیادہ اہم ہے مگر ماہی میرا کیریئر "اہم" ہے۔ اپنی روانگی کے بارے میں اسی لیے میں نے پہلے سے کسی کو نہیں بتایا تھا پلیز تم روؤ مت۔ مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے ماہی! ابھی تو باقی سب کو بھی قائل کرنا ہے۔"

"اللہ کرے کوئی تمہاری بات نہ مانے۔" ماہا جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی درمیان میں تبریز حائل تھا وہ کترا کر پہلو سے نکل گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اب کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں فیصلہ کرچکا ہوں اور تم جانتی ہو میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔"

اپنے عقب میں اس نے زین کو کہتے سنا۔ اس کا لہجہ مستحکم و دوٹوک تھا۔

وہ دکھی دل کے ساتھ باہر نکل گئی۔ جانتی تھی کہ زین اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔

☼ ☼ ☼

عجیب روکھے پھیکے سے دن تھے۔ خاموشی سے آتی ہوئی دوپہریں' بیزاریت بھری شامیں اور ٹھنڈ بھری طویل راتیں' حالانکہ موسم میں ابھی تبدیلی کا آغاز ہوا تھا یوں لگتا جیسے آسمان کا رنگ کسی نے جادو کے زور سے چرا لیا ہو۔ عجیب گدلائی ہوئی سی نیلاہٹیں تھیں۔ پودوں پر پھولوں نے کھلنا ترک کر رکھا تھا۔ ہرے پتوں کے کناروں پر زردی پھیل کر محیط ہونے لگی تھی۔ وسیع کیاریوں میں بھولے سے بھی کوئی سنہری پروں والی تتلی نہ بھٹکتی۔

سرد ہوا کے جھونکے پیروں میں نمی کے گھنگھرو باندھے امرود کی شاخوں سے ٹکراتے تو صحن میں سوکھے پتوں کا ڈھیر لگ جاتا۔

دادو جی کی بڑبڑاہٹیں وقفے وقفے سے سنائی دیتیں۔ دھوپ میں شدت تھی سائے میں خنکی اور دادو جی کی بوڑھی ہڈیاں اس تبدیلی سے آشنا ہونے کے باوجود آشنا ہونے سے انکاری۔

ماہا بولائی بولائی سی سارے گھر میں چکراتی' فائنل ایگزام قریب تھے مگر پڑھائی میں بھی کب تک دل لگایا جاسکتا ہے پھر شروع سال سے پڑھنے میں بس ایک ہی قباحت ہے۔ بندہ بوریت کا شکار ہو جاتا ہے اور بوریت تو بے تحاشا تھی تنہائی کا احساس شدید ترین۔

صبح زین کا فون آیا تو وہ خوب جھگڑی پھر بے بسی سے رونا شروع کر دیا مگر اب ان باتوں کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ جھگڑا تو اس نے تب بھی کیا تھا جب زین جا رہا تھا۔ ابو جی نے تو اس کی بات سنتے ہی صاف انکار کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی اولاد آگے بڑھے۔ دنیا کے روشن صفحے پر اپنے نام کی خالی جگہ پر کرے اور بلاشبہ انہوں نے اپنے بچوں کو آگے بڑھنے کے مواقع بھی فراہم کیے تھے مگر اتنی دوری انہیں برداشت نہیں تھی۔

"عمران تو پہلے ہی بیوی بچوں کے ساتھ جا کر سعودیہ جا بسا میں عمر کے جس مقام پر ہوں وہاں اولاد کے ساتھ ان کی قربت کی ضرورت ہوتی ہے نا کہ جدائی کی۔ میں خود میں اتنی طاقت نہیں پاتا کہ تمہاری جدائی سہہ سکوں۔ پاکستان میں بھی آگے بڑھنے کے مواقع کم نہیں ہیں تم پاکستان سے جانے کی بات ذہن سے نکال کر سوچو۔ [illegible] جلدبازی کرنے کی بجائے تحمل سے سوچو دل کی بجائے دماغ سے کام لو۔" ابو جی نے زین کو سمجھانا چاہا تھا مگر اب سوچنے سمجھنے کی گنجائش رہی ہی کب تھی۔ چار روز کے توقف سے تو زین کی فلائیٹ کنفرم تھی پھر شاید ہر جلدباز خود کو عقلمند اور اپنے فیصلے کو بہترین سمجھتا ہے زین کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ اس کے نزدیک روپیہ پیسہ ہمیشہ سے اہم رہا تھا مگر اس قدر بھی نہیں یا شاید کسی کو بھی اس سے اتنی تیز رفتاری کی توقع نہ تھی۔

تمیز کو بیچ میں ڈال کر اس نے ابو جی کو راضی کر لیا۔ وہ ساری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ابو جی سے اجازت چاہتا تھا۔ انہوں نے اجازت دے دی اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ پھر وہ چلا گیا اور جاتے ہوئے فطری سی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اداسی اس پر قابض رہی۔ اپنوں سے دور جانا کوئی آسان کام تو نہیں۔

"میں ہر روز خط لکھوں گا اور فون بھی کروں گا۔"

وقت رخصت اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے اس نے ماما' امی اور دادو جی کو یقین دلایا تھا مگر یہاں کی روٹین خاصی پیچیدہ تھی وہ روز خط نہیں لکھ سکتا تھا تبھی اس ایک مہینے میں اس نے صرف ایک ہی خط لکھا تھا البتہ فون وہ جلدی جلدی کر لیا کرتا تھا۔ آمنے سامنے کی بات اور تھی بندہ جی بھر کر لڑ سکتا ہے پھر من بھی سکتا ہے۔ مگر فون۔۔۔ تھا تو فون ہی۔۔ ماہا دوہری الجھن کا شکار۔۔ بے سبب ہی غصہ آنے لگتا تھا۔

توبہ کس قدر خاموشی تھی گھر میں مکین تو ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ پہلے زین چلا گیا پھر کامران بھائی کا ٹرانسفر ہو گیا وہ بینک میں ملازم تھے اور آج کل رینالہ خورد والی برانچ میں تعینات تھے۔ رمشا بھابھی اپنے امی ابو کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ وہ تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں اور رسوم کے مطابق بچے کی پیدائش تک انہیں اپنے امی ابو کے گھر ٹھہرنا تھا۔

امی جی خاصی خاموش طبع تھیں باتیں کرتیں بھی تو دادو امی کے ساتھ اور ماہا کو بچی سمجھ کر ایک طرف کر دیا جاتا۔ وہ چڑتی جھنجلاتی مگر اس سب کا کچھ حاصل نہ وصول۔ شام میں ابو جی گھر آتے تو گھر میں کچھ ہلچل محسوس ہوتی۔ پھپھو جی کے گھر سے بھی تو کتنے دنوں سے کسی نے چکر نہیں لگایا تھا۔ محتشم بھائی پہلے پھر بھی آتے جاتے منٹوں کے لیے ہی آجایا کرتے تھے مگر گزشتہ کافی دنوں سے ان کی روٹین بدل گئی تھی۔ ارم آپی ایک پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کرنے لگی تھیں۔ پھپھو جی کے گھٹنوں میں تکلیف بڑھ گئی تھی پھر انہوں نے گھر ہی میں لڑکیوں کو کڑھائی سلائی سکھانے کا کام شروع کر دیا تھا۔

"ہر ایک کی اپنی مصروفیات' اپنی دلچسپیاں لگتا ہے دنیا میں سب سے زیادہ فارغ تو میں ہی ہوں۔" بیزاریت سے سوچتے ہوئے اس نے بوگن ویلیا کے مٹھی بھر زرد پتے نوچ لیے۔ پھر ایک ایک کر کے ہوا میں اڑانے لگی یہاں سیڑھیوں میں بیٹھے بیٹھے اس نے گزشتہ ڈیڑھ ماہ کا حساب لے ڈالا تھا۔

سر پر سے گزرتے ابابیل کی آواز پر وہ چونکی۔ نچلی دو تین سیڑھیوں پر بیل سے نوچے گئے ابتدائی خزاں گزیدہ پتوں کا ڈھیر لگ چکا تھا کچھ پتے ہوا سے اڑ کر یہاں وہاں صحن میں بکھر چکے تھے۔ لیموں کے جھاڑ سے میلا سا شاپر لپٹا پڑا تھا فرش پر گرد کی مہین سی تہہ جم رہی تھی۔ پرندوں کے پنجرے پر سکوت چھایا ہوا تھا ہوا کے ہلکے جھونکوں سے امرود کی شاخیں ہولے ہولے لرز رہی تھیں اور ہر جھونکے کے ساتھ کتنے ہی پتے زمین پر آجاتے تھے۔

اس نے حتمی انداز میں ہاتھ جھاڑے اور دوپٹہ ایک طرف رکھ کر جھاڑو اٹھالی۔ پہلے سارے پتے سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈالے۔ کیاریاں صاف کیں شڑاپ شڑاپ کر کے سارا صحن دھو ڈالا۔ طوطوں کا پیالہ دھو کر نئے سرے سے پانی بھرا۔ باجرہ ڈالا پچھلے کچھ دنوں سے رانی بھی کام میں خاصی لاپروائی برت رہی تھی اسے کام کاج کے لیے چند مزید گھر مل گئے تھے سو جس وقت بھی آتی افراتفری میں رہتی۔ جلدی جلدی کام سمیٹتی۔ کچھ مکمل ہو جاتے کچھ رہ جاتے۔

پانی کے پائپ کا سرا اتار کر لپیٹتے ہوئے اس کی نظر اپنے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی پر ٹھہر گئی اور مسکراہٹ لبوں پر آن رکی۔ ان روکھے پھیکے بیزار سے دنوں میں یہی تو ایک خیال تھا جو وقت بے وقت مسکرانے اور خوش رہنے کا موقع

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

فراہم کرتا تھا۔ اور یہ بھی کیسی انوکھی سی بات تھی وہی شخص جس کے بارے میں وہ کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی تھی اب اسی کے بارے میں اس کی رائے تبدیل ہونے لگی تھی اور یقیناً یہ اسے سوچتے رہنے کا اعجاز تھا۔ دل بھی عجیب چیز ہے دماغ کو اس کام پر لگا دیتا ہے جس کے بارے میں کبھی سوچنا بھی محال ہوتا ہے۔

فون کی بیل بجنے لگی تھی۔ امی اور دادو جی کو ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے اس نے جلدی سے جا کر فون اٹھا لیا۔

"السلام علیکم! میں تبریز بات کر رہا ہوں۔"

وہ جو قمیص کے دامن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کندھے اور گردن کے درمیان ریسیور سنبھالے کھڑی تھی ایک دم سیدھی ہو کر تعجب سے ریسیور دیکھنے لگی اپنی سماعت پر دھوکا سا ہوا تھا۔

"ہیلو ماہا! آپ سن رہی ہیں؟"

اس کی جانب سے خاموشی پا کر پوچھا گیا تو وہ یکدم الرٹ سی ہو گئی۔ وہ اس کی آواز پہچان گیا تھا یہ تعجب کی بات تھی ساتھ ہی کچھ یہ چکر بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ ابھی اسے سوچ رہی تھی اور ابھی اس نے فون کر لیا تو وہ جو کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے تو کہیں یہی بات تو نہیں۔

"ہیلو ماہا! آر یو"

"جی۔ جی میں سن رہی ہوں۔" اس نے بوکھلا کر لکنت آمیز لہجے میں کہا۔ دل دھڑا دھڑ بج رہا تھا۔

"تو خیریت سے ہیں آپ؟"

"جی بالکل۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ ٹھیک ہیں؟ اصل میں ابو جی گھر پر نہیں ہیں آپ کو کوئی ضروری کام ہے تو ان کے آفس فون کر لیں۔"

اسے یہی کہنا مناسب لگا اصل میں زین کے جانے کے بعد تبریز نے آنا بالکل ترک کر رکھا تھا اس سارے عرصے میں وہ صرف ایک بار آیا تھا اور کچھ دیر ابو جی کے ساتھ بیٹھ کر چلا گیا تھا۔

"مجھے سعید انکل سے بات کرنی ہوتی تو گھر کی بجائے آفس میں ہی فون کرتا مگر مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس وقت آفس میں ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کی ماما اور دادو جی سے بھی بات نہیں کرنی۔ کیا اب مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مجھے کس سے بات کرنی ہے؟"

اس کا لہجہ کسی قدر متبسم اور حد درجہ معنی خیزیت لیے ہوئے تھا۔

"باتیں اگرچہ عام سی ہیں ممکن ہے آپ کو عام تر لگیں مگر یوں ہے کچھ باتوں کا پہلے کلیئر ہو جانا ضروری ہے میں ان باتوں کو پہلے ہی آپ سے ڈسکس کر لینا چاہتا تھا مگر اول تو موقع ہی نہ مل سکا دوسرا یہ کہ میں خود کو بھی راضی نہیں کر پا رہا تھا۔ آج کچھ فراغت تھی سوچا کیوں نہ کچھ بات کر لی جائے۔"

"آپ کہیے میں سن رہی ہوں۔" تبریز کے خاموش ہوتے ہی ماہا نے کہا اسے تجسس ہو رہا تھا۔

"کہنا تو بہت کچھ ہے ماہا! مگر یوں نہیں۔ میں چاہتا ہوں جو بھی بات ہو فیس ٹو فیس ہو۔ آمنے سامنے بیٹھ کر۔ آپ کس وقت فارغ ہوتی ہیں۔ یقین کیجیے بہت کم وقت لوں گا میں آپ کا۔ آپ کی اسٹڈی کا حرج بھی نہیں ہو گا ویسے کن ٹائمنگز میں پڑھتی ہیں آپ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کوئی خاص ٹائم نکلتو نہیں ہے بس جب موڈ ہو تو اسی وقت پڑھ لیتی ہوں گھر میں رات میں نہیں پڑھ پاتی اصل میں مجھے نیند بہت آتی ہے اور جب نیند آتی ہے تو کوئی اور چیز مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ آپ گھر آجائیں آپ جس وقت بھی آئیں گے میں آپ کی بات سن لوں گی۔"

"نہیں گھر پر نہیں۔ آپ کے گھر میں میں سکون سے بات نہیں کر سکوں گا اور یقیناً میری طرح آپ بھی سکون فیل نہیں کریں گی۔ آپ میرے ساتھ ڈنر پر کیوں نہیں چلتیں۔ دو روز بعد سنڈے ہے جو ائس آپ کی ہو گی۔ ڈیسائیڈ کر لیں سیٹر ڈے نائٹ اور سنڈے نائیٹ۔"

وہ جیسے سارا پروگرام سیٹ کیے بیٹھا تھا وہ لمحوں کے توقف سے ماہا کی خاموشی سے نجانے کیا اخذ کرتے ہوئے اس نے خود ہی کہا تھا۔

"میرا خیال ہے سیٹر ڈے نائیٹ ہی ٹھیک رہے گی۔ واپسی میں کچھ دیر بھی ہو گئی تو اگلے روز کی کوئی ٹینشن نہیں ہو گی۔ اوکے آپ تیار رہیے گا میں ساڑھے سات بجے تک آپ کو پک کر لوں گا۔"

"میری بات سنیے تبریز! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات ختم کر کے رابطہ منقطع کرتا ماہا نے جلدی سے اس کی بات قطع کر دی تھی۔ تبریز کی جانب سے کی جانے والی یہ فرمائش قطعی طور پر اس کے لیے ناقابل عمل تھی۔

"آپ میرے ساتھ کیوں نہیں جا سکتیں؟" وہ اس کے انکار پر حیران ہوتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور ماہا اس کی حیرانی پر حیران تھی۔

"نہیں۔" وہ الجھ سی گئی تھی۔ "مجھے گھر سے اجازت نہیں ملے گی۔"

اسے یہی کہنا فوری طور پر مناسب لگا دوسری جانب تبریز نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"واٹ ربش۔ اجازت کیوں نہیں ملے گی میں کوئی غیر تو ہوں نہیں آپ کے لیے پھر میں بتا چکا ہوں کہ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں نہ بھی کرنی ہوتیں تو اتنا مارجن تو ہمیں ملنا ہی چاہیے آفٹر آل ساری زندگی ساتھ گزارنی ہے ہم نے انگیجمنٹ پیریڈ کا مقصد اور کیا ہوتا ہے آپ کے خیال میں یہی ناں کہ لڑکا لڑکی کچھ وقت ساتھ بتا کر ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اب کچھ تو جواب دیں یا کنفیوز ہو گئی ہیں۔"

"میں کیا جواب دوں مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا اصل میں ہمارے یہاں لڑکا لڑکی کو اتنی آزادی نہیں دی جاتی کہ وہ یوں ہوٹلنگ کرتے پھریں آپ کو بات کرنی ہے اور وہ بھی کوئی ضروری۔ تو آپ گھر آجائیں ناں۔ ہم یہاں بڑے آرام سے بات کر لیں گے۔"

"تو یوں کہیں کہ آپ میرے ساتھ باہر نہیں جانا چاہتیں بلاوجہ گھر والوں کو کیوں گھسیٹ رہی ہیں جو گھر میں ملنے دے سکتے ہیں انہیں باہر بھیجنے میں کیا تردد ہو گا میرا خیال ہے آپ خود ہچکچا رہی ہیں۔ سعید انکل سے میں پوچھ لیتا ہوں وہ اتنے دقیانوسی ہرگز نہیں ہیں کہ ہمیں کچھ وقت ساتھ گزارنے کی اجازت نہ دے سکیں۔"

"آپ ابو جی سے کچھ مت پوچھیں یہی درست ہے کہ میں نہیں جانا چاہتی۔ مجھے ایسی باتیں پسند نہیں ہیں۔"

"آپ کو کیسی باتیں پسند ہیں۔ چلیں پھر آج وہی کر لیتے ہیں۔" تبریز کا لہجہ بدلا تھا نہ انداز البتہ الفاظ میں معنویت تھی ماہا نے بآواز گہرا سانس بھرا۔ یہ شخص آج اسے بار بار حیران کر رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"پھر آپ گھر آ رہے ہیں؟" اس نے فوراً بات بدل دی۔

"نہیں۔" تبریز نے کورا جواب دیا۔ "اینڈ سوری تو سے۔ لیکن پہرے داروں کی موجودگی میں، میں بات کرنا نہیں چاہتا۔ لوگ چاند تک ہو آئے ہیں اور آپ ابھی تک اس مسئلے میں الجھی ہوئی ہیں کہ لڑکا لڑکی کو خاص کر تب جب کہ وہ آپس میں انگیجڈ بھی ہوں تنہائی میں ملنا چاہیے یا نہیں۔ کم سے کم مجھے یہ بات بہت مضحکہ خیز محسوس ہو رہی ہے خود میں تھوڑی گنجائش پیدا کریں ماہا۔ دقیانوسیت انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی اور جیسے آپ کے خیالات ہیں ان کے ساتھ ترقی کرنا نہایت مشکل ہے۔"

"معاف کیجیے گا لیکن اگر ترقی کرنے کے لیے اور چاند تک جانے کے لیے نامحرم سے تنہائی میں ملاقات کرنا ضروری ہے تو ہم باز آئے ایسی ترقی سے بھلے سے لوگ چاند چھوڑ سورج تک ہو آئیں ہمیں پروا نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی ڈیمانڈ پوری نہ کر سکی۔ آئندہ بھی امید مت رکھیے گا۔" بڑی بے مروتی سے کہا وہ بھڑک سی گئی تبریز کی مہذب و شائستہ لہجے میں کی گئی ہر بات اسے ناگوار گزری تھی اور اسی ناگواری کی بدولت اس کے اندر کی دادو جی پوری شدت سے عیاں ہو گئی تھیں اس کے منہ میں انہی کی زبان انہی کے خیالات بولے تھے۔

"مجھے بھی افسوس ہے اللہ حافظ۔" رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔" آہستگی سے اس کے بالوں کو چھوتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

اس کی دونوں حرکتیں بے ساختہ تھیں۔ تعریف بھی اور چھونا بھی۔ اس لڑکی کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے برش پھیرتی گل بی بی بے ساختہ ہی مسکرائی تھی۔

"ہے ناں بی بی! میں بھی بٹیا سے یہی کہہ رہی تھی کہ ان کے بال بہت خوبصورت ہیں۔"

حمنہ نے مسکراتے ہوئے اس لڑکی کی جانب دیکھا وہ پہلے کی طرح نظریں جھکائے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے بالوں نے اس کے سارے وجود کو چھپا رکھا تھا۔ کمر سے نیچے تک جاتے ہوئے بے حد سیاہ اور چمکدار بال کم سے کم حمنہ نے تو کبھی کسی کے اس قدر خوبصورت بال نہیں دیکھے تھے۔

اس لڑکی کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز اس کے بال ہی تھے پھر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن پر لمبی لمبی خم دار پلکوں نے سایہ کر رکھا تھا۔ مجموعی طور پر وہ خوبصورت لڑکی تھی اس کے نقوش میں خاصی ملاحت تھی مگر چہرے کے تاثرات اس وقت بے جان تھے۔ وہ کسی اناڑی مصور کی ایسی پینٹنگ معلوم ہو رہی تھی جس میں ابھی کچی باقی تھی۔ کوئی خاص بھوس خامی اس کے چہرے پر کھدی تھی۔ اس کا سارا کا سارا چہرہ بے تاثر تھا۔

حمنہ نے اپنا سارا ارتکاز اس کے چہرے پر لگا دیا اس لڑکی کا چہرہ سپاٹ ہونے کے باوجود وہ کوئی بھی اندازہ اس کے چہرے سے ہی لگانا چاہتی تھی۔۔۔ کیونکہ پچھلے پانچ روز سے وہ لڑکی یہاں تھی اور اسے ہوش آنے سے لے کر اب تک حمنہ اسے بولنے کے لیے آمادہ کر رہی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ لڑکی بول سکتی ہے کیونکہ کوئی طبی مسئلہ نہیں تھا پھر بے ہوشی کی حالت میں اس نے دو ایک ناقابل فہم جملے ادا کیے تھے۔ یقیناً کسی خوف یا نامانوسیت نے اس کی گویائی پر پہرہ بٹھا رکھا تھا۔ مگر علی کا خیال اس کے برعکس تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی حمنہ کے چہرے پر سے بھٹکتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

حماقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر اور اس کی ہمدردیاں سمیٹ کر اس گھر کو اور ان لوگوں کو کوئی بہت ہی بڑی قسم کا نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہے اس لیے حمنہ کو اسے گھر سے جلد از جلد رخصت کرنا چاہیے۔

"آپ فارغ غمت رہا کریں علی! نجانے کیا کیا سوچتے رہتے ہیں۔"

اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا تھا۔ "مانتی ہوں کہ آج کل کے دور میں کوئی بھی اس حد تک قابل اعتبار نہیں ہے مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ وہ کس قدر معصوم لگتی ہے۔"

"معصوم چہرہ، معصوم دل کی علامت نہیں ہے میں صبح پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں تاکہ اس کے گھر والوں کے بارے میں پتا لگایا جا سکا۔"

"آپ میری بات سمجھ ہی نہیں رہے۔ میں چاہ رہی تھی کہ یہ لڑکی اپنے حالات کے بارے میں خود بتائے اور پھر ہم کوئی اسٹیپ لیں۔ کیا پتا اس کے گھر والوں نے ہی اسے اس حال تک پہنچایا ہو ایسا لگتا ہے جیسے اسے بہت عرصہ تک ٹارچر کیا جاتا رہا ہے۔"

علی نے ایسی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھا جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہا ہو۔ "ایک غیر لڑکی کے لیے تمہارے دل میں اتنی ہمدردی امڈ رہی ہے تو کیا اس کے گھر والوں کے دل پتھر کے ہوں گے۔ کیا خبر یہ لڑکی گھر سے فرار ہوئی ہو آئی مین کسی لڑکے وڑکے کا چکر بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"اور ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس لڑکی کی سوتیلی ماں اسے ٹارچر کرتی رہی ہو گی یا یہ کہ اس کی شادی کسی ادھیڑ عمر شخص سے کی جا رہی ہو گی یا کوئی بھی ایسی بات جس نے اسے اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔"

علی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "اس وقت تمہیں ہمدردی کا بخار چڑھا ہے اور کوئی بات نہیں۔"

"اور آپ کے سر پر بے حسی سوار ہے اور کوئی بات نہیں۔" اس نے بھی برجستگی سے کہا اور بات دیگر باتوں میں لاپتہ ہو گئی مگر حمنہ کے دل میں بھی اس لڑکی کے متعلق کئی شکوک سر اٹھا رہے تھے۔ ہمدردی اپنی جگہ مگر وہ ہے ستانے لگے تھے تبھی وہ اگلی صبح علی کے ہاسپٹل جانے کے بعد لالہ رخ کا ہاتھ تھام کر اٹیکسی کی جانب گئی۔ علی اور وہ ایک ہی ہاسپٹل سے وابستہ تھے مگر آج کل حمنہ میٹرنٹی لیو پر تھی اس لیے فراغت ہی فراغت تھی۔

اپنے خیالات میں گم اسے خبر ہی نہ ہو سکی تھی کہ گل بی بی اس لڑکی کی چوٹی باندھ کر کمرے سے باہر جا چکی ہے اس لڑکی کے لیے حمنہ کے دل میں بہت زیادہ ہمدردی تھی وہ اس کے جسم پر لگے زخموں اور مبہم ہوتے نیلوں کو دیکھ چکی تھی۔ چہرے پر گال سے ذرا نیچے گہرا نیل تھا جیسے کسی مضبوط چیز سے ضرب لگائی گئی ہو۔ کچھ چہرے دل کھینچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لڑکی کا چہرہ بھی ایسا ہی تھا۔

وہ لڑکی اب اپنے ہاتھوں کی بجائے کچھ فاصلے پر پردہ جھلاتی لالہ رخ کو دیکھ رہی تھی۔ حمنہ نے کچھ سوچتے ہوئے باری باری دونوں کو دیکھا۔ وہ لڑکی بغور لالہ کو تک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر موجود سپاٹ پن کسی قدر کم ہو چلا تھا۔ وہ کسی کرب آمیز سوچ کے زیر سایہ اپنے ہونٹ کچل رہی تھی۔

حمنہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے وہ سارے جملے اندر ہی اندر دوہرائے جو اس لڑکی کو کچھ بولنے پر آمادہ کر سکتے تھے کم و بیش یہی جملے حمنہ تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ ادا کرتی آ رہی تھی۔ لالہ رخ پردہ چھوڑ کر اس لڑکی کی گود میں آ بیٹھی تھی یہ اتنی بے تکلفی ان دونوں کے مابین کب پیدا ہوئی حمنہ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلت سے نواقف تھی۔ مگر یہ تبدیلی لے گئی۔ اس لڑکی کے چہرے کے سبھی تاثرات تبدیل ہو چکے تھے۔ وہاں اب صرف محبت اور کرب تھا۔ حمنہ نے اسے جھک کر لالہ کے گال پر پیار کرتے دیکھا تھا پھر اسے اٹھا کر حمنہ کو دیکھا۔

"میں بابا جو ہوں۔"

اس کا انداز میکانکی تھا۔ "بابا سعید احمد" لبوں سے دھیمی سی سسکی نکلی تھی اور آنکھ کے کونے سے نکل کر ایک آنسو لالہ کے بالوں میں جذب ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ابھی ہولی سی نارنجی شام دھرتی پر پنکھ پھیلا چکی تھی۔ اس نے ایک بڑی سی جمائی لیتے ہوئے پاؤں چارپائی سے نیچے لٹکا دیے۔

اوپر پڑھنے کی غرض سے آئی تھی پھر کسی وقت آنکھ لگ گئی اور اب جو آنکھ کھلی تو کتاب اوندھے منہ زمین پر پڑی تھی۔

اس نے کتاب اٹھاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا۔ رفتہ رفتہ سیاہ ہوتے آسمان پر بگلوں کی قطار گزر رہی تھی۔ فضا میں موجود خنکی کے باعث فرش کی سرخ اینٹیں نم نم سی تھیں۔ دوپہر میں سکھانے کے لیے پھیلائے کپڑے بھی یونہی پڑے تھے۔

"یہ رانی سے تو آج کل کوئی کام نہیں ہوتا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کپڑے سمیٹنے لگی نیچے بیل نجانے کب سے بج رہی تھی۔ اس نے سیمنٹ کی آرائشی کڑیوں والی گرل سے جھانک کر دیکھا۔ گرل کا رخ صحن کی جانب تھا اور بیرونی دروازہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ پھپھو جی تھیں عقب میں لمبے چوڑے محتشم بھائی۔ اس نے تار پر پڑے دو ایک کپڑے کھینچ کھانچ کر اتارے اور ڈھیر بازو پر سمیٹے دھڑادھڑ سیڑھیاں عبور کرتی نیچے آگئی۔

"السلام علیکم۔۔۔" پھر وہی معمول کے رسمی و غیر رسمی جملے۔

وہ محتشم بھائی کے ساتھ باتیں کرتی امی اور پھپھو جی کے پیچھے دادو جی کے کمرے میں آگئی۔ ماحول بڑا خوشگوار سا تھا اتنے دنوں بعد تو پھپھو جی آئی تھیں اور خود محتشم بھائی تو اس کی منگنی کے بعد بس اب ہی آئے تھے۔ اس نے ایک ہی سانس میں کئی شکوے کر ڈالے مگر ان کے پاس اس کے ہر شکوے کا تسلی بخش جواب موجود تھا۔

امی کے کہنے پر اس نے پہلے کپڑوں کا ڈھیر جا کر اسٹور روم میں رکھا پھر کچن میں گھس گئی۔ ابھی چائے کا پانی ہی رکھا تھا کہ محتشم بھائی آگئے۔

"آپ یہاں کیوں آگئے چل کر اندر بیٹھیے ناں، میں ابھی چائے لا رہی ہوں۔"

شیلف پر یہاں وہاں کچھ تلاش کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہاں تینوں معزز خواتین اپنی گفتگو میں گم ہو چکی ہیں میں نے سوچا کیوں ناں تم سے گپ شپ لگائی جائے۔" ماہا نے مسکرا کر اسٹول گھسیٹ کر ان کے سامنے کر دیا۔

"ارم آپی کو کیوں نہیں لائے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"وہ تو فی ٹیسٹ وغیرہ چیک کر رہی تھی۔" وہ جھینپتے ہوئے بولے کھلی کلر کے شلوار قمیص میں وہ خوب جچ رہے تھے۔ عام طور سے وہ اسی لباس میں ملبوس ہوا کرتے تھے ماہا نے بہت کم انہیں جینز جیکٹ وغیرہ میں دیکھا تھا۔ شلوار قمیص کے مقابلے میں کرتا شلوار انہیں بہت سوٹ کرتا تھا ان کا قد بے حد نمایاں لگتا تھا۔

"محتشم بھائی! آپ ڈھیر سارے کرتا شلوار سلوا لیں جیسا منگنی والے روز پہنا تھا آپ پہ بہت سوٹ کرتا ہے اور وائیٹ اور گرے کلر کے زیادہ بنوائیے لڑکیاں بڑی امپریس ہوتی ہیں۔" اس نے اپنی ازلی بے ساختگی سے کہتے ہوئے آخر میں شرارت سے کہا تو وہ خوشدلی سے مسکرا دیے۔

"یہ گر کی بات اب بتا رہی ہو جب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی کچھ عرصہ پہلے بتایا ہوتا تو شاید کچھ فائدہ ہو جاتا۔"

"یعنی۔۔۔ مطلب۔" وہ خوشگوار سی حیرانی میں گھر کر بولی۔

"مطلب وطلب کچھ نہیں ماموں جی کب آتے ہیں گھر؟"

"آپ مجھے ٹال رہے ہیں۔" وہ خفا ہوئی۔ "مجھے تو یہی سوچ کر خوشی ہو رہی ہے کہ کوئی آپ کی زندگی میں بھی ہے مائی گاڈ اب سمجھ آیا کہ اب تک چھڑے کیوں پھر رہے ہیں پھپھو جی شادی کا کہتی ہیں تو ٹال دیتے ہیں سیدھے سیدھے بتاتے کیوں نہیں اس مہ جبیں کا نام۔"

"اس لیے کہ ہر بات بتانے کی نہیں کی بھی نہیں ہوتی کچھ باتیں محسوس بھی کی جانی چاہئیں۔" وہ لیدر کی چپل سے فرش کھرچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ محتشم بھائی کی ہر بات سے اتفاق کر لینے والی ماہا کو پہلی بار ان سے اختلاف ہوا۔

"بتانا ضروری ہوتا ہے ورنہ دوسرے کو کیا الہام ہوگا۔ بائی دا وے پھپھو جی کو بھی بتایا ہے یا راز اندر ہی لیے گھوم رہے ہیں۔" اس نے محتشم کو دیکھا پھر جھنجلا کر بولی۔

"میں ہی بتاتی ہوں پھپھو جی کو خود ہی آپ سے ساری بات بمع نام پتہ کے اگلوا لیں گی بیچاری خوامخواہ یہاں وہاں ہلکان ہوتی پھر رہی ہیں۔"

محتشم بند مٹھی لبوں پر دبائے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھے گئے وہ بڑی تندہی سے ان پر تنقید کر کے اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ ماموں جی کتنے بجے گھر آتے ہیں؟" انہوں نے پھر پوچھا تو وہ روٹھے پن سے بولی۔

"آپ نے بھی تو نہیں بتایا اس کا نام۔"

وہ فریج کے اوپری حصے میں یہاں وہاں ہاتھ مار کر ائیر ٹائیٹ باؤل نکال لائی اور انڈہ پھینٹتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی۔

"اور فکر مت کریں ابو جی آئیں گے تو گلی کے کونے سے ہی ہارن بجانا شروع کر دیتے ہیں ہمارے ساتھ سارے محلے کو خبر ہو جاتی ہے کہ سعید احمد آئے ہیں۔" اسی وقت گلی میں کسی ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔ محتشم بھائی اٹھے تاکہ دروازہ کھول سکیں مگر اس نے روک دیا۔

"یہ ابو جی کی بائیک کا ہارن نہیں ہے میں پہچانتی ہوں ویسے تو میں آپ کی بائیک کا ہارن بھی پہچانتی ہوں مگر آ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پتا ہی نہیں چلا۔"

"اٹس اوکے۔ اب تو ویسے بھی ہمیں عادت ڈال لینی چاہیے کیونکہ اب تو تمہیں صرف تبریز کی گاڑی کا ہارن یاد رہا کرے گا۔" ان کا لہجہ شگفتہ سا تھا اس نے جھینپ کر رخ موڑ لیا۔

"کوئی نہیں۔" اور محض اپنے تاثرات چھپانے کے لیے اس نے کیبنٹ کھول کھول کر دیکھنے شروع کر دیے۔

"ابو جی سے کیا کام تھا آپ کو۔"

"بس یونہی۔" انہوں نے کہا۔

"بسکٹ گھر میں ختم ہو گئے ہیں آپ لے آئیں گے پلیز بازار سے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ چائے کا سوس پین ڈھکتے ہوئے بولی۔ "اور فروٹ کیک بھی آپ آجائیں تب ہی کباب فرائی کرتی ہوں۔ بہت اچھے ہیں۔"

ایئر ٹائیٹ باؤل کا کھلا چھوڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم نے بنائے ہیں؟"

"نہیں۔ امی جی نے۔ اسی لیے تو اچھے ہیں۔"

"سب کام ماں کرتی ہیں یا تم بھی کچھ کرتی ہو۔" ان کا انداز فہمائشی تھا وہ ڈھٹائی سے ہنس دی۔ "کھانا بھی تو ایک کام ہے۔"

محتشم سر ہلاتے باہر کی جانب بڑھ گئے۔ "زین صحیح کہتا ہے تم نہیں سدھر سکتیں۔"

"میں اس رائے سے متفق ہوں مگر جاتے جاتے نام تو بتاتے جائیں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" وہ بے مروتی سے کہہ کر باہر نکل گئے وہ بڑبڑانے لگی۔ "ابھی بھی جلدی ہے بڈھے ہو کر شادی کریں گے۔"

وہ پلیٹ میں سیب نکال کر دادو جی کے کمرے میں آگئی جہاں نجانے کون سا موضوع زیر بحث تھا۔ پھپھو جی کہہ رہی تھیں۔

"موسم بدل گیا ہے کچھ ان مہینوں میں اداسی سی بھی ہوتی ہے پھر میرا دل بہت گھبرا رہا تھا بڑی یاد آرہی تھیں آپ محتشم تو تنہا ہی آرہا تھا میرا تو بس اچانک ارادہ ہو گیا۔"

"آپ کو صرف دادو جی یاد آرہی تھیں ہم نہیں؟" امی کے کاٹے ہوئے سیب کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے اس نے کہا تو پھپھو جی نے مسکرا کر اسے قریب کر لیا۔

"میری بیٹی تو سب سے زیادہ یاد آتی ہے۔" اس کی پیشانی چوم کر انہوں نے سرد آہ بھری۔ "کتنی خواہش تھی میری کہ تم میری ہی بیٹی بنتیں۔"

"ابھی بھی تو آپ کی ہی بیٹی ہوں۔" اس نے الجھن آمیز نظروں سے پھپھو جی کو دیکھا اسے ان کی جذباتیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی جبکہ وہ شکوہ کناں نظروں سے ماں اور بھاوج کو دیکھ رہی تھیں۔

"کتنا دل تھا میرا ماہا کے لیے۔ مگر آپ لوگوں نے ذرا میرا مان نہ رکھا۔ ورنہ کتنی اچھی لگتی ماہا محتشم کے ساتھ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماما نے گھبرا کر ماں کو دیکھا انہوں نے فوراً اسے باہر جانے کا حکم دے دیا۔

"تمہاری چائے نہیں بنی۔" وہ جلدی سے اٹھ کر باہر آگئی پھپھو جی کی بات اس کے لیے نہایت عجیب تھی۔ "گزری باتوں کو بار بار دوہرانے کا کیا فائدہ مومنہ۔" دادو جی کی آواز سنائی دی۔ "جو ہوا سو ہوا۔ سعید احمد کا اپنا دل تھا تمیز پر بس۔ تم دعا کرو کہ ہماری بچی سکھی رہے۔"

"دعا تو کرتی ہوں اماں! اپنے خون کے لیے تو دل سے دعائیں نکلتی ہیں اور سعید بھائی کی بات بھی ٹھیک ہے کبھی آپ نے جو آپ نے حمایت کی ہوتی تو مجال تھی کہ وہ نہ مانتے۔ تمیز کی مالی حیثیت ہمارے مقابلے میں اچھی ہے مگر حیثیتیں ہمیشہ ایک سی تو نہیں رہتیں۔ ہمارا گھر کرائے کا ہے پر کبھی تو ذاتی بھی ہوگا۔ محتشم کا کام بھی انشاء اللہ چل نکلے گا مگر آپ لوگوں نے صبر ہی نہ کیا۔"

"اے مومنہ! کیسی عجیب باتیں کرتی ہو جو باتیں تمہارے دل میں ہیں ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں۔ محتشم اپنا بچہ ہے بھلا اس سے بڑھ کر کون ہمیں عزیز ہوگا بس ایک عمروں کا فرق آڑے آتا تھا کوئی دس برس تو بڑا ہوگا ہی محتشم ماہا سے۔"

"واہ اماں! جب مجھے نو برس بڑے شخص سے بیاہ رہی تھیں تب تو ایسی مصلحتوں پر نہ سوچا آپ نے آج کل تو لوگ چودہ برس کا فرق نہیں مانتے اور آپ خیر جو کیا سو درست کیا مگر پھر بھی اپنا اپنا ہی ہوتا ہے مارے بھی تو چھاؤں میں ڈالتا ہے۔"

"اے ہے مومنہ! رب کا نام لو۔" دادو جی کی پرملال آواز سن کر وہ جلدی سے کچن میں گھس گئی۔ کتنی ہی دیر بے مقصد اسٹول پر بیٹھی رہی ہوش تب آیا جب محتشم بھائی سر پر پہنچ گئے۔ اس نے شاپر ان کے ہاتھ سے لے کر سر جھٹک دیا۔ مشفق سے محتشم بھائی کے بارے میں ایسا سوچنا بھی عبث تھا۔

"میں اور محتشم بھائی لاحول ولا قوۃ۔ پھپھو جی بھی پتا نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہیں محتشم بھائی تو میرے بھائی ہیں انہیں تو اس فضول بات کا پتا بھی نہیں ہوگا۔ چ۔ پھپھو جی بھی ناں بس۔" وہ کباب تلنے لگی۔

✲ ✲ ✲

وہ چائے کا مگ میز پر رکھ کر جانے لگی تو ابو جی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر بیڈ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"بیٹھو ذرا۔" وہ طویل گفتگو کے موڈ میں تھے اور یہ موقع کئی روز بعد آیا تھا وہ ان کے بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"پیپروں کی تیاری کیسی ہو رہی ہے۔" اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"ہوں۔ پیپروں کی تیاری اچھی ہو رہی ہے۔"

ادارتی صفحہ اٹھاتے ہوئے اس نے کہا اور نشان زدہ کالمز دیکھنے لگی۔ یہ ابو جی کی پرانی عادت تھی صبح آفس جانے سے قبل اخبار کا سرسری جائزہ لے کر کالمز پر نشان لگا لیا کرتے تھے اور رات کو سونے سے قبل بلکہ آفس سے واپسی سے سونے تک اخبار کا تفصیلی مطالعہ ہوتا تھا۔

کچھ دیر بعد ماہا نے اخبار رکھ دیا اسے کچھ ایسا شغف نہ تھا البتہ ابو جی۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہر خبر کا بقیہ حصہ "بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی مگر وہ تو نظر کا چشمہ ناک پر ٹکائے پوری طرح اخبار میں مگن تھے۔

"ابو جی۔" اس نے تھک کر ان کا گھٹنا ہلایا۔ "چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"اوہ ہاں۔" وہ چونکے۔ کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا اور پھر سے اخبار میں غائب۔ وہ صبر سے بیٹھی رہی۔ اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ بھلا کر بھول جانے کی عادت بھی تھی انہیں۔ پھر صبر بیزاریت میں بدلنے لگا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کدھر؟" ابو جی نے پھر سے چونک کر دیکھا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

"خود تو اخبار پڑھ رہے ہیں میں یہاں کیا کروں۔"

"اچھا بیٹھو تو سہی۔" ابو جی نے مسکراتے ہوئے پھر سے ہاتھ پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی۔

"تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

انہوں نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو وہ بیٹھ گئی ابو جی نے اخبار سمیٹ کر ایک طرف رکھا پھر چشمہ اتار کر میز پر رکھ دیا اور بڑا سا سپ لے کر بولے۔

"ارم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیسی لگتی ہے وہ تمہیں؟" ان کا سوال مبہم تھا اور الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی پھر سوچتے ہوئے بولی۔

"اچھی ہیں تو اچھی ہی لگیں گی اور مجھے تو وہ بہت ہی اچھی لگتی ہیں لیکن آپ یہ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ کیا آپ کو وہ اچھی نہیں لگتیں؟"

"مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے اور تمہاری ماں کو بھی تو ہم سوچ رہے تھے کہ۔"

"کہ؟"

"کہ کیوں ناں ارم کو تمہاری بھابھی بنا دیا جائے۔"

"ہاہ۔" ان کے متبسم لب و لہجے پر ماہا کا منہ بے یقینی سے کھلا کا کھلا رہ گیا پھر اس نے پرجوش انداز میں ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں مذاق تو نہیں کر رہے ناں؟" ہنستے ہوئے انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ماہا کی خوشی قابل دید تھی۔

"مگر یہ بات آپ کو میری بجائے زین سے پوچھنی چاہیے تھی۔"

"سب سے پہلے تو اسی سے پوچھنا چاہیے تھا ظاہر ہے بھئی زندگی اس نے گزارنی ہے تو کیا اس سے نہیں پوچھیں گے۔"

"مجھ سے تو نہیں پوچھا تھا۔" بے ارادہ اس کی زبان سے پھسل گیا حالانکہ بہت پہلے دل میں یہ ملال پیدا ہوا تھا۔ ابو جی نے پیار سے اس کا سر کندھے سے لگا لیا۔

"وہ اس لیے کیونکہ میں جانتا تھا کہ میری بیٹی انکار نہیں کرے گی۔"

"میں نے انکار کیا تھا۔" وہ زور دے کر بولی۔ "پر آپ نے سنا ہی نہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اچھا اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں۔" انہوں نے بے حد شرارتی انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ فوراً" پلکیں جھکا گئی۔

سعید احمد کے لیے اس کا یہ روپ نیا اور دلچسپ تھا انہوں نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا دی۔

"پھپھو جی سے کب بات کریں گے؟"

"پہلے تو زین سے پوچھنا پڑے گا۔" وہ ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے بولے۔

"اس سے پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں بتا رہی ہوں وہ انکار نہیں کرے گا۔" اس نے پریقین لہجے میں کہا۔

اسے زین کے وہ سارے شکوک یاد آ رہے تھے وہ سارے سوال ہی یاد آ رہے تھے جو اس نے جاتے سمے ماہا سے بیان کیے تھے۔ ابو جی چونکہ اس سے کسی قدر خفا تھے اور پھر کسی بھی تفصیلی بات کا وقت نہیں تھا سو وہ ماہا سے وعدہ لے کر گیا تھا کہ وہ اس کا حال دل گھر والوں تک پہنچائے گی۔ ابو جی کو اس کے یقین پر یقین آ گیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ذرا اوکاڑہ سے ہو آئیں پھر مومنہ سے تفصیلی بات کرتے ہیں۔ ایک خانہ پری ہی ہو گی ویسے تو کیوں خدیجہ؟" انہوں نے اندر داخل ہوتی امی سے کہا۔ وہ دونوں دو روز کے لیے اوکاڑہ جا رہے تھے جہاں ماہا کے ماموں مقیم تھے اور وہاں انہیں ماموں کے پوتے کے عقیقے میں شریک ہونا تھا۔

"پتا نہیں۔ خانہ پری ہو گی بھی یا نہیں۔" امی جی نے الجھا ہوا سا جواب دیا تو ابو جی اور ماہا استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بتایا تو تھا آپ کو پرسوں مومنہ آئی تھی بڑا ملال ہے اس کے دل میں محتشم کے لیے ہم نے انکار کر دیا تھا۔ سوچتی ہوں کہیں زین کے لئے وہ لوگ..." امی جی خود ہی خاموش ہو گئیں شاید اندیشہ لبوں تک لانے سے خائف تھیں ابو جی نے شاید اس نہج پر سوچا ہی نہیں تھا۔ اب سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ ماہا اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ ابو جی سے لاکھ۔ بے تکلفی سہی مگر شرم و حیا اس کے خمیر میں رچی تھی سو جھجک محسوس ہونا فطری عمل تھا۔

☆ ☆ ☆

بازو پھیلا کر اس نے تنے ہوئے اعصاب کو سکون پہنچانے کی کوشش کی۔ پچھلے چار گھنٹوں سے مسلسل پڑھنے کے باعث ذہن بوجھل ہو چلا تھا گردن میں بھی درد ہونے لگا تھا۔ اس نے کتاب پرے دھکیلی اور دیوار سے کمر ٹکا کر نرمی سے آہستہ آہستہ گردن دبانے لگی۔

گھر میں معمول سے زیادہ سناٹا تھا۔ کچھ دیر پہلے رانی کام نمٹا کر جا چکی تھی اور اب صرف ماہا اور دادی جی تھیں۔ یونہی بیٹھے کتنے ہی پل سرک گئے تو اس پر سستی غالب آنے لگی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیوں ناں ایک بار پھر ناشتا کیا جائے۔" اس نے سوچا یہ سستی بھگانے کا قدرے بہتر نسخہ تھا۔ سو اس نے نیم گیلے بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی کو پیچھے دھکیلا اور کتابیں سمیٹنے لگی۔ اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی اور ایسی زوردار ہوئی تھی کہ گلاب کی کیاری کے قریب لکڑی کی پیڑھی پر کروشیہ کی ٹوپی بنتی دادی جی بری طرح ہڑبڑا گئیں۔ نتیجتاً" دھاگے کا گولا لڑھکتا دور تک چلا گیا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ارے یار کے قلعے کا دروازہ سمجھ کر بجا رہے ہیں کیا؟ ایک تو لوگوں میں صبر نہیں ذرا جو دائیں بائیں نظر ڈالی ہوتی تو گھنٹی تھی دکھ جاتی پر نہیں۔ بجا گے دروازہ وہ بھی دھڑا دھڑ۔ دوسرا چاہے دہشت سے مر جائے۔"

دستک بڑھتی جا رہی تھی سو گولا اٹھانے کا تردد نہیں کیا۔ کیا پتا بے صبرا انسان دروازہ توڑ کر ہی اندر آجاتا۔ وہ بھی چوٹی کے بل درست کرتی باہر آ گئی عجیب تشویش کن دستک تھی۔

دادو جی نے خاصے جارحانہ انداز میں دروازہ کھول دیا۔

"ارے کیا ٹرین چھوٹ رہی ہے تمہاری یا روٹی توے پر ڈال کر آئے ہو۔" سامنے کھڑے محتشم بھائی قدرے شرمندہ سے ہو گئے انگلی دستک کے لیے اٹھا ہاتھ خفت سے پہلو میں گر گیا۔

"وہ اصل میں... میں جلدی میں تھا۔"

"ہاں تو ایسی بھی کیا جلدی؟ ہمیں ہولائے دے رہے ہیں۔" دادو جی نے اندر کی جانب بڑھتے ہوئے چہرے سے مکھی اڑائی محتشم بھائی شرمندہ شرمندہ سے اندر آ گئے۔

"خیریت سے تو آئے ہو ناں اس وقت۔ کام پر نہیں گئے؟" پیڑھی پر بیٹھ کر وہ الجھا دھاگا سلجھانے لگیں گولے کے لڑھکنے کے باعث انگلی پر لپیٹا دھاگا بھی کھل گیا تھا۔

"جی خیریت ہی سمجھیے۔ اصل میں ماموں جی سے ملنے آیا تھا میں۔ کچھ ضروری کام ہے۔" بتاتے ہوئے انہوں نے سرسری نگاہ سب طرف ڈالی۔

"تو اس وقت کب ہوتے ہیں تمہارے ماما گھر پر اس وقت تو دفتر جاتے ہیں۔" دادو جی دھاگے میں الجھی الجھی الجھی سی بول رہی تھیں۔ سلمانے مختصراً محتشم بھائی کو اوکاڑہ روانگی کے متعلق بتایا۔

"چھ بجے تو گھر سے نکلے تھے اب تک تو پہنچ بھی گئے ہوں گے۔ آپ کو کوئی ضروری کام تھا؟" وہ بغور ان کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی جن کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات رقم تھے۔ وہ کچھ پریشان سے لگ رہے تھے۔

"پھر میں چلتا ہوں۔" انہوں نے قدم بڑھائے پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"دو روز بعد۔"

"اچھا۔" وہ یکدم کچھ مایوس سے دکھائی دینے لگے۔ سلمانے ان کی پیشانی پر نمی سی دیکھی جسے انہوں نے فوراً پونچھ ڈالا پھر وہ کچھ دیر ہی رکے اور اس تمام عرصے میں وہ مسلسل تذبذب کا شکار رہے۔ مگر کیوں؟

"محتشم بھائی! کیا بات ہے مجھے آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایک گلاس پانی مل سکتا ہے۔"

ان کا انداز بے حد سنجیدہ تھا۔ سلمانے الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا پھر پانی لے آئی جسے محتشم بھائی ایک ہی سانس میں پی گئے پھر گلاس واپس اسے تھماتے ہوئے بولے۔

"رات کو آپ دونوں کیسے رہیں گی۔ یوں کریں شام تک تیار رہیے گا۔ میں آ کر لے جاؤں گا۔ جب تک ماموں اور مامی نہیں آجاتے۔ آپ دونوں ہماری طرف رہیں۔" وہ کہہ کر افرا تفری میں باہر نکل گئے اور دادو جی کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

مضطرب کر گئے۔

اور پھر جیسا کہ محتشم بھائی نے کہا تھا کہ شام میں آئیں گے تو وہ آبھی گئے۔ ماہا تو تیار رہ کم کسی قدر بے چین تھی کہ ارم سے ملے کافی دن گزر گئے تھے۔ البتہ دادو جی معترض تھیں۔ انہیں اپنے ہی گھر میں سکون ملتا تھا پھر مین دروازے پر تالا نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ مگر پھر محتشم بھائی کے پر زور اصرار پر راضی ہو گئیں۔ ماہا نے پرندوں کو ڈھیر سارا باجرہ اور تازہ پانی ڈال دیا۔ سارے کمرے لاک کر کے وہ باہر نکلی تو محتشم بھائی نے بیرونی دروازہ خود لاک کیا۔

ماہا کی نظر سامنے والے گھر پر ٹھہر گئی گیٹ نیم وا تھا اور دونوں طرف لگے چھوٹے چھوٹے سفید لیمپ روشن ہو چکے تھے۔

گھر پہنچ کر محتشم بھائی اپنی بائیک لے کر نکل گئے دادو جی سومنہ پھپھو کے پاس کچن میں گھس گئیں ارم ماہا کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ ماہا آخری بار یہاں زین کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اپنی روانگی سے ایک رات قبل ادھر سب لوگوں سے ملنے آیا تھا۔ اور جب وہ دونوں واپس گھر جا رہے تھے تو زین کچھ خاموش سا تھا۔

"کیا بات ہے اتنے اداس کیوں ہو؟" ماہا نے پوچھا تو وہ طویل خاموشی کے بعد بولا۔

"تم ارم کا خیال رکھنا ماہا!"

اس کے لہجے میں ایک عجیب خدشہ سا تھا اور اس کے بعد ایک طویل خاموشی تھی جو ماہا کے دل پر اپنے نقوش چھوڑ گئی تھی۔ اس رات ارم بھی تو کس قدر خاموش تھی وہ کم گو تو تھی مگر اس قدر بھی نہیں۔

ماہا نے سارے کمرے کا جائزہ لیا باقی گھر کی طرح اس کمرے میں بھی کچھ تبدیلیاں لائی گئی تھیں۔ پردے تبدیل تھے سیٹنگ بدلی ہوئی تھی سامنے دیوار پر ارم کی حالیہ فریم شدہ تصویر آویزاں تھی۔

"تصویر بہت اچھی ہے ارم آپی۔" اس نے کہا تو ارم مسکرا دی۔

"زین کا فون آتا ہے ماہا؟" انہوں نے اچانک پوچھا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"آج صبح اس کا فون آیا تھا۔" ارم نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا سوال کا پس منظر سمجھ آ گیا تھا۔

"اچھا کیا کہہ رہا تھا زین۔"

"یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ کچھ کہتا نہیں۔" ارم نے مایوسی سے کہا پھر بے ساختہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ ماہا خوشگوار سی حیرانی میں گھر کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔"

ارم نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا۔ یہ اقرار تھا ایک خوشگوار اقرار۔ ماہا نے خوشی سے نعرہ بلند کرتے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔ اور رات کٹ گئی۔ اگلے روز صبح میں وہ دونوں دیر سے بیدار ہوئیں تب تک محتشم بھائی جا چکے تھے اسے مایوسی سی ہوئی وہ ان سے ان کی وجہ پریشانی معلوم کرنا چاہ رہی تھی ارم نے اسکول سے چھٹی کی تھی مگر گیارہ بجے کے قریب اس کے اسکول کی پرنسپل نے فون کر کے اسے بلوا لیا۔ دو روز بعد کوئی فنکشن ہونے والا تھا اور ارم اس فنکشن کی آرگنائزر تھی۔

وہ کچھ دیر تک ٹی وی دیکھتی رہی پھر بیزاریت سے اٹھ گئی اور پھپھو جی کو بتا کر محتشم بھائی کے کمرے میں آ گئی۔ وہ وہاں سے کوئی کتاب لینا چاہ رہی تھی۔ بستر کی چادر سمٹی پڑی تھی تکیہ زمین پر، جرابیں کرسی پر تولیہ چڑمڑ سا کونے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں رائٹنگ ٹیبل پر کتابیں بکھری پڑی تھیں کچھ صفحات تھے جن پر سیاہی کی کھلی شیشی اوندھی پڑی تھی۔ دراز کھلا ہوا تھا۔

اسے حیرانی سی ہوئی محتشم بھائی بہت طریقے سلیقے سے رہنے کے عادی تھے بچپن سے اب تک وہ جب بھی ان کے کمرے میں آتی تھی اسے صاف ستھرا پایا تھا مگر آج یہاں ہر طرف بے ترتیبی ہی بے ترتیبی تھی۔

اس نے پہلے بستر کی چادر درست کی تکیہ اٹھا کر رکھا جرابیں بوٹوں میں ڈال کر بیڈ کے نیچے گھسا دیے۔ کورے کاغذ ڈسٹ بن میں ڈالے۔ کتابیں ترتیب سے رکھتے ہوئے وہ سرسری سا ان کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔ تبھی نیچے پڑا خاکی رنگ کا ایک لفافہ نگاہوں کی زد میں آگیا جس پر محتشم بھائی کا ایڈریس اور جی پی او کی دو تین مہریں لگی تھیں۔

اس نے بے دھیانی میں لفافہ اٹھا کر دراز میں ڈالنا چاہا مگر کھلا ہونے کے باعث اندر موجود صفحات زمین پر بکھرتے چلے گئے۔

"اف۔" اس نے کرسی پر بیٹھے دیکھا پھر کتاب رکھ کر اٹھانے کو جھکی۔ مگر وہ جنہیں ماہا کوئی ضروری کاغذات سمجھ رہی تھی وہ تصاویر تھیں۔ شادی کی تصاویر اسے کچھ دلچسپی محسوس ہوئی تو یونہی دیکھنے لگی اور تبھی وہ ٹھٹھک گئی۔ اس کے لیے یہ ایک دھچکا تھا۔ ایک صدمہ' ان تصاویر میں دولہا کے روپ میں موجود اس شخص سے اس کا بہت قریبی تعلق تھا۔ اتنا قریبی کہ اب وہ اکثر اسے سوچتی تھی۔ اس کا خیال ماہا کو بے سبب مسکانے پر مجبور کرتا تھا اور اس کے نام کی انگوٹھی وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں ہمہ وقت پہنے رکھتی تھی۔

اس نے صدمے کی کیفیت میں ان تصویروں کو دوبارہ دیکھنا شروع کیا پھر بار بار دیکھا کائنات میں زلزلہ نہیں آیا تھا مگر اس کے وجود کی کائنات سرتاپا لرز گئی تھی۔ نہایت حسین و جمیل دولہن کے ساتھ جاندار مسکراہٹ لبوں پر سجائے دولہا کے روپ میں ایستادہ وہ شخص کوئی اور نہیں تبریز علوی تھا۔

"او میرے خدا۔" وہ کراہی۔ اس کے سامنے ایک معمہ تھا جس کا حل ہونا ممکن نہ لگتا تھا۔ دو ایک شادی کی تصویریں تھیں۔ تین تصویروں میں کوئی سبزہ زار دکھائی دیتا تھا اور تبریز اس لڑکی کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

"ماہا!" اپنے کانوں میں گونجتی سائیں سائیں کے درمیان اس نے ایک آواز سنی تھی مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ مڑ کر دیکھتی چند لمحوں کے توقف سے اس نے محتشم بھائی کو ان تصویروں پر جھپٹتے دیکھا تھا۔

"تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی۔ کسی کی چیزوں کو بلا اجازت نہیں چھیڑا کرتے اور تمہیں اجازت کس نے دی میرے کمرے میں آنے کی۔ جاؤ یہاں سے۔"

وہ نہایت طیش میں کہتے تصویریں لفافے میں ڈال رہے تھے۔ ماہا چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی پھر نجانے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی اس نے وہ تصاویر ان کے ہاتھ سے جھپٹ لی تھیں۔

"یہ تمہارے لیے نہیں ہیں ماہا۔ انہیں مجھے دو۔" محتشم بھائی غرائے۔

"یہ میرے ہی لیے ہیں محتشم بھائی۔ میں یہ آپ کو نہیں دے سکتی۔" اس کا لہجہ پراسرار تھا۔ محتشم بھائی ڈیٹ کر بولے۔

"کوئی حماقت نہیں ماہا۔ یہ مجھے واپس دو۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کیا کریں گے ان تصویروں کا۔" اس نے تیزی سے کہا۔
"آگ لگاؤں گا۔" وہ بھڑک گئے۔
"مگر کیوں؟" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے وہ تعجب سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"آپ حقیقت کو کیوں چھپانا چاہ رہے ہیں محتشم بھائی؟"
"یہ بات تم نہیں سمجھو گی۔"
"آپ سمجھائیں گے تو سمجھ جاؤں گی۔"
"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ماہا! ابھی تو میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔" ان کے لہجے میں یک دم تکان سمٹ آئی تھی وہ گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئے۔
"میں یہ بات بہت پہلے سے جانتا ہوں کہ تیریز شادی شدہ ہے بلکہ یہ ہی نہیں میں اس کے بارے میں اور بھی بہت سے ایسے حقائق سے آگاہ ہوں جن سے تم اور باقی سبھی گھر والے ناواقف ہیں۔ میں یہ باتیں اس روز بھی جانتا تھا جس روز تمہاری منگنی ہوئی تھی مگر میں نے جان بوجھ کر یہ باتیں چھپائیں کیونکہ۔۔۔"
"کیونکہ۔" ماہا بہت دکھ اور بے بسی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"کیونکہ۔" انہوں نے تذبذب سے اس کی جانب دیکھا۔ "کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھ پر انگلیاں اٹھائے میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں ماہا! مگر اپنی طرف اٹھی انگلیاں نہیں۔"
"آپ کی طرف کوئی کیوں انگلیاں اٹھاتا۔" اس نے حیرانی سے پوچھا تو وہ جھجکتے ہوئے بولے۔
"پتا نہیں تمہیں معلوم ہے یا نہیں مگر اصل میں امی چاہتی تھیں کہ میں تم سے شادی کروں اور اس سلسلے میں انہوں نے ماموں سے بات بھی کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور تمہاری منگنی تیریز سے کر دی گئی اب اگر تب میں تیریز کی حقیقت بتاتا تو سب سمجھتے کہ میں اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے ایسا کر رہا ہوں اور بس اسی بات نے مجھے کچھ بھی کہنے نہیں دیا۔" ان کا سر جھکا ہوا تھا۔
"میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ میں آپ کو اتنا خود غرض ہرگز نہیں سمجھتی تھی۔"
وہ اٹھی اور بوجھل قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی تھی مگر محتشم بھائی یک دم اس کے سامنے آگئے اور معذرت خواہانہ انداز میں بولے۔
"پلیز ماہا! مجھ سے متنفر مت ہو۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ اس بات کو لے کر میں کس قدر اذیت میں مبتلا رہا ہوں۔"
"میری جگہ اگر ارم آپی ہوتیں تو کیا آپ خاموش رہتے۔" اس نے ایسی نظروں سے ان کی جانب دیکھا جو محتشم کو شرمندہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔
"ماہا۔۔۔" انہوں نے کہنا چاہا مگر اس نے انہیں بات مکمل کرنے نہیں دی۔
"اور کیا آپ انہیں یونہی کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں دھکیل دیتے۔"
"پلیز ماہا۔"
"اور کیا آپ ارم آپی کی شادی تیریز سے کر دیتے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کرتا۔" وہ سرعت سے بولے۔ ماہا خاموش ہوگئی مگر اس کی آنکھوں میں ننھے ننھے جگنو چمک رہے تھے۔

وہ دونوں دیر تک خاموش رہے پھر جب بولے تو ان کی آواز بوجھل تھی۔ ماہا کا سر جھکا ہوا تھا اور کمرے کی مہیب فضا میں ایک حقیقت گونج رہی تھی۔۔۔ تلخ حقیقت۔

☆ ☆ ☆

اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ کنکشن ٹون بالکل درست تھی۔ اس نے کھٹاک سے ریسیور پٹخ دیا۔ پنج سورہ کھولتی امی نے اس کی حرکت کو ناگواری سے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی اس پر نگاہ ڈالی۔

ستا ہوا چہرہ، قدرے مضطرب اور بے تحاشا سرخ آنکھیں اور زرد ہوتی رنگت، اور اس کی یہ حالت وہ اس روز سے دیکھ رہی تھیں جب سے اوکاڑہ سے لوٹی تھیں۔ وہ کسی بے چین روح کی طرح گھر بھر میں چکراتی پھر رہی تھی اور اس کا اضطراب ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

"کیا ہوا ماہا؟" انہوں نے پوچھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی کمرے سے نکلی اور ٹیوب لائٹ کی سفید روشنی میں نہایا، گیلا آنگن عبور کر کے سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

پچھلی رات وقفے وقفے سے بارش برستی رہی تھی۔ کبھی تیز کبھی کن من اور کبھی ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ بھرپور بوچھاڑ۔ موتیا کا پودا جڑ سے اکھڑ گیا تھا امرود کی کچھ کمزور شاخیں ٹوٹ گری تھیں اور پچھلی ساری رات اس نے کروٹیں بدلتے گزار دی تھی حتیٰ کہ اب پہلو میں بھی درد ہونے لگا تھا زین نے ہفتہ بھر سے فون نہیں کیا تھا اور ابو جی بھی موجود نہیں تھے۔ وہ واپڈا کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے۔ جس روز وہ اوکاڑہ سے واپس آئے تھے اسی شام انہیں پنجاب کے کسی دور افتادہ گاؤں میں بھجوا دیا گیا تھا۔ کام کی نوعیت سے وہ ناواقف تھی بس اتنا پتا تھا کہ وہ نہیں ہیں اور ان کے بغیر وہ بہت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ ایک الاؤ تھا جو اندر ہی اندر بھڑک کر اس کے وجود کو خاکستر کر رہا تھا۔

اور یہ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی کہ تبریز علوی کی ساری شخصیت محض جھوٹ کی بنیاد پر کھڑی تھی۔ اس شخص نے ایک نہیں کئی جھوٹ بولے تھے اور وہ برا تھا اتنا برا کہ محض اپنے مفاد کے لیے اس نے اپنے ماں باپ کو مرحوم کہنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی تنہائی کو قدرت کے کھاتے میں ڈالا تھا اور حقیقت اس کے برعکس تھی، خود کو تنہا کرنے میں خود اس کے اعمال کارفرما تھے۔

اس کے گھر والوں نے اس کی غلط حرکات کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ وہ ایک ایسے گروہ سے وابستہ تھا جو ڈل ایسٹ میں لڑکیوں کی ترسیل کا گھناؤنا کاروبار کرتے تھے اور ان کا طریقہ کار بھی نہایت مربوط تھا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی تھی اور یہ لوگ اپنے غلیظ مقاصد میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

"میں کچھ وقت کے لیے خود غرض ضرور ہو گیا تھا ماہا! میں مانتا ہوں کہ میں تم سے بھی لاتعلق ہوا تھا مگر میں سکون سے ایک پل کے لیے بھی نہیں بیٹھا۔ میں کوئی ٹھوس ثبوت چاہتا تھا جس کے ذریعے سب کو اس گھٹیا شخص کی اصلیت دکھا سکوں۔ یہ تصویریں تبریز کی شادی کی ہیں تقریباً چار برس پہلے اس نے اس لڑکی سے شادی کی تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور اس کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ وہ اس قابل نہیں ہے کہ میں بیان کر سکوں اور جس ذرائع سے میں نے تبریز کے متعلق یہ معلومات اکٹھی کی ہیں انہوں نے مجھے کچھ اور شواہد دینے کا وعدہ کیا ہے اس کے ساتھ ہی میں آج کل تبریز کے گھر والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں وہ لوگ کوئٹہ میں رہتے ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتے جو تبریز کے حوالے سے ان سے ملے۔"

اور محتشم بھائی نے اور بھی کئی باتیں کی تھیں وہ اپنی خاموشی کے لیے اس سے معذرت کرتے رہے تھے۔

"اور وہ لڑکی۔۔۔" اس کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔ نجانے بیچاری کس حال میں ہوگی پتا نہیں زندہ بھی ہوگی یا۔۔؟ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اس سے آگے کچھ بھی سوچنا محال تھا اور نجانے کتنی لڑکیاں تھیں جو یوں برباد ہو چکی تھیں اور کتنی تھیں جنہیں مڑ کر اپنا گھر دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی اور اگلی ماہا ہو سکتی تھی۔ شاید اس کے ساتھ بھی وہی ہوتا جو ان لڑکیوں کے ساتھ ہوا۔

"نہیں۔" اس نے زور سے آنکھیں بھینچ کے سر دونوں ہاتھ میں گرا لیا۔ جتنا وہ اس سوچ سے پیچھا چھڑوا رہی تھی اتنا ہی یہ کڑوی سوچ اس کے تعاقب میں چلی آئی تھی۔

خدا کا شکر تھا کہ ساری حقیقت محتشم بھائی کو پتا چل گئی یا یوں کہنا زیادہ مناسب تھا کہ اس نے بے دھیانی میں وہ تصاویر دیکھ لیں۔ ممکن ہے سارے ثبوت مل جانے کے بعد بھی محتشم بھائی خاموش رہتے' حالانکہ وہ اس سے معذرت کر چکے تھے مگر ماہا کے دل میں کانٹا سا گڑا رہ گیا تھا۔ اور اسے زین کے وہ تعریفی کلمات یاد آ رہے تھے جو وہ تبریز کو آئیڈیلائز کیا کرتا تھا۔ وہ تبریز کو کتنے عرصے سے جانتا تھا مگر اس کی شخصیت کا یہ بدصورت پہلو اس سے مخفی رہا تھا آخر کیسے۔

وہ اسے "پیارا" شخص کہا کرتا تھا۔ "کیا خوبصورتی صرف شکل کی اہم ہوتی ہے؟ کیا دل اور کردار کی خوبصورتی بے معنی ہوتی ہے؟" وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ اگر زین تبریز کی اصلیت سے آگاہ ہوتا تو وہ ماہا کے لیے اسے منتخب کرتا اور ابو جی۔۔۔ اوہ۔۔۔ اسے لگا وہ اور اس کے سب گھر والے کسی سحر میں مبتلا تھے جس نے انہیں تبریز کا اصل روپ جاننے ہی نہ دیا۔

ان سب نے بس وہ دیکھا جو سطح پر تھا اور سطح پر چونکہ صرف اچھائی تھی سو گہرائی میں جانے کی کسی نے زحمت ہی نہیں کی اور اب اسے یہ حقیقت سب کو بتانی تھی اور وہ فیصلہ کر چکی تھی مگر ابو جی کا انتظار تھا باہر مضطرب ہوا کھڑکی کے بند دروازے سے ٹکرا رہی تھی۔

اس نے کمرے میں بڑھتی ہوئی وحشت سے گھبرا کر کھڑکی کھول دی۔ دونوں وقت باہم مل رہے تھے چاروں طرف سے سرمئی سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ بادل چھٹ رہے تھے۔ اس نے دو تین گہرے سانس بھر کر اندر کے اضطراب کو باہر نکل جانے دیا۔ مگر اضطراب بڑھ گیا کیونکہ نظر وہاں جا رکی تھی جس کے لیے اس کے دل میں گہرا عناد پڑھ گیا تھا۔

ٹریک سوٹ پہنے تبریز اپنے گھر کے لان میں ایکسرسائز کر رہا تھا اور کیا کبھی ماہا نے ایسا سوچا تھا کہ تبریز علوی جس کی شکل اتنی خوبصورت تھی جو بے حد وجیہہ لگتا تھا اور جس کو افصحہ ماپالو کہا کرتی تھی وہ اتنا برا ہو سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا پھر یک دم ہی ٹھٹھک گئی۔ تبریز علوی دو تین شاپر اٹھائے کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔" اسے دیکھ کر وہ بشاشت سے مسکرایا پھر اس نے شاپر اس کی جانب بڑھا دیے۔ ماہا کی تیوری چڑھ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اور اس کے لب و لہجے میں بے حد سنجیدگی اور سرد مہری تھی۔ وہ چاہ کر بھی مسکرا نہیں پائی تھی۔

"آنٹی نے سلیم سے کچھ سامان منگوایا تھا میں نے اسے کسی کام سے بھجوایا تھا پھر خیال آیا کہ آنٹی کو ان چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے تبھی دینے چلا آیا۔"

ماہا نے اس سے سامان لے کر دروازہ بند کرنا چاہا تھا مگر اچانک تبریز نے ہاتھ رکھ کر روک دیا۔ "باقی پیسے تو لے لیں۔" اپنی الجھن چھپاتے ہوئے اس نے کہا اور جیب سے والٹ نکال لیا ناچار ماہا کو انتظار کرنا پڑا اور وہ جانتی تھی کہ تبریز اس کے رویے پر حیران ہے مگر اس کے چہرے پر پھیلی سرد مہری میں کمی نہیں آئی تھی۔

"آپ خیریت سے ہیں؟" والٹ میں سے پیسے نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جی۔" ماہا نے اختصار سے جواب دیا کیونکہ اس کا دل بالکل بھی بولنے کو نہیں چاہ رہا تھا اور اس شخص نے کیسی مہارت سے اپنے چہرے پر شرافت اور اچھائی کا نقاب چڑھا رکھا تھا۔

"یہ لیں۔" اس نے باقی رقم اس کی جانب بڑھائی۔ ماہا کو اس کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ٹھہری نرمی سے بڑی نفرت سی محسوس ہوئی۔

"اور اگر تمہیں یہ پتا چل جائے کہ میں تمہاری ساری حقیقت سے آگاہ ہو چکی ہوں تو یہ مسکراہٹ بالکل غائب ہو جائے۔" اس نے رقم تبریز کے ہاتھ سے لیتے ہوئے چند ثانیوں میں ہی ایک فیصلہ کیا۔

"آپ ایک منٹ رکیں۔"

وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آگئی اس نے وہ ساری تصویریں جو اب تک کپڑوں کی الماری میں سب سے نیچے چھپا کر رکھی تھیں ایک سفید لفافے میں ڈالیں اور نیچے آگئی۔

"یہ آپ کے لیے۔" نیچے آکر اس نے پہلے سے کچھ زیادہ سنجیدگی سے وہ لفافہ تبریز کی جانب بڑھا دیا۔ تبریز نے تعجب سے اس لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"آپ کے لیے ایک تحفہ۔ گھر جا کر اطمینان سے دیکھیے۔ اس میں بہت خوبصورت چیز ہے آپ یقیناً خوش ہوں گے۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا اور تبریز کی جانب دیکھے بنا اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

طیش کے مارے وہ لرز رہی تھی۔ کچن میں آکر اس نے سامان رکھ دیا اور واش بیسن کے پاس رک کر چہرے پر چھپاک چھپاک پانی کے چھینٹے مارے۔ یہ شخص کتنی آسانی سے ان کی معصومیت اور سادہ لوحی سے کھیلنے چلا تھا۔

"باہر کون آیا تھا ماہا!" امی نے پوچھا۔ اس نے خاموشی سے سامان کی جانب اشارہ کر دیا۔ اس کے اندر ایک لاوا سا ابل رہا تھا مگر امی کا رخ دوسری جانب تھا ورنہ غیض و غضب سے اس کا لال چہرہ ضرور دیکھ لیتیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کون سلیم تھا؟" امی نے سامان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"تبریز تھا؟" انہوں نے اس کی جانب دیکھا۔

"جی۔"

"تو تم نے اسے اندر کیوں نہیں بلایا۔"

"اسے اندر بلانے کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے امی۔ وہ ہمارے گھر میں اب کبھی نہیں آئے گا۔" وہ تلخ کر بولی تھی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے۔" امی نے حیرانی سے کہا۔

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے اور میں پورے ہوش و حواس میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ میں تبریز سے شادی نہیں کروں گی۔"

"ماہا۔ کیا بکواس ہے یہ۔" ان کے ہاتھ سے دیگچی کا ڈھکن چھوٹ گیا۔

"بکواس نہیں ہے یہ۔" وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولی امی نے نہایت غصے سے۔ اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی جانب موڑا۔

"مجھے لگتا ہے تم ابھی بھی نیند میں ہو جا کر منہ دھوؤ۔"

"میں نیند میں نہیں ہوں امی۔" اس نے انگوٹھی اتار کر امی کے سامنے شیلف پر رکھ دی تھی۔ "آپ یہ انگوٹھی تبریز کو واپس بھجوا دیں میں فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ماہا! رشتے ناتے کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتے۔" انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ بے طرح بھڑکی ہوئی تھی۔

"انسانوں کی زندگی کو بچوں کا کھیل بنا دینے والوں کے لیے رشتے بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"ماہا۔"

"امی! ابھی آپ میری بات نہیں سمجھ سکیں گی مگر جب تبریز کی حقیقت پتا چلے گی تو آپ سب کچھ خود ہی سمجھ جائیں گی۔ یہ شخص تبریز جسے آپ اتنا اچھا سمجھتی ہیں یہ اتنا اچھا ہرگز نہیں ہے۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں کہہ سکتی ہوں کیونکہ۔" وہ ایک دم خاموش ہو گئی کیونکہ اس سے آگے وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ غصے میں اس نے بہت بڑی حماقت کر لی تھی۔ وہ تصویریں تبریز کو دے کر اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک واضح ثبوت گنوا دیا تھا اور اس ثبوت کے بغیر کچھ بھی کہنا بے سود تھا کیونکہ سب کے سامنے تبریز کا ایک بہتر کردار موجود تھا اور جسے وہ لوگ تقریباً سال بھر سے پڑھتے آ رہے تھے۔ مگر خیر محتشم بھائی کے پاس ابھی ثبوت موجود تھے اور ان کے ذریعے سب کو قائل کیا جا سکتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ امی اس کی بات پر یقین نہیں کریں گی صرف ابو تھے جنہیں وہ اپنی بات موثر طریقے سے سمجھا سکتی تھی۔ امی اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ میری بات نہیں سمجھیں گی اور شاید میں بھی آپ کو نہیں سمجھا سکوں گی لیکن یہ طے ہے میں تبریز سے شادی کسی صورت نہیں کروں گی۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا اور امی کو حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل گئی اس وقت فون کی بیل بجی اس نے فون اٹھالیا۔

"ہیلو۔ ماہا! میں تب۔" اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا اور اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ جانتی تھی کہ تبریز اب اسے جھوٹی وضاحتیں دے گا۔

یقیناً یہ بات اس کے لیے پریشانی کا باعث ہوگی کہ اس کی شادی کی تصویریں ماہا کے پاس کیسے آگئیں اور یقیناً وہ اپنی بازی کے پلٹ جانے پر حیران ہوگا۔ اس کے تصور میں بار بار تبریز کی گھبرائی ہوئی شکل آرہی تھی اور اس روز بار بار فون کی گھنٹی بجتی رہی تھی اور خاموش ٹیلی فون کالز آتی رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ماہا! فصیحہ کا فون ہے۔"

کورے کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے اس نے امی کی آواز سنی تو سب یونہی چھوڑ کر وہ نیچے آگئی۔

دادو جی کے پاس تبریز بیٹھا تھا وہ پل بھر کو ٹھٹھکی پھر اپنی کیفیت پر قابو پاتی اس کے پاس سے گزر کر کمرے میں چلی گئی۔ اسے فصیحہ سے بات کرنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ٹیلی فون اسٹینڈ دروازے کے عین سامنے تھا اور دروازے کے باہر ہی تبریز کرسی پر بیٹھا تھا۔

ماہا نے اپنے اردگرد اس کی نظروں کو محسوس کیا تھا اور یہ بات اسے سخت الجھن میں ڈال رہی تھی دادو جی اور امی کی پروا کیے بغیر وہ بار بار ادھر دیکھ رہا تھا اس نے جیسے تیسے بات ختم کی ہی تھی کہ امی جی اندر آگئیں۔ وہ کچھ بے چین سی لگ رہی تھیں۔

"تبریز کے سامنے کچھ بھی اول فول بکنے کی ضرورت نہیں۔" غیر محسوس انداز میں اس کے قریب رکتے ہوئے امی نے سخت لہجے میں اسے تنبیہہ کی تھی وہ دانت پیس کر رہ گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے دھکے مار کر باہر نکال دے۔

"یہاں بیٹھنے کا شوق بھی کسے ہے۔" وہ کمرے سے نکلی اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

ایک عجیب سا دکھ تھا جو دل کے اندر ہی اندر کسی تاریک گوشے میں منہ چھپائے سسک رہا تھا اور ایک خالی پن تھا جس نے اس کے اطراف میں ڈیرہ جما رکھا تھا۔ لایعنی بے چینی جو رگوں میں اتر کر محض تشنگی کا احساس دلا رہی تھی۔ کوئی منجلا ہارن پر ہاتھ رکھے فراموش کر بیٹھا تھا اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے ٹریفک کا اژدحام تھا اور چمکیلی زرد دھوپ طرح طرح کی آوازوں اور دھوئیں کے مرغولوں سے کثیف ہو چلی تھی۔

نجانے اس نے کتنا وقت یونہی کھڑے گزار دیا تھا اور نجانے اس کی مطلوبہ بس ابھی آئی ہی نہیں تھی یا آکر گزر چکی تھی۔ اس کے آس پاس اپنی اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں کھڑے چہرے بدل چکے تھے یا شاید وہی تھے مگر ہر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

چہرہ حیرت بھرا تھا یا شاید اسے ہی ایسا لگ رہا تھا۔ اسے یاد آیا وہ تو یہاں نمبر سلپ لینے آئی تھی مگر سلپ ابھی ملنے میں کچھ وقت تھا وہ بے سبب ہی باہر نکل آئی۔ سلپ تو کسی اور روز بھی لی جا سکتی تھی۔ اور اب اسے بس کا انتظار تھا جو آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اس نے سر جھٹکا اور پھر سے سوچنے لگی۔ آخر وہ تبریز کے لیے اس قدر دلگرفتہ کیوں تھی؟ اس نے امی کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ بس پڑی ہوئی تھی مگر یہ دکھ اور یہ کسک؟ شاید وہ اسے پسند کرنے لگی تھی۔ کاش وہ اچھا ہوتا اور ایسا نہ ہوتا جیسا کہ وہ تھا اور وہ کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھی۔ اس کا ذہن و دل ایک دم خالی ہو چکا تھا۔ الف جو کہتی تھی کہ پسند محبت کی جانب پہلا قدم ہوتا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس کا پہلا قدم ہی پھسلا تھا دوسرے کی اب گنجائش تھی اور نہ ہی ضرورت۔ مگر وہ چاہ کر بھی اسے فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر اسے نہ سوچنے پر قادر بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ اور یہ بے بسی اسے ہولائے دے رہی تھی۔ اس نے زور سے سر جھٹکا اور اپنے تئیں ان سب باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی تب ہی اسے آس پاس مانوس سی خوشبو کا احساس ہوا۔ غیر ارادی طور پر اس نے سر اٹھایا اور وجاہت اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"تھینک گاڈ! آپ نے میری طرف دیکھا تو سہی ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ شاید آپ اب بھی یہاں سے بھاگ جائیں گی۔" لہجہ اگرچہ مہذب تھا مگر طنز کی گہری کاٹ لیے ہوئے۔ پروقار سراپا، بے حد چمکدار آنکھیں اور ہلکی سی بڑھی ہوئی داڑھی کا سرمئی سا رواں وہ شاندار لگ رہا تھا اور اب تک یقیناً اپنی انہی خصوصیات سے فائدہ اٹھاتا آ رہا تھا۔ ماہا نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"کیا ہم کہیں آرام سے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔"

اس کے لہجے میں گزارش نہیں بلکہ عجیب سی دھونس تھی جو ماہا کو مزید ناگوار گزری۔

"ہمارے درمیان اب بات کرنے لائق کچھ بھی نہیں بچا۔" وہ حد درجہ خود اعتمادی اور بے نیازی سے بولی۔

"یہ آپ کا خیال ہے۔" وہ سرعت سے بولا۔ "ابھی بھی ہمارے درمیان ایسا بہت کچھ ہے جسے ڈسکس کیا جانا ضروری ہے۔ فون پر آپ میری آواز سنتے ہی پٹخ دیتی ہیں گھر جاؤں تو آپ شکل دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔ اب بتائیے جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ کیسے کہوں؟"

"اب کچھ کہنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ فیصلہ تو ہو چکا۔" وہ پھر تڑخ کر بولی۔

"میں کسی یک طرفہ فیصلے کو نہیں مانتا۔ لوگ خوامخواہ کونشس ہو رہے ہیں مجھے اپنی نہیں صرف آپ کی پرواہ ہے چلیے کہیں چل کر۔ وہاں سامنے میری کار کھڑی ہے آئیے میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں راستے میں بات کر لیں گے۔"

"ارے۔ واہ جب کہہ دیا کہ نہیں جانا تو نہیں جانا۔ نہ کریں آپ میری پرواہ۔ بس اتنا احسان کریں کہ یہاں سے چلے جائیں۔ پتا نہیں کیوں عذاب کی طرح مسلط ہیں۔ چاہتے کیا ہیں آخر آپ؟" اس کا لہجہ حد درجہ گستاخ تھا۔

"یہ بھی بتاؤں گا اور یہ بھی پوچھوں گا کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ آپ میرا اور میرے گھر والوں کا پیچھا چھوڑ دیں۔"

"میں اپنی چیزوں سے دستبردار نہیں ہوا کرتا۔" وہ بہت دیر بعد بولا۔ ماہا کو اس کے انداز گفتگو نے دنگ کر دیا تھا۔ اف خدایا اتنا استحقاق۔

"میں چیز نہیں ہوں۔" وہ چبا کر بولی۔

تبریز علوی نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے ہو۔

"تو پھر ٹھیک ہے یہی بات تمہیں اپنے پیرنٹس سے کہنی ہوگی۔ میں کسی کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مجھے قربانی کے بکرے کی طرح استعمال کرے۔" ماہا کا خون کھولنے لگا۔

"میں امی جی کو بتا چکی ہوں ابو جی کو بھی بتا دوں گی۔"

"تم نے جو بتایا ہوگا میں اس سے واقف ہوں۔ ہیشہ تھروپر اپر چینل کام کیا ہے میں نے پیچھے ہٹنے کے بھی کوئی طور طریقے ہوتے ہیں تم ابھی میرے ساتھ چل کر آنٹی کو اصل حقیقت سے آگاہ کرو۔"

"تھروپر اپر چینل۔۔۔ ہاں۔" اس نے نفرت سے اسے دیکھا۔

"پہلا شخص دیکھا ہے جو اپنی پول خود کھولنے کو بیتاب ہے۔ تمہاری ساری "پراپر چینل ایکٹویٹیز" جان چکی ہوں۔ اب امی کو ثبوت دکھاؤں گی۔"

"اگر تم آنٹی کو مجھ سے متنفر کرنے کی کوشش کرو گی تو ناکام رہو گی میں ابھی اور اسی وقت اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا تم میرے ساتھ چلو۔" اس کے لہجے میں بے حد سختی تھی۔ ماہا بدک کر پیچھے ہوئی۔

"آخر کیوں تم میری جان کے پیچھے پڑے ہو۔ میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ۔" اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ ارد گرد کے لوگ ٹھٹھک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"فار گاڈ سیک ماہا! کنٹرول یور سیلف۔" خفت زدہ نظروں سے اطراف میں دیکھتے ہوئے اس نے برہمی سے کہا۔ مگر وقت گویا ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" تبریز کے عقب سے اس نے کسی کو اس کا کالر پکڑ کر کھینچتے دیکھا پھر اس تگڑے سے شخص نے خونخوار نظروں سے تبریز کو دیکھتے ہوئے ماہا سے پوچھا۔

"دیکھو۔ یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔" اس نے تبریز کو اپنا کالر چھڑوانے کی کوشش میں ناگواری سے کہتے سنا۔ ان کے ارد گرد لوگ اکٹھے ہونے لگے تھے۔

"اوئے باؤ! لڑکی کو ڈرا کر کون سے معاملے طے کرتے ہیں۔" ایک دوسرے نے کہا۔ پہلے نے تبریز کے کالر کو بری طرح جھٹکا دیا معاملہ سنگین ہو چلا تھا۔ ماہا کی ٹانگیں بری طرح کانپنے لگیں۔

"تم جیسے لفنگوں سے نمٹنا آتا ہے ہمیں۔ کیوں بیٹا! جانتی ہو اسے۔" کوئی اس سے مخاطب تھا بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ سیاہ چادر میں ماہا کی رنگت بے طرح زرد ہو گئی۔ وہ سوال پر بری طرح سٹپٹائی پھر بے اختیار زور سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔" اس نے بمشکل تھوک نگلا اور بھیڑ کو چیرتی باہر نکل گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ماہا۔" تبریز نے بے یقینی سے اسے مدد کے لیے پکارا تھا مگر کرارے تھپڑ کی آواز میں اس کی آواز دب گئی۔ متغیر صورت اور بے تحاشا دھڑکتے دل کے ساتھ وہ رکی ہوئی بس میں آ گئی۔ وین چل پڑی تو گردن موڑ کر اس نے بیک اسکرین سے دیکھا۔ تبریز کو وہاں کئی لوگ پیٹ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

اور جو باقی اندوملال تھا وہ گھر آنے تک جاتا رہا مگر فون پر ابو کی آواز سن کر بے اختیار رو سی ہو گئی۔

"آپ واپس کیوں نہیں آتے؟" ایک تو وہ یاد بہت آ رہے تھے زندگی میں پہلی بار تو اتنے دن ان سے دور رہنے کا اتفاق ہوا تھا پھر دل کا بوجھ بھی تو ہلکا کرنا تھا۔ امی جی تو اس کی کوئی بات سن نہیں رہی تھیں بلکہ اس روز کے بعد سے ان کے انداز میں عجیب طرح کی لاتعلقی در آئی تھی جو ماہا کو مزید بے چین کرنے کے لیے کافی تھی۔ آنسو آپوں آپ پلکوں سے موتیوں کی طرح جھڑنے لگے۔

"ماہا۔ میری جان۔" وہ بے چین ہو اٹھے خود بھی تو کس قدر اداس تھے اس کے لیے۔

"رو مت میری جان۔ اچھا میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔"

"کتنی جلدی۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ "اور آپ کی آواز کو کیا ہوا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔"

"ہاں، ہاں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے بس یہاں کام کا لوڈ کچھ زیادہ ہے۔ تھکاوٹ ہو جاتی ہے آرام کرنے کا وقت زیادہ نہیں ملتا اس لیے آواز کچھ بھاری ہو رہی ہے۔ تم سناؤ پڑھائی تو ٹھیک ہو رہی ہے ناں اور زیادہ ٹینشن لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ تمہارے پیپرز بہت اچھے ہو جائیں گے۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں پریشان ہوں؟" وہ اس کی بات سن کر دھیرے سے ہنسے تھے۔

"میری جان پریشان ہو اور مجھے خبر ہی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"اچھا بتائیں کہ آپ کب واپس آ رہے ہیں مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو میں سن رہا ہوں۔"

"نہیں ایسے نہیں۔" اس نے پل بھر کو سوچا۔

"آپ واپس آ جائیں ہم پھر بات کریں گے۔"

"ارے ایسی کون سی بات ہے جو سامنے بیٹھ کر کی جانی ضروری ہے۔" وہ شرارت سے گویا ہوئے۔

"بس ہے ناں ایک بات تو پھر آپ کب واپس آ رہے ہیں۔" اس کے زور دینے پر انہوں نے جمعرات یا جمعہ تک آنے کا وعدہ کر لیا۔ ریسیور رکھتے ہوئے اس نے انگلیوں پر حساب لگایا آج ہفتہ تھا اور جمعرات آنے میں ابھی کافی دن باقی تھے۔

"ماہا۔" امی نے اسے پکارا تو وہ ان کے پاس جا بیٹھی۔ وہ دال صاف کر رہی تھیں۔

"تم نے اپنے ابو سے کیا بات کرنی ہے؟"

"آپ جانتی ہیں۔" وہ نظریں چرا گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"نہیں میں نہیں جانتی۔" ماہا لمحہ بھر کو خاموش رہی امی کی سنجیدگی اسے وسوسوں میں ڈال رہی تھی۔ پھر دل کڑا کر کے بولی۔

"میں ایسے کہوں گی کہ میں تبریز سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"اور جیسے وہ تو تمہاری بات مان لیں گے۔" امی نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر جیسے اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے بولیں۔ "تبریز بہت اچھا لڑکا ہے ماہا! وہ تمہیں۔۔۔"

"یہی تو مسئلہ ہے امی! آپ لوگوں کو اس کی اچھائی کے آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دیکھتا۔ کاش آپ میری نظروں سے دیکھ سکتیں اور میرے ذہن سے سوچ سکتیں۔"

"معاف کرو مجھے تو۔ تمہاری نظریں اور دماغ تو صرف الٹا ہی فیصلہ کروایا کرتی ہیں۔ خدا جانے کیا خناس بھرا ہے دماغ میں ایک بات میری کان کھول کر سن لو شادی تو تمہاری تبریز سے ہی ہو گی۔"

"شہر کے باقی لڑکے مر گئے ہیں یا صرف ایک وہی "اچھا" بچا ہے۔" وہ تلملا گئی۔

"اور کیا میں آپ لوگوں کے لیے اتنی بھاری ہو گئی ہوں۔"

"ماہا۔۔۔" امی حیرت اور پریشانی سے اس کی "بکواس" سن رہی تھیں۔

"اور ایک بات آپ بھی میری سن لیں۔ تبریز سے تو میں کسی صورت شادی نہیں کروں گی اور اگر آپ سب نے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔ تو میں گھر سے ہی بھاگ جاؤں گی۔" وہ ہٹیلے انداز میں کہتی باہر نکل گئی۔

✵ ✵ ✵

کالج گیٹ کے عین سامنے تبریز علوی کو اپنے انتظار میں کھڑا دیکھ کر وہ بری طرح حیران ہوئی تھی ساتھ ہی ناگواری کی شدید ترین لہر نے اس کے تاثرات کو سخت کر دیا تھا۔ اچھی خاصی تھرڈ ایئر کی نتاشا کے "مغلی ٹھمکوں" کو دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھی جب حاجرہ آنٹی نے اسے کامران بھائی کی آمد کی اطلاع دی۔

آج فیئرویل پارٹی تھی اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ایسے میں حاجرہ آنٹی نے اسے کیسے ڈھونڈ نکالا یہ بات فہم سے باہر تھی۔ حاجرہ آنٹی کالج کے ورکرز میں سے تھیں اور چونکہ ماہا کچھ جانی پہچانی لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی سو وہ اسے جانتی تھیں۔

کامران بھائی کی یہ آمد غیر متوقع تھی ماہا کے حساب سے اس وقت انہیں چیچہ وطنی میں ہونا چاہیے تھا جہاں سے فون کر کے انہوں نے اپنے باپ بننے کی خوشخبری سنائی تھی۔ امی اور دادو جی بے حد خوش تھیں اور جلد از جلد پوتے کی شکل دیکھنے کو بیتاب مگر چونکہ ماہا کو یہ فنکشن اٹینڈ کرنا تھا سو طے یہ ہوا تھا کہ اس کے کالج سے لوٹتے ہی یہ لوگ روانہ ہو جائیں گے۔

افصحہ کو بتا کر جو پوری طرح سے اسٹیج کی جانب متوجہ تھی وہ باہر آ گئی اور یہاں اپنی گرے سوک کے ساتھ کمر ٹکا کر کھڑے تبریز کو دیکھ کر اس کی طبیعت بری طرح مکدر ہو گئی تھی۔

"اس مکار شخص کی جگہ میں ہوتی تو کبھی مڑ کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتی اور یہ پھر سے ٹپک پڑا ہے۔" اس نے دانت کچکچاتے ہوئے سوچا اور ابھی وہ واپس جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ تبریز اس کے قریب چلا آیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں آپ کو لینے آیا ہوں۔" ماہا اس کی بات سن کر دم بخود رہ گئی۔

"اس دن کا سبق ابھی بھولے تو نہیں ہوگے؟" صبیح پیشانی پر کئی شکنیں پیدا ہوئی تھیں۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے یہاں بار بار آکر اپنی عزت افزائی کروانے کا اور اگر خدیجہ آنٹی نے مجھ سے ریکویسٹ نہ کی ہوتی تو میں کبھی آپ کو لینے نہیں آتا۔" بے بس لہجہ جھنجلاہٹ بھرا انداز ماہا چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"رمشا بھابھی کی طبیعت بہت خراب ہے ایمرجنسی میں انہیں شیخ زید میں ایڈمٹ کروانا پڑا۔ آنٹی نے اسی لیے مجھے آپ کو لینے بھیجا ہے۔ بیٹھیں۔" خفا خفا سے اطوار کے ساتھ اس نے بڑھ کر کار کا دروازہ کھول دیا۔ ماہا کی نگاہوں میں بے یقینی سمت آئی۔

"آپ جھوٹ تو نہیں بول رہے۔" تبریز نے اضطراری انداز میں مٹھیاں بھینچ لیں اور پھاڑ کھانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا میں آنٹی سے جاکر کہہ دوں کہ آپ میرے ساتھ نہیں آنا چاہتیں۔" ماہا سٹپٹا کر کھلے دروازے میں سما گئی۔ چند لمحوں کے توقف سے تبریز نے گاڑی آگے بڑھائی۔

ماہا گود میں رکھے ہاتھ مسلنے لگی اسے رہ رہ کر رمشا بھابھی کا خیال آرہا تھا اور پھر وہ ننھا سا وجود بے اختیار اس کے دل سے دونوں کے لیے دعا نکلی۔ ساتھ ہی اس نے درزدیدہ نظروں سے تبریز کی جانب دیکھا اس کی تمام تر توجہ ونڈ اسکرین سے باہر کی جانب تھی۔ شیو بڑھ کر داڑھی کی صورت اختیار کر چکی تھی اور اس کے چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی وہ کسی بھی طور بات چیت کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا رمشا بھابھی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے؟" ماہا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ تبریز نے ایک نظر اس کے متفکر چہرے پر ڈالی پھر اس کے تاثرات میں ذرا کی ذرا تبدیلی آئی تھی۔

"زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بس آپ دعا کریں انشاء اللہ رمشا بھابھی کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ قدرے نرمی سے گویا ہوا تھا۔ مگر وہ اس بے چینی کا کیا کرتی جو دل کے ساتھ ساتھ دھڑک کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ رمشا بھابھی کا چہرہ بار بار نگاہوں کے سامنے آرہا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہوگا؟ اور نجانے کتنی ایمرجنسی میں انہیں ہسپتال لے جانا پڑا ہوگا۔" وہ بے اختیار ہی آنکھیں بھینچ کر دعا کرنے لگی۔ "پلیز اللہ جی' رمشا بھابھی کو کچھ نہ ہو وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں"۔ اسے عجیب وغریب وہم ستا رہے تھے اور کامران بھائی یاد آرہے تھے" وہ کتنی محبت کرتے تھے بھابھی سے اور وہ چھوٹا سا وجود' اف اللہ جی! میں اتنی بڑی ہوں مگر امی جی سے زیادہ دیر کے لیے دور نہیں رہ سکتی اگر خدانخواستہ رمشا بھابھی کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔ پلیز اللہ جی۔ انہیں ٹھیک کر دیں کتنے خوش تھے کامران بھائی جب انہوں نے فون کیا تھا اور۔۔۔ ہاں۔۔۔"

دھیان کی چوکھٹ پر کھٹ سے ایک خیال آگرا تھا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے دھول اڑاتی سڑک اور اطراف میں بھوری مٹی کا دھواں' اسے سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہوئی۔ کچھ غلط ہو جانے کا احساس بہت شدید تھا۔

رمشا بھابھی تو اپنے امی ابو کے گھر گئی ہوئی تھیں اگر ان کی طبیعت خراب ہوئی بھی تھی تو اتنی جلدی لاہور پہنچنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ممکن نہ تھا۔ کڑی سے کڑی جڑی تو ساری بات واضح ہوتی چلی گئی۔

"تم۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔" اس نے ہراساں نظروں سے اسے دیکھا وہ دانتوں پر دانت جمائے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ کہاں جا رہے ہیں ہم۔"

"ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔" اس نے کہا لیکن اس کے لہجے میں سچائی کا شائبہ تک نہ تھا۔

"جھوٹ۔ بکواس۔" تنفر اس کی رگوں میں بہنے لگا تھا کار کچے رستے پر بدکی ہوئی گھوڑی کی طرح بھاگ رہی تھی۔ دھول میں اٹے ہوئے مناظر تیز رفتاری سے پیچھے کی جانب بھاگ رہے تھے۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسے فیصلہ کرنے میں پل ہی لگا۔ کچھ تو ہو گا آریا یار۔ اس نے کڑے دل کے ساتھ سرعت سے اپنی جانب کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اس سے بھی کہیں سرعت سے تبریز نے اسے کھینچ لیا تھا۔

"مجھ سے یہ توقع مت رکھنا کہ تمہاری حماقتوں کو میں معصومیت سمجھ کر اگنور کر دوں گا۔" اس کے لہجے اور گرفت میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ ماہا کو اس کی انگلیاں اپنی بازو میں دھنستی محسوس ہوئیں۔

"تم انتہائی گھٹیا اور کمینے شخص ہو۔" وہ اپنی بازو اس کی گرفت سے آزاد کرنے والے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔

"بس بہت ہو چکا اور بہت سن لی میں نے تمہاری بکواس۔" تبریز نے اسے جھٹکا دیا تھا اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا درد کی شدید لہریں اٹھی تھیں۔

"اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔" ایک ہاتھ پیشانی پر رکھے اس نے تبریز کو کہتے سنا ساتھ ہی ایک مضبوط ہاتھ عقب سے اس کے منہ پر آ ٹھہرا اس نے بوکھلا کر سر ادھر ادھر پٹخا مگر نہایت ناگوار بو نتھنوں میں گھستی چلی گئی۔

"یہ تو گئی کام سے اب کیا کرنا ہے۔" ہوش و خرد سے بیگانہ ہونے سے قبل اس نے بس یہی آواز سنی تھی۔

☼ ☼ ☼

کسی شدید بوجھ تلے اس کی آنکھ کھلی چھت دھیرے دھیرے نیچے آ رہی تھی دیواریں کھسک کھسک کر قریب ہونے کی کوشش کر رہی تھیں وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"اف۔" بڑی زور سے چکر آیا تھا اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ گول گول گھومتے در و دیوار اور سانس میں اٹکی ہوئی ناگوار بو کا تلخ سا احساس' خود پر بیتا واقعہ یاد کرنے میں اسے کچھ پل لگے اور بس یہی پل پرسکون تھے۔ وہ یوں ہڑبڑا کر بیڈ سے اتری تھی جیسے نرم سے بستر پر یکدم نوکیلے کانٹے اگ آئے ہوں اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اطراف میں دیکھا۔

سادگی سے سجے بیڈ روم کا منظر سامنے تھا۔ بیڈ' سائیڈ ٹیبل پر پڑا نفیس سا لیمپ' صوفہ' ٹی وی' دیواروں پر لگی مختلف مناظر کی دو ایک تصویریں' ساکت چھت اور کسی بھی حرکت سے عاری بے حس دیواریں۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا مگر رک رک کر۔

بے ساختہ ہی دروازے کا ہینڈل گھما ڈالا مگر وہ لاکڈ تھا اندر کی جانب کوئی چٹخنی بھی نہیں تھی اس نے بے بسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے شدید احساس تلے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔ کلائیوں میں بھری چوڑیاں بری طرح چھنچھنی تھیں۔ وہ زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔

غم، غصہ، خوف، کیا نہیں تھا جو اس کے اندر اتھل پتھل مچا رہا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ تبریز علوی برا ہے؟ کیا اسے خبر نہیں تھی کہ وہ بے اعتبار ہے؟ پھر وہ اس پر کیوں اعتبار کر بیٹھی۔ کیوں اس کے جھوٹے لفظوں پر ایمان لے آئی۔ شاید کہیں ابھی بھی وہ اس سے اچھائی کی امید لگائے بیٹھی تھی اور اب ہر امید ختم ہو گئی تھی۔ وہ اس کی مکاری کی انتہا دیکھ چکی تھی اور برائی کی انتہا دیکھنا باقی تھی۔ وہ اپنی چالاکی کے جال میں پھانس کر اسے یہاں لے آیا تھا اور اب وہ بے بس تھی اور مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھی۔ جو شخص اسے یہاں تک لا سکتا تھا۔

وہ اس کے ساتھ اور کیا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کسی خیال سے چونک کر خود پر نگاہ کی۔ بوسکی کی ہلکے بھورے رنگ کی چادر اس کے مخصوص انداز میں اس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ بس کنارا سر سے لڑھک کر کندھوں تک آ گیا تھا۔ بال کچھ بکھر گئے تھے۔ داہنے کان کا بندا بغیر ہک کے جھول رہا تھا۔ دونوں کلائیوں میں بھری کچھ چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

اسی پل دروازے کے دوسری جانب کسی ہلچل کا احساس ابھرا تھا پھر لاک کھولنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔ چادر کو کچھ اور مضبوطی سے لپیٹ لیا اور آنے والا وہی مکروہ دل کا مالک کا تھا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ماہا کے ڈرے سہمے وجود پر ڈالی تھی پھر میز کے قریب جا کر پینٹ کی جیبیں خالی کرنے لگا تھا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" اس نے دل کو تسلی دیتے ہوئے پوچھا مگر وہ اپنے کام میں یوں مگن رہا گویا سنا ہی نہ ہو۔ میز پر مختلف چیزیں رکھی جا چکی تھیں۔ موبائل فون، ننھا سا لائٹر، سگریٹ کی ڈبیا اور ــــ ماہا کا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔ ان چیزوں میں چھوٹے سائز کا اسٹائلش سا ریوالور بھی تھا۔ مارے خوف کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"بابا کھانا لے آیئے۔" اس نے تبریز کو دروازے کی جانب جاتے اور دروازہ کھول کر آواز لگاتے سنا۔ اس کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنی شرٹ کی آستین کے بٹن کھولنے لگا۔ بے بسی کے شدید احساس میں اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں۔

"آخر تم میری بات کیوں نہیں سن رہے۔" ہر طرح کے خدشے سے بے نیاز ہو کر روتے ہوئے وہ بے ساختہ چلائی تھی۔ "مجھے گھر جانا ہے، ابھی اور اسی وقت۔"

"شٹ اپ۔ آئی سے جسٹ شٹ اپ۔" تبریز نے بہت درشتی سے اس کی بات قطع کی۔ ماہا کے حلق میں کانٹے اٹک گئے، بولا ہی نہیں گیا۔

"مجھے اونچی آواز میں بات کرنے والے لوگ نہایت برے لگتے ہیں اور اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" نفرت، حقارت، بے رحمی ــــ اس کے لہجے میں وہ سب کچھ تھا جو کسی بھی انسان کو خوفزدہ کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ تو پھر اس کے رحم و کرم پر پڑی ایک کمزور لڑکی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میلا سا کرتا اور تہمد باندھے بوڑھا بابا کھانے کی ٹرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیے اندر آیا تھا۔ تبریز دروازے سے ہٹ کر میز پر ٹرے رکھنے کے لیے جگہ بنانے لگا۔ دیوار کے ساتھ لگ کر آنسو بہاتی ماہا کے ذہن میں یکدم ایک کوندا سا لپکا تھا۔ کھلا دروازہ خالی ہو چکا تھا اور وہ دونوں آپس میں کوئی بات کرنے لگے تھے۔ ماہا کے پاس فقط یہی چند لمحے تھے۔ اس نے محتاط نظروں سے ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے غیر محسوس انداز میں نیم وا دروازے کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ وہ دھیرے دھیرے کھسک رہی تھی۔ خوف سے بھرا ہوا دل' لرزتی ہوئی ٹانگیں' ابھی کچھ ہو جاتا تو ٹھیک ورنہ اس کے بعد اس نے ایک پل کو آنکھیں بھینچ کر خود کو کسی بھی نتیجے کے لیے تیار کیا۔

ادھر تبریز جگہ بنا کر سیدھا ہوا ادھر وہ کمرے سے باہر تھی۔ وہ پوری طاقت سے بھاگی تھی مگر تبریز نے چار قدموں پر اسے جالیا۔

"تمہیں عزت راس نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" چٹاخ' چٹاخ آوازوں کے ساتھ لگاتار چار طمانچے اس کے نازک گالوں پر پڑے تھے۔ ہاتھ تھایا آہنی زنجیر اس کی چیخیں نکل گئیں۔

وہ تقریباً" اسے گھسیٹتا ہوا واپس کمرے میں لایا تھا۔ لکڑی کے صوفے کو ٹھوکر مارتے ہوئے اسے بیڈ پر پٹخ دیا۔ وہ اوندھے منہ گری تھی۔

"اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دوں گا۔ ابھی تو اپنی توہین کا خراج وصول کرنا ہے' عزت اور ذلت کے مابین فرق سمجھانا ہے تمہیں۔"

اس کے لہجے میں کسی درندے کی سی غراہٹ تھی اور آنکھوں میں گویا خون اترا ہوا تھا۔

"اپنوں کی نفرت سہنا کیسا تکلیف دہ کام ہے' یہ تمہیں اب معلوم ہو گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ماہا سعید احمد! یہاں سے جاتے ہوئے تم اتنی ذلت سمیٹ کر جاؤ گی کہ کبھی خود سے بھی نظریں نہ ملا سکو گی اور پھر تمہیں پتا چلے گا کہ خود سے محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں نفرت اور بے اعتباری دیکھنا کیسا لگتا ہے۔ میرا وعدہ ہے تم سے۔ تم کبھی اپنوں سے نگاہ نہیں ملا پاؤ گی۔"

وہ بے رحمی سے بول رہا تھا اور رواں رواں گویا انگارہ بن چکا تھا۔ ماہا نے اپنے دل کو ایسے خزاں رسیدہ پتے کی طرح محسوس کیا جو بچھڑی ہوئی سرد ہوا سے لرزتا ہے۔

تبریز کے کمرے سے نکلتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی قسمت میں اب صرف رونا ہی رہ گیا تھا۔

پھر جانے کتنا وقت یونہی بلکتے گزر گیا۔ آنکھیں خشک ہونے لگیں مگر ایک کے بعد ایک واہمہ اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وارد ہونے والا نیا خدشہ اسے کرب و پریشانی کی انتہا پر پہنچا رہا تھا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تو سر غیر ارادی طور پر اٹھ گیا۔ تبریز تھا' خوف کا سایہ لہرایا۔

"کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" اس نے ایک نظر میز پہ اور پھر اچٹتی ہوئی سی نظر اس پر ڈال کر پوچھا۔ ماہا کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا اٹک گیا۔

"بہتر ہے کھا لو' تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ ابھی تمہیں بہت دن یہاں رہنا ہے۔" وہ برف جیسے ٹھنڈے لہجے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہا تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ "نہیں رہنا میں نے یہاں۔ مم۔۔۔ مجھے واپس چھوڑ آؤ۔" اس کے لہجے میں اب پہلی کی سی بات نہ تھی بلکہ کچھ کچھ گھبرائی ہوئی' بوکھلاہٹ زدہ تھی۔ تبریز نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ماہا نے اسی سرعت سے نظر جھکالی۔ محض ایک لمحے کے تصادم نے رگوں میں برف کی سی سنسنی اتار دی تھی۔ اتنی خوفناک آنکھیں' اس قدر خونخوار کر دینے والی' اس کی روح تک لرز گئی۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" تبریز نے اچانک کہا۔

"میں۔" وہ خوش گمانی میں گھر کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں' میں تمہیں چھوڑ آؤں گا مگر اس سودے کی کچھ قیمت تو تمہیں ادا کرنی ہی پڑے گی۔" معنی خیز لہجہ' ماہا جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

"کک۔۔۔ کیسی قیمت۔" اس کے حلق سے بدقت آواز نکلی۔ تبریز نے جھک کر لائٹر سے سگریٹ سلگایا اور دھواں پھیلاتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا جیسے نظروں ہی نظروں میں تول رہا ہو۔ عجب وحشت سے اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ پھوٹ نکلا۔ نظریں اٹھ کر نہ دیں' تب ہی تبریز نے صوفے کی سائیڈ دراز سے نکال کر ایک نفیس سا لیٹر پیڈ اور پین اس کی جانب اچھال دیا۔

"لکھو اپنے پیرنٹس کے نام۔

یہ کہ تم نے اپنی مرضی سے گھر چھوڑا ہے کیونکہ تم میرے بجائے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور یہ کہ۔۔۔"

"میں یہ نہیں لکھوں گی۔" وہ گھبرا کر بے ساختہ بولی۔ تبریز نے صوفہ کی بیک سے سر اٹھا کر پھر ایک کٹیلی نظر اس پر ڈالی اور دوبارہ سر ٹکا لیا۔

"لکھنا تو بہرحال تمہیں پڑے گا کیونکہ میری بات ماننے کے سوا تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔" سرد' بے مہر اور دو ٹوک لہجہ۔

"آج نہیں لکھو گی تو کل لکھو گی' کل نہیں تو پرسوں لکھو گی' پرسوں بھی نہیں تو اس کے بعد لکھو گی۔ بہرحال کسی نہ کسی دن تو لکھو گی مگر یاد رکھنا' تم لکھنے میں جتنی تاخیر کرو گی' اتنا ہی خود کو اپنے گھر سے اور گھر والوں سے دور کرتی جاؤ گی۔" اس نے فطرت کے عین مطابق ہاتھ لیٹر پیڈ کی جانب بڑھانے میں جلدی کی مگر ہاتھ رک گیا۔

اس نے ہراساں نظروں سے لاتعلق بیٹھے اور دھواں پھیلاتے تبریز کو دیکھا۔

"میں کیسے یقین کروں کہ یہ لکھ کر دینے کے بعد تم چھوڑ آؤ گے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مت یقین کرو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن اگر یقین نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟ تمہارے پاس تو کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔" وہ جیسے اس کی بیچارگی پر ہنس رہا تھا۔ ماہا نے آنکھیں پونچھتے ہوئے لیٹر پیڈ اٹھا لیا۔ یہ اس کی مجبوری تھی کہ بہرحال رہائی کی طرف جانے کا ایک راستہ اس لیٹر پیڈ سے ہو کر گزرتا تھا۔

"کیا لکھوں؟" ٹپ ٹپ کئی آنسو گر گئے۔ بے بسی نے آواز کو بہت بوجھل کر دیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دیکھو یہیں لکھ رہا ہوں۔" وہ کس پسند مضمون تیار کروانے لگا۔

✿ ✿ ✿

آسمان کے کنارے زرد دھواں اگل رہے تھے' چند لمحوں کے توقف سے وہاں ایک آتشیں گولا نمودار ہو گیا اور یہ قوس سورج تھا جسے وہ اس وحشت بھرے کمرے کی چھوٹی سی کھڑکی سے طلوع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ نو صبحیں' نو راتیں' نو سال تھے یا نو صدیاں۔ ثابت ہوا' برا ہر طرح سے "برا" ہوتا ہے "اس" نے تو اپنی زبان کا بھی پاس نہیں رکھا تھا۔ گیا تھا تو پلٹ کر خبر ہی نہ لی تھی۔ وہ متعجب تھی۔ نو دن گزر گئے اور وہ اب تک زندہ ہے۔ ہر ہر پل ایک نئی اذیت' ہر ہر لمحہ ایک نیا کرب۔ ایک نیا اندیشہ اور اس اندیشے کے سچ ہو جانے کا خوف۔ وہ کتنا چیخ چکی تھی کہ اب مزید چیخا بھی نہ جاتا تھا۔ آنکھیں خشک ویران اور اب تو کسی معجزے کی امید بھی باقی نہیں تھی۔ اپنوں کی یاد اور بے بسی نے اسے اندر تک بے حال کر چھوڑا تھا۔

"ابوجی کس حال میں ہوں گے؟ امی نے تو کچھ کھایا بھی نہ ہوگا اور دادو جی۔" اس کی آنکھ کے کنارے سے ایک بھولا بسرا سا آنسو ٹپک گیا۔ یہ آنکھیں بھی عجیب تھیں' ایسی بنجر اور ویران معلوم ہونے لگی تھیں مگر نجانے کتنا ذخیرہ تھا ان میں۔ ہر یاد کے ساتھ جل تھل ہو جاتیں۔

اور اب تو نقاہت اتنی تھی کہ یادوں سے بھی دل نہ بہلتا تھا۔ بدن بخار سے تپ رہا ہوا تھا۔ قدموں نے مزید بوجھ سہارنے سے انکار کیا تو وہ دیوار کے ساتھ کمر لگا کر بیٹھ گئی اور دو زانوں کے گرد بازو باندھ کر چھت پر نظریں گاڑھ دیں۔ بھوک سے کٹتی ہوئی آنتیں اور چکراتا سر۔ مگر کون تھا یہاں جو اس کا حال پوچھتا۔ یقیناً اس تنہائی میں اسے سسکتی ہوئی موت مرنا تھا۔ اس بے حس نے تو پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ بس وہ بوڑھا بابا تھا جو تینوں وقت ٹرے سجا کر اس میز پر رکھ جاتا تھا اور پچھلے وقت کی ٹرے جوں کی توں اٹھا کر لے جاتا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ماہا سے کھانا کھانے کی بابت استفسار نہیں کیا تھا۔ شاید بولنے کی قوت سے محروم تھا اور شاید سنتا بھی نہیں تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ ان دونوں صلاحیتوں کو خود پابند کیے بیٹھا ہو۔ بے حس بھی کمال درجے کا تھا۔ ماہا نے کتنی منتیں کی تھیں اس کی۔ ہر طرح کا حربہ آزما دیکھا تھا اور پھر خود ہی تھک کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ آتا تھا' ٹرے رکھتا تھا' دوسری اٹھاتا تھا اور چلا جاتا تھا۔ نہ کچھ بولتا تھا اور نہ کسی بات پر چونک کر سر اٹھاتا تھا۔ عجیب شخص سا انداز تھا جیسے روبوٹ ہو اور اس کی ٹائمنگز کسی نے سیٹ کر رکھی ہوں۔ آہ کیسی لاچاری تھی یہ۔

بھوک سے بے حال ہوتے پیٹ پر ہاتھ رکھے سوچتے ہوئے اس نے میز کی جانب دیکھا۔ پچھلی رات کی ٹرے جوں کی توں پڑی تھی جسے اس نے چھوا تک نہ تھا۔ عجیب مسئلہ تھا' ایک اذیت اسے دی جا رہی تھی' ایک اذیت اس نے خود اپنے لیے منتخب کی تھی۔ ٹرے پر نظر پڑتے ہی وہ بے قراری سے کھڑی ہوئی مگر کمزوری کے باعث زوردار چکر آیا تھا۔ دیوار کا سہارا نہ ہوتا تو یقیناً ڈھیر ہو چکی ہوتی۔ اس نے ٹرے پر پڑا رومال ہٹایا۔ ٹھنڈ نے کھانے کی شکل بدل دی تھی مگر اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔ چاولوں کا چمچہ بھر کر منہ میں رکھا۔ کیا خوب ذائقہ تھا۔ کیا من و سلویٰ اس سے کم ہوگا؟ ایک ہی نوالے نے اندر بھڑکتی آگ پر مٹی کے تیل کا کام کیا تھا۔ اسی پل بھٹکتی نگاہ دروازے پر جا رکی۔ منہ تک لے جاتا چمچہ چھوٹ کر گر گیا۔ یونہی گمان سا گزرا تھا کہ دروازہ مقفل نہیں ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھوک کا احساس کافور ہین کر اڑ گیا۔ دل تیز گام کی رفتار سے دوڑنے لگا تھا۔ اس نے جھولے سے دروازے کو چھوا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

وہ متعجب ہوئی پھر تعجب خوشی میں بدل گیا۔ شاید یہی وہ معجزہ تھا جس کی وہ اب تک منتظر تھی ورنہ وہ بابا لاک لگانا کیسے بھول سکتا تھا۔ شاید دروازہ رات سے غیر مقفل تھا مگر وہ اس قدر مایوس ہو چکی تھی کہ دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی تھی۔ دروازے سے نکل کر اس نے محتاط نظروں سے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ ایک راہداری سی تھی۔ کئی دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے ایک سمت کا تعین کر کے تقریباً بھاگنا شروع کر دیا۔ آزادی کا احساس ہر چیز پر غالب آچکا تھا اور اس کی ہڈیوں میں گویا نئی زندگی سرائیت کر رہی تھی۔

راہداری کے اختتام پر لکڑی کا زینہ تھا۔ وہ دبے قدموں نیچے تک آگئی۔ یہ جو جگہ تھی اسے لاؤنج کہا جا سکتا تھا۔ سارا فرنیچر سفید چادروں تلے چھپا ہوا تھا۔ فضا میں عجیب سی مہک تھی اور سفید چادروں پر گرد پڑی تھی۔ کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دائیں بائیں دو دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بڑے دروازے کی طرف بڑھی۔ جلدی اتنی تھی کہ اگلے پچھلے پیروں کا ہوش بھی نہ رہا۔ منہ کے بل گرتے گرتے بچی تھی۔ ہتھیلی ہونٹوں پر رکھ کر چیخ دبالی۔ تب احساس ہوا کہ پیروں میں چپل بھی نہیں ہے اور اب اتنا وقت نہ تھا کہ وہ واپس جا کر چپل لاتی۔

لکڑی کا سلائیڈنگ ڈور شاید طویل عرصہ سے ایک ہی حالت میں تھا تب ہی پہیے چلنے سے انکار کر رہے تھے۔ اس نے کمزور جسم کی ساری طاقت لگا کر دروازہ دھکیلا تو درختوں کے گھنے جھنڈ سے ٹپکتی تازگی اندر تک سرائیت کر گئی۔ اسے لگا وہ ایک طویل مدت بعد سانس لے رہی ہے۔ اپنے عقب میں اس نے پھر سے دروازہ دھکیل دیا تاکہ بڈھے کو اس کے فرار ہونے کی خبر جلدی نہ ہو سکے اور جب تک وہ جاگے' وہ وہاں سے غائب ہو چکی ہو۔ لکڑی کا برآمدہ اس کی تیز رفتاری کی بنا پر کھٹ کھٹ بجا تھا۔ برآمدے کے آگے ایک طویل سڑک نما روش دیو ہیکل درختوں میں گھری لوہے کے پھاٹک تک چلی گئی تھی۔

وہ پوری طاقت سے اس راستے پر بھاگ رہی تھی' کمزور بدن میں آن کی آن گویا بجلی سی بھر گئی تھی۔ اس کا ملبوس پھڑپھڑا رہا تھا' بے ترتیب بال اڑ رہے تھے اور قدموں تلے سوکھے پتوں کا شور گونج رہا تھا۔ پھاٹک تک پہنچتے پہنچتے وہ ہانپنے لگی تھی۔

"مگر یہ کیا؟" پھاٹک پر ایک من وزنی زنگ آلود تالا پڑا تھا۔ اس کا سارا حوصلہ' جوش مٹی کی بھربھری دیواروں کی طرح ڈھے گیا۔ پھاٹک کی لمبی لمبی سلاخیں اس کے قد سے دوگنی تھیں۔ دیواریں اور بھی بلند' مگر ہوش کہاں تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کوئی ہے۔" دیوار سے چھپکلی کی طرح چمٹی وہ ہذیانی انداز میں چلائی تھی مگر کوشش بے سود تھی۔ اس کے بازو بری طرح چھلنی ہو گئے تھے۔ وہ سر کے بل زمین پر گری۔ نوکیلے پتھر گویا کمر میں گھس گئے۔ سر گھوم گیا مگر وہ پھر بھی اٹھی' ساری طاقت مجتمع کر کے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور تالے پر ضربیں لگانے لگی مگر سب بے سود تھا۔

"کوئی ہے۔" وہ پھر حلق پھاڑ کر چلائی۔ بھرے ویرانے میں اس کی آواز آوارہ روح کی سی لگتی تھی۔ پھاٹک کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سامنے سے ایک سڑک گزر رہی تھی مگر ایسی اجاڑ ویران جیسے برسوں کسی نے قدم نہ رکھا ہو۔

"کوئی میری بات کیوں نہیں سنتا۔"

"مجھے بچاؤ خدا کے لیے کوئی تو بچاؤ۔" وہ لوہے کی ایک سلاخ سے پیشانی ٹکائے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے' پر اس کی فریاد میں کسی طور کمی نہ ہو رہی تھی۔ یہ کیسی بدقسمتی تھی جو اسے اس ویرانے میں گھسیٹ لائی تھی۔ بڑے بڑے درخت جھک کر اس معصوم صورت والی کو دیکھ رہے تھے جس کی آہ وزاری نے اس سکوت میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔ صبح خیز پرندے ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگے تھے اور وہاں کا سناٹا تعجب سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

اپنے ماں باپ کو چیخ چیخ کر آوازیں دیتی وہ لڑکی پھاٹک کو اپنی پوری طاقت سے آگے پیچھے کھینچ رہی تھی اور اس کوشش میں اس کا اپنا وجود درخت کی گڑیا کی طرح لرز رہا تھا۔

پھر وہ تھک گئی' اس کے وجود میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ مزید اس پھاٹک کو دھکیلتی۔ وہ دوزانو بیٹھی تھی' تب اچانک کسی منحنی شاخ کی طرح ایک طرف لڑھک گئی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ بچالیں۔۔۔ ابو۔۔۔ جی۔"

اس نے سسکیوں کے بیچ فریاد کی پھر اس کی آواز دھیمی ہوتی چلی گئی۔ آنکھیں تاریکی میں ڈوبنے لگیں اور سکوت چھا گیا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ چیل کی نوکیلی آواز نے ساکت فضا میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔ زمین پر پڑے پتوں کی چرمراہٹ اس کے قریب ہی ابھری تھی۔ اس نے بدقت آنکھیں کھولیں' پلکیں سوکھ کر اکڑ سی گئی تھیں۔ ایک دھندلا سا ہیولہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ درختوں کے چھدرے پتوں سے چھنتی زرد نارنجی کرنیں نیزے کی طرح آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ اپنی پیشانی پر ایک لمس محسوس کرتے ہوئے اس نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ اسے آنکھیں کھولتا دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ جانی پہچانی خوشبو نے پہچان کا ادراک دیا تو وہ کانپتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"مجھے جانے دو۔۔۔ تمہیں خدا۔۔۔ رسول کا۔۔۔ واسطہ ہے۔۔۔ مجھے جانے دو۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے بری طرح سسکی۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی اور اس پل میں جیسے آس پاس کی ہر چیز پس منظر میں چلی گئی تھی۔ اس سناٹے میں صرف وہ دونوں رہ گئے تھے۔ ایک پر سرد مہری اور بے چینی قابض تھی' دوسرا وجود فریاد اور التجا کا ڈھیر بنا گڑگڑا رہا تھا۔

"اور کتنی سزا دو گے مجھے' میں نے غلطی کی تھی نا۔ تمہیں برا بھلا کہا تھا' تم مجھے مار لو' جتنا چاہے مار لو' پر جانے دو۔ میں امی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے ابو جی کے پاس جانا ہے۔ میں۔۔۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں' میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تم مجھے یہاں لے آئے تھے۔ تم کہو گے۔۔۔ کہو گے تو میں۔۔۔ میں تم سے شادی بھی کر لوں گی' پر خدا کے لیے مجھے یہاں سے جانے دو۔ میرا سانس گھٹتا ہے' مجھے ڈر لگتا ہے یہاں۔ مجھے جانے دو' اللہ کے واسطے مجھے جانے دو۔" وہ روتے ہوئے جڑے ہاتھ پیشانی سے لگائے آگے کی جانب گر گئی تھی۔

بھٹکتی ہوئی ذہنی رو میں نجانے وہ کتنی دیر روتی اور گڑگڑاتی رہی' نجانے کس کس کے واسطے اور لالچ دے ڈالے تھے اسے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے' وہ اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے اسے ذرا سا جھٹک کر اپنی کلائی تھامے دیکھا۔ وہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ ذرا سی مزاحمت بھی نہ کر سکی اور مسمول کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھکے درختوں نے ترحم سے اس لڑکی کو اس ظالم کے پیچھے گھسٹتے ہوئے دیکھا پھر اس نے اس کے عقب میں لکڑی کا دروازہ عبور کیا' لاؤنج نما ہال سے گزر کر سیڑھیاں عبور کیں اور پھر کمرہ۔ وہی کمرہ جس میں ہوا بھی ٹھٹھک کر داخل ہوتی تھی۔ جس کے ہر کونے میں وحشت سی تھی جس کی چھت اور دیواروں میں تنہائی اینٹوں کی طرح چنی ہوئی تھی اور جس کی روشن دان نما کھڑکی سے آسمان کے صرف کنارے دکھائی دیتے تھے۔

وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر جا چکا تھا پھر وہی قید' وہی اذیت ناک قید تنہائی لاحق ہوتے ذہن کے ساتھ اس نے دروازہ لاک ہونے کی مدھم آواز سنی جو سناٹے میں پوری شدت سے گونجی تھی۔ وہ کچھ دیر کمزور پیروں پر لڑکھڑاتی رہی پھر زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

✲ ✲ ✲

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھڑکی سے باہر سیاہ پڑتے آسمان پر چمکدار سا نقطہ ابھر آیا تھا۔ اس نے نقرئی ستارے سے نظریں ہٹائیں اور گھٹنوں سے پیشانی ٹکا کر بازو لپیٹ لیے۔ حالت آپوں آپ قدرے سنبھل گئی تھی۔ ایک موقع ملا تھا مرنے کا سو وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ شاید موت بھی یہاں آنے سے گھبرا رہی تھی۔

وہ ایک ہی پوزیشن میں کچھ دیر جھولتی رہی پھر غنودگی میں ایک طرف لڑھکنے لگی تو ہڑبڑا کر اٹھی۔ حواس بری طرح چونک گئے تھے۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ بمشکل سے اٹھی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں بعد سر تکیے پر تقریباً گرا دیا۔ پاؤں ہنوز نیچے لٹک رہے تھے۔ خون کے ساتھ گویا درد حرکت میں تھا۔ وہ کتنی ہی دیر یونہی پڑی رہی اگرچہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھی مگر ذہن ایکدم خالی جیسے اماوس کی رات چھائی ہو۔

دروازے کے اس پار ہلچل سی ابھری۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا نہ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس "شخص بابے" کی شکل دیکھنے کی تمنا بھی نہیں تھی اور جن کی شکل دیکھنے کی تمنا تھی انہیں تو اب شاید خواب میں ہی دیکھنا تھا۔ اللہ جانے وہاں سب کس حال میں ہوں گے۔ کسی کو خبر بھی نہ ہو سکے گی کہ میں اس ویرانے میں قید ہوں۔ ہائے میری کوڑھی عقل ذرا جو سوچا سمجھا ہوتا تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ کاش اے کاش۔

ذہن خالی تھا۔ ایک سوچ ادھر سے حملہ آور ہوئی' دوسری ادھر سے۔ عجیب بھونچال سا آیا تھا۔ اس نے تڑپ کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ تب ہی پیشانی پر ابھری لکیروں میں سے ایک پر انگلی کالس سانپ کی مانند رینگ گیا۔ اس نے بوجھل پپوٹے اٹھائے۔ کچھ دیر خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر گویا گڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔ وہ تبریز تھا نہ شخص بابا اور جو کوئی بھی تھا' بڑی پر شوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ وہ بے اختیار چادر درست کرنے لگی۔ غنودگی کی سی کیفیت میں بھی ناگواری شدید تھی۔

"واہ کیا صورت بنائی ہے بنانے والے نے۔" وہ گنگناتے ہوئے ریسٹ واچ اتارنے لگا۔ نظریں ہنوز اس پر ٹکی تھیں۔

ماہا جھکے سر کے ساتھ بھی اس کی بےباک نگاہوں کو اپنا طواف کرتا محسوس کر رہی تھی۔

"یہ اللہ بڑا ساز گار ہے۔ دیکھیے ہمارے من کی مراد کیسے بر آئی ہے۔ دل تو کب سے چاہ رہا تھا یہاں آنے کو مگر مجبوری تھی آفس چھوڑ کر نہیں آسکتے تھے لیکن آپ کی صورت دیکھ کر تو تخت و تاج چھوڑ دینے کو جی کرتا ہے' یہ آفس کیا چیز ہے۔" اس نے منہ پھاڑ کر قہقہہ لگایا۔ آواز اس قدر بلند تھی کہ درو دیوار لرز گئے اور اس کا دل بھی۔

"تت۔۔۔ تبریز۔۔۔ کہاں ہے۔" خطرے کا شدید ترین احساس انسانی شکل میں سامنے کھڑا تھا۔ وہ کوئی ایسی بچی بھی نہ تھی کہ اس ساری صورت حال سے نتیجہ جو ابھی اسے برداشت کرنا تھا اخذ نہ کر سکتی۔

"تبریز۔" اس نے چونک کر ماہا کو دیکھا پھر لاپروائی سے بولا۔ "آج وہ آکر بھلا کیا کرے گا۔ اب تو سب کچھ ہم نے ہی کرنا ہے۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا۔

"اور آپ اتنا گھبرا کیوں رہی ہیں بھئی' ہمیں آپ کے تبریز صاحب نے ہی تو بھیجا ہے۔" وہ ایک ایک کر کے اپنی شرٹ کے بٹن کھولنے لگا اور ماہا پوری جان سے کانپ گئی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ماہا سعید احمد! یہاں سے جاتے ہوئے تم اتنی ذلت سمیٹ کر جاؤ گی کہ کبھی خود سے بھی نظریں نہ ملا سکو گی۔" فرعونیت سے پر لہجہ اس کے قریب غرایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اپنی توہین کا خراج وصول کرنا ہے۔"

"عزت وذلت کے مابین فرق سمجھانا ہے تمہیں۔"

اس کا دل کانوں میں دھڑکنے لگا۔ اخبار کے ہر کونے میں کسی مژدہ خاص کی طرح شائع ہونے والی خبریں نظروں کے سامنے آتی چلی گئیں۔ وہ خود بھی کسی ایسی ہی خبر کی ہیڈ لائن بننے جا رہی تھی۔

"اللہ ۔۔۔" اس کے حلق سے پھر چیختی ہوئی فریاد نکلی اور چھت سے ٹکرا کر واپس پلٹ آئی۔

وہ شرٹ صوفے پر اچھال کر سرمستی کی کیفیت میں اس کی جانب بڑھا۔

"آج کی رات تو۔۔۔" وہ پھرتی سے دروازے کی طرف بھاگی۔

"ارے یہ کیا؟" وہ حیران حیران سا وہیں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"بھئی تھوڑا تعاون کیجئے' آپ بھی خوش ہو جائیں گی اور ہم بھی۔ یقین کیجئے' بہت خوبصورت سی گزرے گی یہ رات' ورنہ ہمارا نام بدل دیجئے گا۔" وہ کہہ رہا تھا اور ماہا دروازہ کھولنے کی کوشش میں بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

"آہ۔۔۔ ایسی بے رحمی۔۔۔ بس یہی حد تھی تمہاری تبریز علوی؟"

"میرے قریب مت آنا' تمہیں خدا رسول ﷺ کا واسطہ ہے۔ مجھے بخش دو۔" وہ پلٹ کر ہاتھ جوڑنے لگی۔ آنسو برکھا کی مانند برس رہے تھے۔

"خدا رسول ﷺ کی بات مت کیجئے' میری مسلمان روح کد کڑے لگانے لگتی ہے۔ ہم تو یہاں سکون لینے آئے ہیں اور آپ ہمیں تکلیف پہنچا رہی ہیں۔"

کاش وہ اس کی جانب غور سے دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ قریب المرگ تو خود سکون سے نہیں ہوتا ہے۔ کجا کہ کسی اور کے سکون کا بندوبست کرنا اور ماہا سعید احمد بھی قریب المرگ تھی۔ وہ ایک آخری سہارے کے طور پر واش روم کی جانب بڑھی مگر۔۔۔

"بس بہت ہو چکا' آج کی ہی رات ہے اور میں اسے گنوانا نہیں چاہتا۔" اس کے لہجے اور گرفت میں سختی تھی ہوس کی۔ اور جہاں ہوس ہو' وہاں پر احساس اور جذبہ اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے۔ رحم کی بھیک مانگتے مانگتے وہ ہار گئی۔ نہ زمین پھٹی' نہ آسمان۔ بس ایک تلخ حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی رہی اور باہر رات بھیگتی رہی۔ ویرانے میں اس کی چیخیں بھٹکی ہوئی روح کی مانند گشت کرتی رہیں پھر سناٹے میں حلول ہو گئیں۔

تبریز علوی کامیاب رہا تھا۔

وہ اسے عزت اور ذلت کے مابین فرق سمجھانے میں کامیاب رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

داخلی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے سرسری سی نظر لان کے انتہائی کونے پر جا رکی۔ پہلی نظر غیر ارادی تھی جبکہ دوسری قطعی ارادی۔

وہاں سنگی بینچ پر براجمان اس ہستی سے وہ ناواقف تھے مگر شکل کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اپنی یادداشت پر کچھ زور ڈال رہے تھے۔

"خیر کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ نئی ملازمہ یا کوئی گیسٹ ہارے۔" سگریٹ سلگاتے ہوئے وہ بری طرح چونک گئے اور سر اٹھا کر واپس اس کونے میں دیکھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس روز علی اور حمنہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس کی یہاں موجودگی انہیں حیرانی میں ڈال رہی تھی۔

اسی پل سامنے سے آتے اشرف نے سلام کیا تو وہ پھر چونکے۔

"وعلیکم السلام۔ خیریت سے تو ہو اشرف میاں۔"

"اللہ کا کرم ہے صاب۔" اشرف صافے سے ہاتھ پونچھتا ہوا بولا۔ "آپ نے کئی روز بعد چکر لگایا صاب؟"

"بس یار! کچھ مصروفیت رہی۔ خیر تم یہ چابی پکڑو۔ گاڑی میں نیلے رنگ کا ایک بیگ رکھا ہے' وہ لے آؤ لیکن سوٹ کیس نہیں اور ہاں بی بی تو گھر پر ہی ہیں نا۔"

عجلت میں انہوں نے تصدیق چاہی۔ علی کی ٹائمنگز تو پرسوں فون پر ہی پتا چل گئی تھیں۔

"جی صاب! بڑی اور چھوٹی بی بی گھر پر ہی ہیں۔" وہ سر ہلاتے اندر آ گئے۔ انٹرنس سے گزر کر سامنے وسیع سا لاؤنج تھا۔

"ارے ہارون بھائی۔" حمنہ وہیں بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ سب سے پہلے سلام کرتے ہیں' نام کا نعرہ نہیں لگاتے۔ ثواب بھی ملتا ہے اور بزرگوں کی دعائیں بھی۔" صوفے کی بیک پر ہتھیلیاں جما کر وہ اپنے مخصوص شگفتہ سے انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

"وعلیکم السلام۔ سوری' مجھے دھیان نہیں رہا لیکن آپ اور بزرگ۔" وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں' ہیں۔ گویا آپ کو ہماری بزرگی پر شک ہے؟" انہوں نے صوفے پر نشست سنبھالی۔

"شک نہیں' البتہ اعتراض ہے۔" وہ بولی۔

"آپ کو یہ لفظ کسی بھی طرح سوٹ نہیں کرتا۔ اچھے خاصے جنٹل مین ہیں۔"

"اچھا۔۔۔ واقعی۔" انہوں نے جھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا۔

"اور نہیں تو کیا۔ آپ جیسے بوڑھے پاکستان کے دو چار گھرانوں میں پیدا ہو گئے تو یقین کریں لوگ دور دور سے بر بھاپے کا وظیفہ پوچھنے آیا کریں گے۔ ویسے سچ سچ بتائیں ہارون بھائی! آج تک کتنی لڑکیاں آپ کو دیکھ کر بے ہوش ہوئی ہیں۔" ہارون نے بڑی محظوظ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کبھی زندگی نے اس قدر فرصت ہی نہیں دی کہ حساب لگاتے۔ بہرحال آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"تاکہ آپ کی بے حسی کا اندازہ لگا سکوں۔" اس نے برجستگی سے چوٹ کر مگر ہارون نے قہقہہ لگا کر گویا داد دی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں بے حس ہوں؟"
"کہنا کس نے ہے۔ سمجھ بوجھ تو میں بھی رکھتی ہوں۔"
"لیکن میں تم سے اتفاق نہیں کرتا' مجھے اس لفظ پر سخت اعتراض ہے۔"
"لفظوں سے کیا فرق پڑتا ہے' تبدیل کر لیتے ہیں۔"
"دس از اینف حمنہ۔" وہ اگرچہ مسکرا رہے تھے مگر ان کی مسکراہٹ سے بے دلی عیاں تھی مگر حمنہ خاموش نہیں ہوئی۔
"میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں۔ ہارون بھائی! دس از اینف ناؤ۔ آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ خود کو۔"
"پلیز حمنہ! کیا ضروری ہے کہ ہم صرف اسی موضوع پر بات کریں۔" ان کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا تھا۔ اپنی کیفیت چھپانے کے لیے وہ فوراً" سگریٹ سلگانے لگے۔
"یہ ضروری ہے ہارون بھائی کہ ہم اسی موضوع پر بات کریں۔" حمنہ نے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔
"گویا آج صرف باتوں پر گزارا کرنا پڑے گا۔ کافی نہیں پلواؤ گی۔"
انہوں نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا تو حمنہ کچھ سوچ کر فوراً" کھڑی ہو گئی۔
"میں ابھی لاتی ہوں۔"
"سنو حمنہ! ذرا اسٹرونگ سی کافی ہونی چاہیے۔ ود آوٹ شوگر اور ساتھ میں کچھ اسنیکس بھی ہوں تو۔"
"ضرور۔ میں لاتی ہوں۔" وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔
ہارون نے اسے جاتے دیکھا پھر قدرے بے تکلفی سے ٹانگیں پھیلا کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ کش پہ کش لگتا رہا اور گرد و دھواں پھیلتا چلا گیا۔
حمنہ کی ایک نہایت ہی سرسری سے بات نے اچھے خاصے سلے ہوئے زخم کو ہلا دیا تھا اور — جیسے اچانک ہیروں تلے جلتی ہوئی ریت آ گئی ہو۔ بہت ڈھیر ساری یادیں بنا دستک دیے ہی چلی آئی تھیں اور یادیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اپنی مرضی سے آن وارد ہونے والی پھر بندہ لاکھ سر جھٹکے' لاکھ پہلو بچائے مگر امان نہیں ملتی۔
کبھی کبھی انسان کو یادوں کا تلخ سفر بنا ایما کے کرنا ہی پڑتا ہے۔ خواہ پیر چھلنی ہی کیوں نہ ہو جائیں جیسے وہ کر رہے تھے۔ پھیلتے ہوئے دھویں میں مختلف شبیہیں بن بن کر بگڑ رہی تھیں۔
"صاب! یہ بیگ۔" معاً" اشرف کی آواز انہیں گھسیٹ لائی۔
"ہوں۔" انہوں نے یوں چونک کر اسے دیکھا جیسے جانتے نہ ہوں پھر یکایک پہچان کی لہر لہرائی تو وہ محتاط سے ہو بیٹھے۔
"ہاں' یہ بیگ یہاں رکھ دو اور تم جاؤ۔" انہوں نے چابی ہاتھ میں لے کر چند لمحے اسے دیکھنے میں صرف کیے پھر سر اٹھا کر بے حد ممنون نظروں سے اس دروازے کی جانب دیکھا جہاں اشرف غائب ہوا تھا۔ انہوں نے سگریٹ کا باقی ماندہ ٹکڑا ایش ٹرے میں مسل دیا۔ نہ دھواں اٹھے گا اور نہ یادیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہوں نے حتمی انداز میں چہرے پر دونوں ہتھیلیاں پھیریں۔ جیسے یادوں کی دھول صاف کر رہے ہوں پھر انگلیاں آنکھوں پر روک کر کچھ توقف کیا اور سیدھے ہو بیٹھے۔

اب کیسی یادیں تھیں اور نہ ہی یادوں کا احساس۔ (فقط ایک تپش تھی جو وہ ہمیشہ سے اپنے دل میں محسوس کرتے آئے تھے۔) ان کا ذہن اب نہایت تیزی سے اپنی ماربل انڈسٹری کے نئے شیئر ہولڈر کے بارے میں سوچنے لگا تھا مگر اسی وقت لالہ کسی کمرے کا دروازہ کھول کر بھاگتی ہوئی ان تک آگئی تو جیسے کچھ بھی سوچنے کی ضرورت باقی ہی نہ رہی۔ دونوں بازو پھیلا کر انہوں نے اسے سینے سے لگالیا اور بھینچ کر بڑے والہانہ انداز میں پیار کیا پھر پیشانی پر پیار کرتے ہوئے بولے۔

"کیسی ہے ہماری گڑیا؟"

"میں دریا نئی لالہ ہوں۔" اس نے اپنی سمجھ کے مطابق بات کرتے ہوئے نہایت اچنبھے سے ہارون کو دیکھا جن کے سارے چہرے پر نہایت محظوظ کن مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ "آپ بھول جاتے ہیں کاکا جان۔" اس نے تاسف سے کہا اور ہارون کے لیے اپنا قہقہہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

"میں بھولتا نہیں ہوں کاکا جان کی جان۔" انہوں نے جھک کر اس کے گال کو چوما۔ "لیکن جیسے میں آپ کا کاکا جان ہوں ویسے ہی آپ بھی ہماری گڑیا ہو۔" لالہ نے جواباً یوں سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ گئی ہو مگر پھر فوراً ہی سینے پر بازو باندھ کر اور منہ پھلا کر رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"میں تو آپ سے خفا ہوں' بالکل بات نہیں کروں گی۔"

"ارے کیوں بھئی؟"

"اتنے دن آپ آئے کیوں نہیں تھے؟"

"اوہ تو یہ بات ہے۔" وہ اس کے ننھے ننھے شانوں پر ہاتھ رکھ کر رخ موڑتے ہوئے بولے۔ "وہ آپ کے زارون کاکا ہیں نا؟ انہیں اللہ میاں نے ایک چھوٹا سا بے بی گفٹ کیا ہے تو اتنے دن سے میں اسی کیوٹ سے بے بی کے پاس تھا۔"

"اب کہاں ہے بے بی؟" بے بی کے نام پر وہ ساری خفگی بھول کر بڑی پر اشتیاق دکھائی دینے لگی تھی۔

"زارون کے پاس۔"

"چھوٹا سا بے بی تھا۔"

"ہوں۔" وہ اس کے سوالوں سے کبھی نہیں اکتاتے تھے۔

"تو آپ اسے لے کر کیوں نہیں آئے' میں اسے "پاری" کرتی نا۔" وہ مزے سے چڑھ کر ان کے زانو پر بیٹھ گئی۔

"جانو! وہ ابھی بہت چھوٹا ہے نا اس لیے صرف اپنے ممی پاپا کے پاس رہتا ہے۔ آپ کو پتا ہے نا کہ چھوٹے بچے اپنے ممی پاپا کے پاس ہی رہتے ہیں۔" لالہ نے جلدی سے سر ہلا دیا جیسے بڑی سمجھ دار ہو اور ہارون کو اس کی یہی ادائیں بے حد متاثر کرتی تھیں۔ نہایت شفقت سے اس کے بالوں بھرے سر کو بوسہ دیا اور ننھے سے ہاتھ کو پکڑ کر بولے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اور یہ کیا حشر کر رکھا ہے گندی بچی! سارے ہاتھ پاؤں مٹی سے بھرے ہوئے ہیں۔ ابھی آپ کی ممانے دیکھ لیا تو پٹائی ہو جائے گی۔"

"ڈونٹ وری کاکا جان! میں واش کر لیتی ہوں۔"

وہ سلیقہ شعار بچیوں کی طرح بولی مگر کمرے میں سے نکلنے سے قبل انہوں نے ٹوک دیا۔

"آں۔۔۔ آں۔۔۔ ابھی فی الحال آپ ہمارے پاس بیٹھیے' بہت دیر ساری باتیں کرنی ہیں ہم نے آپ سے اور آپ کو پتا ہے لالہ! آپ کے زارون کاکا نے آپ کے لیے بہت سارے گفٹس بھجوائے ہیں' اس بلیو بیگ میں ہیں۔"

"بے بی والا گفٹ بھی ہے۔" اس نے اشتیاق سے پوچھا تو ہارون نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں جانو! بے بی والا گفٹ صرف اللہ میاں دیتے ہیں۔"

"تو آپ اللہ میاں سے کہیں کہ ہمیں بھی بے بی والا گفٹ دے دیں۔" اس نے معصومیت سے درخواست کی۔

"لالہ! آپ اللہ میاں سے دعا کرو کہ آپ کو ایک پیارا سا بے بی گفٹ میں دیں۔" وہ یہ سوچ کر مسکرائے کہ اب اس خواہش کے پورا ہونے میں زیادہ عرصہ باقی نہیں تھا۔

"میں گفٹ دیکھ لوں کاکا جان؟"

"شیور۔" انہوں نے ہاتھ سے گھسیٹ کر بیگ قریب کیا پھر زپ کھولتے اس سے پوچھنے لگے۔

"اور یہ تو بتائیے کہ آپ اتنی دیر سے تھیں کہاں؟ ہمیں کب سے آیا ہوا ہوں۔"

"میں کھیل رہی تھی' ماہا آپی کے ساتھ۔" اس کی ساری توجہ بیگ کی جانب تھی۔

"ماہا۔۔۔ ماہا آپی کون؟"

"آپ ماہا کو نہیں جانتے۔" اس نے تعجب سے انہیں یوں دیکھا گویا ماہا آپی کو نہ جان کر کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

"ماہا آپی میری نئی فرینڈ ہیں اور پتا ہے کاکا جان! شی از سو کیوٹ۔ بالکل فیری کوئین کی طرح۔ میں آپ کو ان سے ملواتی ہوں۔"

وہ بڑی بے تابی سے چھلانگ لگا کر نیچے اتری اور ان کا ہاتھ کھینچنے لگی۔

"ماہا آپی! ادھر انیکسی میں ہیں۔" مگر انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

"نہیں جانو! وہ آپ کی فرینڈ ہیں۔ بھلا میں ان سے مل کر کیا کروں گا۔"

"آپ ان سے دوستی کر لیں جیسے مشعال اور شانزے سے کی تھی۔"

"آپ چھوڑیے اس بات کو۔ دیکھو زارون کاکا نے کتنا سوئٹ ٹیڈی بیئر بھجوایا ہے آپ کے لیے۔" انہوں نے بڑے سبھاؤ سے اس کی توجہ مبذول کروائی اور کوشش میں کامیاب بھی رہے۔ وہ بڑی دلچسپی اور اشتیاق سے بیگ میں سے کھلونے نکال نکال کر دیکھنے لگی۔ اسی پل حمنہ ٹرالی دھکیلتی کچن سے نکلی تو بے اختیار پوچھنے لگی۔

"ارے یہ کیا ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زارون کا کافی گفٹس بھجوائے ہیں۔"

"یہ زارون ہر بار اتنا تکلف کیوں کرتا ہے۔ آپ روکتے نہیں ہیں اسے۔"

"تمہیں کبھی روکا ہے اس تکلف سے۔" ان کا اشارہ سجی سجائی ٹرالی کی طرف تھا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی پھر بولی۔

"فورا" حساب برابر کر دیتے ہیں۔ کبھی تو کسی بات کا ادھار رہنے دیا کریں۔"

"بھئی ادھار محبت کی قینچی ہے۔" وہ بے تکلفی سے کیک پیس اٹھاتے ہوئے بولے۔ حمنہ ہنسنے لگی۔

"زارون کا واپسی کا کب تک ارادہ ہے اور ہاں اس کے بیٹے کے بارے میں تو آپ نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"ابھی تو کوئی چانس نہیں ہے واپسی کا۔ اصل میں وہ آج کل جس فرم کے ساتھ کام کر رہا ہے وہ لوگ اسے پاکستان آنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ وہ خود بھی بہت بے چین ہو رہا تھا' کہہ رہا تھا۔ اب پاکستان میں ہی ذاتی فرم اسٹیبلش کروں گا اور اس کا بیٹا ماشاء اللہ بہت پیارا ہے' بالکل زارون کی طرح۔"

وہ نہایت پرجوش انداز میں بتانے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں بچے کا پورا نقشہ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کی آنکھیں' اس کے بال' اس کی پیشانی وغیرہ وغیرہ۔ ان کی چہرے پر اس قدر محبت تھی کہ حمنہ جو سرو کرنے والی تھی بھول بھال کر دلچسپی سے انہیں تکنے لگی مگر ساتھ ہی دل دکھ اور تاسف سے بھر گیا۔

اسی پل ہارون کے سیل فون کی بیل بج اٹھی تو اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ ہارون بھائی ادھر متوجہ ہوئے تو وہ چائے مگ میں نکالنے لگی۔ البتہ کان ہارون کی جانب ہی متوجہ تھے۔ وہ اپنے پی اے سے بات کر رہے تھے۔

"مما! میں یہ ماہا آپی کو دکھا آؤں۔"

لالہ نے اس سے پوچھا۔ وہ ہاتھوں میں مختلف گڑیاں اور ٹیڈی بیئرز اٹھائے کھڑی تھی جو زارون نے بھجوائے تھے۔ اس نے کچھ سوچ کر اسے جانے کی اجازت دی۔ ہارون نے فون بند کیا تو پلیٹ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی۔

"یہ بادام کا حلوہ چکھیں' میں نے آج صبح ہی بنایا ہے۔" ہارون نے پلیٹ میں حلوہ نکال لیا اور ابھی تعریف کا سوچ ہی رہے تھے کہ وہ بولی۔ "آپ زارون سے کہیں کہ وہ پاکستان آکر بزنس ہینڈل کرنے میں آپ کی مدد کرے۔"

"فائدہ۔ جبکہ میں سب کچھ با آسانی ہینڈل کر سکتا ہوں۔" انہوں نے تیزی سے کہا تو وہ قدرے تلخی سے بولی۔

"با آسانی۔" پھر چائے کا مگ ان کے سامنے رکھ دیا۔

"کتنا لوڈ ہے آپ پر کام کا اور مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ اتنی فیکٹریاں لگا کر آپ کریں گے کیا؟"

"کرنا کیا ہے' پیسہ کمائیں گے اور خوش رہیں گے۔" وہ اس بات کو یوں ہی اڑا دینا چاہتے تھے مگر حمنہ آج کسی اور ہی موڈ میں تھی۔

"آپ کو ایسا لگتا ہے کہ صرف پیسے سے خوش رہا جا سکتا ہے۔" اس نے انتہائی سنجیدگی سے استفسار کیا تو وہ بولے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بالکل۔ میں تو خوش رہ سکتا ہوں۔"

"مجھے بنانے کی کوشش نہیں کریں ہارون بھائی! مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ یہ محض فرار کی ایک راہ ہے اور کچھ نہیں۔"

ہارون کے لبوں سے ایک آن میں مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"جب سب معلوم ہے تو پوچھنے کا مقصد۔" انہوں نے سامنے رکھا پانی کا گلاس لبوں سے لگایا اور غٹا غٹ پی گئے۔ حمنہ کو اپنے لفظوں کا احساس ہوا تو شرمندہ سی ہوگئی۔

"آئی ایم سوری ہارون بھائی! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"نہیں حمنہ! تم پلیز فیل مت کرو۔ مجھے بالکل بھی برا نہیں لگا۔" انہوں نے قدرے نرمی سے کہا تو وہ مطمئن ہوئی مگر پھر بھی خفت سی باقی تھی پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولے۔

"اور یہ ماہا آپی کا کیا چکر ہے۔ ابھی لالہ ذکر کر رہی تھی۔" اور اس سے قبل کہ حمنہ کچھ کہتی خود ہی کہنے لگے

"یہ وہی لڑکی ہے نا جسے تم لوگ لائے تھے۔ ابھی تک رخصت کیوں نہیں کیا اسے؟"

"اچھا ہوا آپ نے خود ہی پوچھ لیا میں تو آپ سے خود بھی اس بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔ اصل میں ماہا بہت مظلوم لڑکی ہے بہت ظلم ہوا ہے بے چاری پر۔ آپ کو پتا ہے اس کے۔۔۔"

"پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔" انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا اور قطعیت سے بولے۔

"مجھے اس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ڈھائے جانے والے مظالم کی داستان سنی ہے۔ بس میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ جلد از جلد اس کو گھر سے چلتا کرو۔ خدمت خلق کا آج کل زمانہ نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو یہ ہمدردی گلے ہی پڑ جائے۔"

"مائی گاڈ۔" حمنہ کے چہرے پر نہایت ناگواری تھی۔

"نجانے میں یہ کیسے بھول گئی کہ آپ بھی علی کے ہی دوست ہیں۔ دونوں کے منہ میں ایک زبان ایک سے خیالات بولتے ہیں۔ اب پلیز علی سے اس بارے میں کچھ مت کہیے گا۔ گزارش کر رہی ہوں آپ سے۔ ان کا تو پہلے ہی بس نہیں چلتا کہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیں مگر میں ایسے ہی اسے جانے نہیں دوں گی۔"

"اچھا پھر کیا بینڈ باجے کے ساتھ رخصت کرنے کا ارادہ ہے؟"

"کہہ نہیں سکتی مگر یہ طے ہے کہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے اس کے گھر تک پہنچاؤں گی۔ میں ایک عورت ہو کر دوسری عورت پر ظلم برداشت نہیں کر سکتی۔ جو بات میں محسوس کر سکتی ہوں، وہ آپ اور علی محسوس نہیں کر سکتے۔ خیر میرا ایک کام کر کے دے سکتے ہیں؟"

"کام تو میں تمہارا ضرور کر دوں گا۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ حمنہ نے فوراً قریبی میز پر پڑی ڈائری اٹھا کر اس میں سے کچھ تلاش کرنا شروع کر دیا۔

"میں نے ابھی آتے ہوئے اسے لان میں بیٹھے دیکھا تھا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ علی اسے گھر سے نکالنے پر بضد کیوں ہے۔" حمنہ نے ناسمجھی کے انداز میں سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ شرارتی سی متانت کے ساتھ بولے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بھئی لڑکی خاصی خوبصورت ہے اور تمہارا میاں کچھ ایسا شریف بھی نہیں ہے۔" حمنہ نے مصنوعی خفگی سے انہیں گھورا۔

"آپ مجھے علی کے خلاف ورغلا رہے ہیں۔"

"جی نہیں محترمہ خاتون، وارن کر رہا ہوں۔" وہ برجستگی سے بولے۔ "بچپن سے جانتا ہوں اسے کہا نا کچھ ایسا شریف بھی نہیں ہے۔"

"میں علی کو بچپن سے نہیں جانتی مگر اس کے باوجود ان کی شرافت کی قائل ہوں گارنٹی بھی دے سکتی ہوں۔ لہٰذا آپ "بھابھی کٹنی" بننے کی کوشش نہ کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ اس قدر ترنانہ خطاب۔" حمنہ نے مسکراتے ہوئے کاغذ کا پرزہ ان کی جانب بڑھا دیا۔

"میں نے آدمی کا نام پتا سب لکھ دیا ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں پتا کروا دیں کہ یہ آج کل کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟"

"قیصر ابدال۔۔۔" ہارون نے زیر لب کاغذ پر لکھا نام دہرایا پھر ایڈریس پر نظر دوڑاتے ہوئے بولے۔

"لیکن یہ ہے کون؟"

ہارون نے اپنی الجھن چھپاتے ہوئے حمنہ کی جانب دیکھا۔ حمنہ کچھ دیر خاموش رہی پھر متذبذب سے انداز میں بولی۔

"میں آپ کو اس کے بارے میں سب کچھ بتاؤں گی مگر پہلے آپ مجھے اس کا حالیہ ایڈریس معلوم کروا دیں۔ یہ ایڈریس یہیں حیدر آباد کا ہے اور اگر یہ اس ایڈریس پر نہیں ہے تو پھر کہاں ہے۔ یہی پتا کروانا۔ پلیز ہارون بھائی یہ کام ضرور کروا دیں۔ یہ تو لمبا کام مگر مجھے معلوم ہے کہ آپ کروا دیں گے۔ میں نے علی سے اس شخص کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کہا تھا مگر وہ آج کل بہت مصروف ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں پتا کروا دیتا ہوں۔" انہوں نے والٹ نکال کر ایک جیب میں وہ کاغذ رکھا پھر والٹ واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولے۔

"لیکن اگر علی کو اعتراض ہوا تو۔۔۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں میں علی کو بتا دوں گی اور انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا یا خدا میں کوئی غلط کام نہیں کرنے والی۔" ان کی احتیاط پسندی کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرائی وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر رہ گئے پھر فوراً ہی کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

"ڈونٹ یو وری میں جلدی ہی تمہیں ساری انفارمیشنز اکٹھی کر دوں گا۔ مجھے ایک دو ضروری کام بھی نمٹانے ہیں اور کل واپس کراچی بھی جانا ہے۔"

وہ انتہائی مصروف قسم کے بزنس مین تھے پاکستان میں رہتے ہوئے مختلف شہروں میں گھومنا تو پھر بھی عام بات تھی یہاں تو یہ حال تھا کہ ایک پاؤں پاکستان میں تو دوسرا پاکستان سے باہر۔

"اور ہاں سنو! تم اپنا سوشل ورک بے شک جاری رکھو مگر لالہ کو اس طرف التفات جانے دیا کرو اور جو بھی کرنا

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہتی ہو پلیز بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔ آج کل ہمدردی کرنے والا پہلے خود ڈوبتا ہے ایسا نہ ہو کہ اس لڑکی کی وجہ سے تم لوگوں کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔"

اس نے کچھ کہنے کے لیے بڑی بے ساختگی سے منہ کھولا مگر پھر کسی خیال کے تحت خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بات کہے گی تو ہارون دس دلائل سے اس کی بات کو رد کر دیں گے۔ اس لیے یہی مناسب سمجھا کہ بات کو یہیں ختم کر دے۔

مگر ٹیکسی کی طرف جاتے ہوئے اس نے یہ ضرور سوچا تھا کہ جو انسان خود نقصان اٹھا رہا ہو کیا وہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟ اسے ایک دم سے علی کے کہے الفاظ یاد آنے لگے۔

"ہم اس لڑکی کے بارے میں صرف وہی کچھ جانتے ہیں جو اس نے ہمیں اپنے منہ سے بتایا ہے اس کے علاوہ تو ہم کچھ بھی نہیں جانتے اور پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے سچ ہے۔"

"ہم جس حالت میں اسے یہاں لائے تھے کیا اس کے بعد بھی کسی ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے۔" تب تو اس نے یہ کہہ کر علی کو خاموش کروا دیا تھا مگر اب نجانے دل میں عجیب سی کھد بد مچ گئی تھی۔

پتا نہیں اسے کس کی بات ماننی چاہیے تھی اپنے دل کی جو سراسر "اس" کے حق میں تھا یا علی اور ہارون کی جو اس کے بارے میں کم و بیش ایک جیسے شکوک و شبہات کا شکار تھے اور حمنہ کی نسبت دنیا کے متعلق زیادہ آگاہی رکھتے تھے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان باتوں کے متعلق سوچنے لگی تھی اور یہ ان ہی سوچوں کا نتیجہ تھا کہ اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا اور یہ اسی الجھن کا نتیجہ تھا کہ وہ لالہ کا ہاتھ پکڑ کر پہلے بیڈ روم سے باہر نکلی اور پھر ٹیکسی سے بھی باہر آگئی اس نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ خود تو الجھن زدہ تھی ہی اسے بھی الجھن میں ڈال گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

صبح صادق کے جھٹپٹا تھا لیکن اسٹریٹ لائیٹس ابھی روشن تھیں۔
طویل مسافت کے بعد سیاہ شیشوں والی کار رکی پھر اس کی جانب کا دروازہ کھلا اور کلائی تھام کر اسے باہر نکالا۔
"افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے حصے میں صرف ایک رات آئی اور وہ بھی نہایت مختصر خیر یار زندہ صحبت باقی، چلتا ہوں اگرچہ دل تو نہیں چاہ رہا مگر مجبوری ہے۔ گاڈ ایسی صورت تو دشمنوں کی بھی نہ ہو۔ نقصان تو ہمارا ہی ہوگا۔"
وہ بڑبڑاتا ہوا زن سے گاڑی لے اڑا۔ گلی کی بھیگی اینٹیں کہتی تھیں کہ پچھلی رات خوب جم کر مینہ برسا۔ ابھی بھی نہایت باریک بوندیں ایک تواتر سے برس رہی تھیں اور وہ بھیگ رہی تھی۔
معاً" ہولے ہولے لرزتے وجود میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ وہ اپنے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ اک جائے پناہ کے سامنے کھڑی تھی مگر اس حال میں کہ چادر سے پوری طرح ڈھکا وجود بھی برہنہ ہو چکا تھا۔ وہ بدقت چند قدم آگے بڑھی بری طرح کانپتے ہاتھ سے گیٹ سے متصل دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ اندر آگئی مگر اندر داخل ہوتے ہی گویا ساری ہمت جواب دے گئی۔ وہ وہیں دروازے سے کمر ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ ساری دبی سسکیاں سینے میں ایک ساتھ اودھم مچانے لگی تھیں۔
جو کھو آئی تھی اس کی تلافی اب ممکن نہ تھی اور جو کھو کر دوبارہ پایا تھا اس کی خوشی بہت تھی۔ پتا نہیں دکھ شدید تھا یا خوشی۔ مگر اتنا تھا کہ کوئی چیز آری کی طرح سینے پر چل رہی تھی۔ اعصاب پر تڑا تڑ گولیاں برس رہی تھی۔ بھرا صحن بارش میں بھیگ رہا تھا۔ برآمدے کی بتی بند تھی صرف دادو جی کے کمرے کے کھلے دروازے سے دودھیا روشنی برآمدے کو روشن کر رہی تھی۔ وہ اپنے وجود کو کسی بھاری گٹھڑی کی طرح گھسیٹتی ہوئی وہاں تک آئی مگر دہلیز پر قدم ٹھہر گئے۔ اس کا سانس بری طرح پھول گیا تھا۔
کمرے میں گہری خاموشی تھی دادو جی کمبل لپیٹے غالباً" تسبیح پڑھ رہی تھیں امی جی کے آگے قرآن پاک کھلا ہوا تھا ان کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اس نے چوکھٹ سے سر ٹکا کر پل بھر کو آنکھیں موند لیں۔
تبھی کمرے کے سکوت میں ایک آواز گونجی۔ "امی۔۔۔ماہا۔" ایک سرسراتی ہوئی سرگوشی۔ جیسے دھیرے سے پاؤں پر سانپ رینگ جائے اس نے آنکھیں کھولیں۔ امی، دادو جی اور ارم آپی تینوں اپنی اپنی جگہ دم بخود اس کے پیارے اس کے سامنے تھے اور لٹا پٹا وجود پر شفقت لمس چاہتا تھا۔ وہ شدت سے رو دی۔ دبی ہوئی سسکیاں بے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تالی سے باہر آرہی تھیں۔

"ارم! سے جلدی اوپر لے جاؤ۔" امی جی جیسے خواب سے جاگتے ہوئے ہڑبڑا کر تخت سے اتری تھیں اور اس سے قبل کہ ارم کچھ کرتی کسی کوتے سے نکل کر ابو جی بڑے جارحانہ انداز میں اس کی جانب بڑھے تھے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اسے لے کر جانے کی نہ میرے گھر میں اس کی جگہ ہے نہ ضرورت۔" انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے گھسیٹا تھا۔

"ارے ہے۔ کیا کرتے ہو سعید احمد۔" دادو جی آگے بڑھیں۔

"آپ بیچ میں مت بولیں اماں! میں اس کا وجود ایک لمحے کے لیے بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا یہ خود نہیں جائے گی تو میں دھکے مار کر نکال دوں گا۔"

دادو جی اور امی انہیں روک رہی تھیں اور اس کا بازو ان کی گرفت سے آزاد کروانے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔

اور وہ اس افتاد پر اتنی بری طرح بوکھلائی تھی کہ رونا دھونا بھول کر ہکا بکا ابو جی کی شکل دیکھنے لگی تھی۔ یہ وہ چہرہ تو نہیں تھا جسے وہ بچپن سے دیکھتی آرہی تھی۔ اتنا طیش اتنی نفرت ان کا سارا خون گویا چہرے پر امڈ آیا تھا۔

"آپ کس بیٹی کی بات کر رہی ہیں اماں! میری کوئی بیٹی نہیں ہے اور اگر تھی بھی تو وہ مر چکی۔ میں فاتحہ پڑھ چکا اس پر یہ جو کوئی بھی ہے اس سے کہیں اپنی منحوس صورت لے کر دفع ہو جائے یہاں سے۔ رتی بھر بھی جگہ نہیں ہے اس کے لیے میرے گھر میں۔"

وہ بھوکے شیر کی طرح اس پر جھپٹ رہے تھے اور چونکہ گرفت سے آزاد ہو چکی تھی اس لیے تلملاہٹ بھی حد سے سوا تھی۔

"خواص قابو میں رکھو بیٹا! کیوں زمانے کو تماشا دکھانے پر تلے ہو اونچی آواز میں بولو گے تو اپنا ہی نقصان ہو گا۔"

"نقصان تو ہو چکا اماں! یہاں عزت گھر سے باہر نکل گئی آپ اونچی آواز سے ڈر رہی ہیں۔" انہوں نے جھٹکے سے اپنا آپ دونوں خواتین کی گرفت سے چھڑوایا پھر بے بسی سے اسے دیکھ کر بولے۔

"کیسی کیسی منتیں مانی تھیں اس کے لیے۔ جھولی پھیلا پھیلا کر خدا سے بیٹی کی فریاد کی تھی۔ آنکھوں کا تارا بنا رکھا تھا اور اسے ایک بار بھی ہمارا خیال نہ آیا۔ لگتا ہے منہ پر کالک مل کر چل رہا ہوں سر نہیں اٹھا سکتا میں۔ بالکل نہیں اب تو بالکل گنجائش نہیں۔ اس سے کہو خدیجہ! جہاں سے آئی ہے وہیں واپس چلی جائے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں کوئی واسطہ نہیں۔ چلی جائے یہ یہاں سے ورنہ... ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

وہ از سر نو بھڑک کر اس کی جانب لپکے مگر خدیجہ بیچ میں حائل ہو گئیں۔

"میں نے آپ سے ساری زندگی کچھ نہیں مانگا سعید! آج مانگ رہی ہوں۔ اسے معاف کر دیں۔ سمجھ تھی کم عقل تھی غلطی کر بیٹھی مگر معاف کر دیں۔ جھولی پھیلا رہی ہوں آپ کے سامنے ہاتھ باندھ رکھے ہیں اور..."

اس نے ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ اپنی ماں کو اس شخص کے سامنے ہاتھ جوڑے گڑگڑاتے دیکھا جس سے وہ بے تحاشا محبت کرتی تھی۔

اور اس کا خیال تھا ابو جی اسے دیکھتے ہی اپنے بازوؤں میں چھپا لیں گے اور وہ ان کے سینے سے سر لگا کر ہر اذیت

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

بھلا دے گی مگر اس نے ابو جی کو ان کے جیٹھ کے ہاتھ کھولتے دیکھا اب ان کے چہرے پر غصے کی بجائے صرف دکھ تھا اور تکلیف تھی۔

"اسے میرے سامنے سے لے جاؤ خدیجہ! ورنہ میں شاید تمہارا مان نہ رکھ سکوں۔"

انہوں نے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ ارم نے سرعت سے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور قدم بڑھائے مگر اس کے قدم گویا بے جان ہو چکے تھے۔ ارم نے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلا لیا اور سہارا دے کر اسے سیڑھیاں چڑھانے لگی پھر وہ اسے لیے کمرے میں آ گئی۔

اچنبھے کی ہزار کیفیات اور وہ اس وقت ان کیفیات کی اس انتہا پر تھی جہاں وقت اور جگہ اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ اس کی روح ایک ایسے پاتال میں بھٹک رہی تھی جہاں سے واپسی کی امید نہیں ہوتی۔ اس نے ارم کو کچھ کہتے سنا مگر وہ ہر مفہوم سمجھنے سے عاری تھا۔

ارم نے اسے یوں بے حس و حرکت کھڑے دیکھا تو انتہائی دکھ سے آگے بڑھ کر اس کی بھیگی چادر اتارنے لگی مگر دوسرے ہی پل گویا روح کانپ اٹھی۔ وجود اپنی پامالی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

گویا بچا تو کچھ بھی نہیں۔ صرف خسارہ ہی خسارہ تھا۔ اور وہ یوں کھڑی تھی گویا سنگی مورت ہو۔

ارم بے قراری سے بڑھی اور وہی چادر اس کے گرد لپیٹ دی اور اسی طرح اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیے بری طرح رو دی۔

نقصان در نقصان کے اس سلسلے نے اس کے حواس سلب کر لیے تھے چند ہی لمحوں میں وہ ارم کی بازوؤں میں جھول گئی۔ حالانکہ رونے اور واویلا کرنے کا وقت ہی تھا کہ اس نے عزت کے ساتھ ساتھ اپنوں کو بھی کھو دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"بیٹی کی پیدائش پر لوگوں کو زار زار روتے دیکھا تھا' پر کبھی سمجھ نہ آئی کہ یہ واویلا کیوں ہوتا ہے۔ بیٹے کی پیدائش پر موتی چور کے لڈو بٹتے ہیں اور بیٹی کے لیے صرف آنسو۔ آج اپنی ہی بیٹی نے سارا فلسفہ سمجھا دیا۔"

اس کی سماعت سے خدیجہ کی آواز ٹکرا رہی تھی۔ ایک ہاتھ اس کی توے کی مانند جلتی پیشانی پر گیلی پٹیاں رکھ رہا تھا۔

"کاش میں اسے مرنے کی بددعا دے سکتی' پر یہ بھی کہاں ممکن ہے۔ دل کا ٹکڑا تھی۔ اپنے ہی وجود کے لیے بددعا کروں بھی تو کیسے؟ آپ بتائیں اماں! اسے اس گھر میں کیا کمی تھی۔ جان نثار کرنے والے بھائی' آنکھوں کا تارا بنا کر رکھنے والا باپ اور میں۔ جب بھی دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اس کی خوش بختی کی دعا کی۔ پر اس بدبخت نے خود ہی پاؤں پر کلہاڑا مار لیا۔ ہمیں تو زخمی کیا سو کیا' خود بھی زخم کھا بیٹھی' ورنہ یہی سکون رہتا کہ اپنے گھر میں خوش ہے۔

میں نے تو دل پر پتھر رکھ لیا تھا اماں! چپکے چپکے اس کے سکھ کی دعا بھی کرنے لگی تھی مگر میری تو ساری عمر کی دعائیں رائیگاں چلی گئیں۔ ایک یار ڈھنگ سے کہتی تو کہیں اور مرضی ہے بچپن سے لے کر اب تک ہر بار منہ سے نکلا ہر لفظ پورا کرتے آئے ہیں تو کیا نہ کرتے۔ مجھ سے تو سعید کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ پہلے غصے میں تھے'

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اب بے تحاشا دکھی ہیں۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو سند، پھر بھی برداشت کر لیتا ہے۔ یہ تو بین کر رہی تھی ان کے اندر۔ کیسی کالک مل دی چہرے پر۔ ساری عمر بھی دھوتے رہے تو نہیں اترے گی۔ پتا نہیں خدا آزمائش لے رہا ہے یا کسی گناہ کی سزا مل رہی ہے۔"

"ارے بھو! حوصلہ پکڑو، بندے کو پتا ہو اگلا قدم پاتال میں پڑے گا تو قدم ہی نہ اٹھائے۔ ہماری بچی معصوم تھی جو حماقت کی ہے تو اس کا خمیازہ بھی تو اسی کو بھگتنا پڑ گیا ہے۔ جس پر اعتماد کر کے ساری محبتوں کو ٹھکرایا وہی بد بخت دغا دے گیا۔ اب رونا تو ساری عمر کا ہے۔"

"ہم نے بھی اس پر اعتماد کیا تھا۔ اس نے بھی تو ہمیں دغا دے دیا۔ مجھے یہ معصوم نہیں، ظالم لگتی ہے اور خمیازہ صرف یہ تھوڑی بھگتے گی، رونا تو اب ہمیں بھی تاحیات پڑے گا۔ ایک اکیلی کی غلطی اگلی چار نسلوں تک دوہرائی جائے گی۔ ہائے ماں! باپ کا سر جھکا کر کون سا سکون ملا تجھے۔ کاش پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی۔"

دروازہ کھلنے بند ہونے کی آواز آئی پھر سکوت چھا گیا۔

اس نے آنکھیں گہری اذیت تلے مزید بھینچ لیں تو ٹھہرے ہوئے کناروں سے بہہ نکلے دریا جو ٹھہرا ہو تو بند کو خاطر میں نہیں لاتا۔

یہ کیسے موڑ پر لے آئی تھی زندگی۔ ہر دم دعا دینے والی ماں آج اس کی سانسوں پر شرمندہ تھی اور وہ کرب و اذیت کی چوٹی پر بھٹک رہی تھی۔

غیر اعتبار نہ کریں تو فرق نہیں پڑتا مگر اپنوں کی بے اعتباری روح تک کو چھلنی کر دیتی ہے۔ وہ سزاوار ٹھہری تھی۔ ایک ایسے جرم کے لیے جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔ یہ اس کے خالصتاً "اپنے" تھے جنہوں نے ایک بار بھی اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اس پر کیا گزری۔ پرواہ تھی تو صرف اس بات کی کہ وہ خود کیا "سہ" رہے ہیں اور کیا "گزاریں" گے۔

اسے دوہرے کرب کا سامنا تھا۔ اتنے دن سے وہ یہاں پڑی تھی، تن تنہا۔ نہ کوئی شفقت سے بلا رہا تھا، نہ کسی نے محبت سے پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دادو جی اس کے ماتھے سے گیلی پٹی اٹھاتے ہوئے چادر کے پلو سے آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ اس کی نگاہ دادو جی سے ملی مگر فوراً ہی چرالی اس نے۔

اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ کتنا دل چاہا تھا کہ دادو جی اسے سینے سے لگا لیں جیسے اسے بچپن میں کبھی چوٹ لگ جانے پر وہ کیا کرتی تھیں اور وہ بھی بچپن کی طرح ان کے سینے سے لگ کر ڈھیر سارا روئے اور پرسکون ہو جائے مگر معاملہ مختلف تھا۔ بچپن کی چوٹ اور اس چوٹ میں اتنا ہی فرق تھا، جتنا بچپن اور جوانی میں ہوتا ہے۔

بچپن کی چوٹ کا احساس بچپن تک لیکن جوانی میں لگی ہوئی چوٹ سائے کی طرح تاحیات ساتھ نبھاتی ہے۔

کچھ دیر بعد امی کھانا لے آئیں تو دادو جی نے زبردستی اسے بٹھا دیا۔

"تھوڑا سا کھا لو پھر دوا بھی کھانی ہے۔" ان کی آواز و لہجے میں بس اسی قدر نرمی تھی جو انسانی فطرت کا جزو ہوتی ہے۔

وہ اٹھ تو بیٹھی البتہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ امی چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر بے تاثر لہجے میں بولیں۔

"جس کو سارے حق بخش آئی ہو، کم سے کم اس کا نام ہی بتا دو تاکہ مرنے سے پہلے میں تمہارا اپنے حقوق بخشوا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لوں۔"

"امی پلیز! اس طرح مت کہیں۔" اس نے التجائیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ہر لمحے ایک نیا طنزیہ جملہ سنتے سنتے وہ گویا تھک چکی تھی۔ کسی پھوڑے کی مانند سر دکھنے لگا تھا۔

"پھر کیا کہوں؟" وہ چیخ کر گویا ہوئیں۔ "کچھ اور کہنے لائق تو تم نے ہمیں چھوڑا نہیں۔ پوری عمر کی ریاضت خاک میں ملا دی۔ چلی ہی گئی تھیں تو واپس آنے کی کیا ضرورت تھی جس کے ساتھ منہ کالا کرنے نکلی تھیں' اسی کے ساتھ کہیں نہیں تو کسی کنویں میں ہی کود جاتیں۔" وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھیں۔ ماہا کی نظریں اٹھ کر نہ دیں۔

"خدا کا نام لو بہو! کیوں بیچاری کو طنز کی مار مارتی ہو۔ بد نصیب کی حالت تو دیکھو۔"

"رہنے دیں اماں! اپنی حالت کی ذمہ دار یہ خود ہے۔" انہوں نے بے حد دکھ سے کہا۔ ماہا نے بیتابی سے بڑھ کر ان کی گردن میں بازو حمائل کیے اور کندھے سے سر ٹکا کر زور زور سے رونے لگی۔ داود جی دکھی ہو کر باہر نکل گئیں۔

"میں نے کیا کیا ہے یہ تو بتائیں' جو کچھ کیا ہے اس کمینے نے کیا ہے۔" وہ سسکیوں کے درمیان گویا کرا رہی تھی۔

"تم تو اپنی پوری آمدگی سے گئی تھیں نا۔" انہوں نے بڑی آزردگی سے اس کے کندھوں کو تھپکا۔ وہ اور شدت سے رو دی۔ اک ذرا سی غلطی نے کہاں سے کہاں لا پٹخا تھا۔

"اب یہی بہتر ہے تمہارے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی' اس کا نام پتا بتا دو' شاید کوئی گنجائش نکل جائے۔ گریبان پکڑ کر تولا نہیں سکتے کہ اپنا سکہ ہی کھوٹا نکلا۔ اب تو حلق میں کانٹا پھنسا ہے۔ ہو سکا تو پیروں پر سر رکھ کر نکاح کے لیے منا لیں گے۔ بس اب یہی ذلت سہنا رہ گئی ہے۔"

"آپ مجھے کچھ لا دیں' میں وہ کھا کر مر جاؤں گی پھر آپ کو کوئی ذلت سہنا نہیں پڑے گی مگر خدا کے لیے مجھے شادی کے لیے مجبور نہ کریں۔ میں مر جاؤں گی مگر تبریز سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ امی نے بری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"تبریز؟" وہ الجھ گئی تھیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا' وہ اچھا نہیں ہے مگر آپ نے میری بات نہیں مانی۔ دیکھیں امی! وہ اچھا ہوتا تو کیا مجھے اس حال تک پہنچاتا۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہاری اس حالت کا ذمہ دار تبریز ہے؟"

"جی۔ وہ خط اس نے مجھ سے زبردستی لکھوایا تھا۔" اس نے بدقت کہا مگر دوسرے ہی پل پوری قوت سے مارے گئے تھپڑ نے اس پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

"اور کتنا گرو گی ماہا! اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک شریف انسان پر تہمت لگاتے تمہیں ذرا شرم نہ آئی۔" وہ بڑے غضب میں بول رہی تھیں۔

"دل چاہتا ہے اتنی لگاؤں کہ صدیوں سہلاتی رہو' تب بھی ہڈیاں دکھتی ہی رہیں۔ بے حیا لڑکی' جس کا نام لے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی ہو' وہ تمہاری تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ جب ہم ہارے بیٹھے تھے تو صرف وہ تھا جو ہرا حوصلہ بندھا رہا تھا۔

مجھے تو اس بات پر شرم آ رہی ہے کہ تم میری اولاد ہو' بڑے دل سے پرورش کی تھی' جانے کہاں کمی رہ گئی۔ پہلے اپنے فائدے کے لیے تم نے اس کا نام بدنام کرنا چاہا اور اب جو خود گندگی میں لتھڑ گئی ہو تو بھی اسے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی ہو۔

یہی بکواس کرنی تھی تو وہ خط نہ بھیجتیں اور پھر شاید ہم تمہاری بات پر یقین کر ہی لیتے۔"

ان کے منہ سے لفظ نہیں بلکہ انگارے نکل نکل کر اس کے وجود کو مزید داغ رہے تھے۔

ماں۔ اس کی پیاری ماں۔ جو اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی دیکھ کر اس کی سچائی جان جایا کرتی تھی۔ آج اس کے بھل بھل بہتے آنسوؤں پر بھی مشکوک تھیں۔

ان کے لیے ایک ایسا شخص زیادہ قابل اعتبار ہو گیا تھا جس سے شناسائی کی مدت ان کی بیٹی کی عمر سے بھی کہیں کم تھی۔ اس کی زندگی ان کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھی اور پھر بھی۔ پھر بھی وہ ناقابل اعتبار ٹھہری تھی۔

"میرا وعدہ ہے تم سے ہم کبھی اپنوں سے نگاہ نہیں ملا پاؤ گی۔" اس کے کانوں میں ایک بازگشت سنائی دی۔

اسی پل دروازہ چرچرایا۔

"خدیجہ! تم نے پوچھا اس سے۔" وہ اس آواز کو پہچانتی تھی' یہ اس کے باپ کی آواز تھی۔

"اس سے کچھ بھی پوچھنے کا فائدہ نہیں ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا میری بیٹی اس حد تک پست ذہنیت کی مالک ہو سکتی ہے۔"

"اب کیا ہوا ہے؟"

"اب ہونے کو رہ کیا گیا ہے؟"

"ٹھیک۔ بالکل ٹھیک۔ میں تو صرف یہ بتانے آیا تھا کہ کچھ کھانے پینے کا بندوبست کر لو' کسی کی خوشی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی اتنا تو بہرحال کرنا ہی پڑے گا۔ پانچ دس لوگ ہوں گے۔ عزت بچانے کی بس اب یہی صورت بچی ہے۔ انشاءاللہ آٹھ بجے سے پہلے نکاح ہو جائے گا' سمجھا دینا اسے۔ بس اب ہم پر رحم کھا لے' ساری زندگی زیر بار رہیں گے۔"

ابو جی کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی اور اس کے تن و من ایک جامد سناٹے میں محبوس ہو چکے تھے۔ اس کا دماغ گویا ہوا میں معلق تھا اور سکوت تھا گہرا سکوت۔

✲ ✲ ✲

نکاح ہو چکا تھا۔ اس نے پورے ہوش و حواس اور قطعی آمادگی کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کر دیے۔ وہ اب قیصر ابدال کی منکوحہ تھی۔ وہ ماہا سعید احمد سے ماہا قیصر ابدال ہو چکی تھی اور اگر اس لمحے میں اس کا نکاح تبریز علوی سے ہی کر دیا جاتا تو وہ بالکل مزاحمت نہ کرتی کیونکہ اہم یہ نہیں تھا کہ نکاح کس سے ہوا' اہم بات یہ تھی کہ نکاح کس طرح ہوا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زندگی کا سب سے اہم واقعہ کسی خوفناک حادثے کی طرح زندگی میں در آیا تھا۔ ایک باب کے بند ہوتے ہی ایک نیا باب کھل گیا تھا اور وہ ایک نہایت گمشدہ حالت میں امی کو اپنے گلے سے لگ کر روتا دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ماہا نے بغیر کسی پس و پیش کے ان کی بات مان لی تھی۔

اب انہیں کسی ذلت، کسی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بیٹی کے نکاح کے وقت کم و بیش ہر ماں روتی ہے۔ ان احساسات مختلف ہوتے ہیں۔ جذبات کا رخ دوسرا ہوتا ہے۔ بیٹی کی جدائی کا غم اپنی جگہ مگر ساتھ ہی یہ سکون ہوتا ہے کہ بیٹی باپ کے گھر سے عزت کے ساتھ رخصت ہو کر معاشرے میں معزز رہے گی۔ یہ بے ساختگی سے بہتے آنسو خدا کے حضور تشکر کا فدویانہ اظہار ہوتے ہیں۔

اور یہاں کیا تھا۔ اسے ایک بوجھ کی طرح سر سے اتار کر پھینکا جا رہا تھا۔ ذلت کا داغ دھونے کے لیے اسے رخصت کیا جا رہا تھا اور یوں رخصت کیا جا رہا تھا جیسے کسی کی میت اٹھائی جاتی ہے بلکہ اس سب کو جنازے کا نام دینا بھی غلط تھا۔ کسی لاوارث کے جنازے میں شامل ہونے والوں کی تعداد ان افراد سے زیادہ ہوتی ہے جو اس کی شادی میں شریک ہوئے تھے۔ ماہا سعید احمد وہ لڑکی تھی جس کی قسمت پر اس کے اردگرد رہنے والے لوگ رشک کیا کرتے تھے مگر آج وہ صرف شرمندگی تھی۔ اپنے ماں باپ کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی۔

☆ ☆ ☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو بہت زیادہ نہیں بھرتا تھا۔ مبادا ایک بار پھر چائے کپ کے کناروں سے چھلک کر چند چھینٹے قیصر کی انگلیوں پر آ دے اور اس کی نازک مزاجی پھر سے عود آئے اور اسے قیصر کا موڈ بحال رکھنا تھا۔
یوں بھی وہ اس کے کسی بھی نامناسب رویے پر احتجاج نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایسا کوئی بھی حق نہیں رکھتی تھی جو انسان پیروں سے لے کر ... تک احسان تلے دبا ہو وہ ہر طرح کا حق کھو دیتا ہے بلکہ احسان کے بدلے اس سے ہر حق چھین لیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایسا اصول ہے۔ جس میں ہر فرد اپنی ضرورت کے مطابق کمی بیشی کر لیتا ہے۔
اور وہ بھی احسان مند تھی قیصر ابدال کی جس نے نہایت کڑے وقت میں اس سے نکاح کر کے اس کے گھر والوں کی عزت بچالی تھی۔
نکاح کے دو روز بعد وہ قیصر کے ساتھ اسلام آباد آگئی تھی اور گھر سے نکلتے وقت اس نے ایک آخری حسرت بھری نگاہ گھر کے درودیوار پر ڈال لی تھی۔ ماں باپ کے اجنبی چہروں کو نظر بھر کر دیکھ لیا تھا کہ یہ سب اب اس کے لیے مکمل طور پر اجنبی ہو جانے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر دادو جی کے گلے سے لگی رہی تھی کہ یہ لمس اب اسے دوبارہ نصیب نہیں ہونا تھا اور اسے ابو جی کے کہے الفاظ یاد تھے۔ اسے یہ الفاظ ساری زندگی یاد رہنے تھے۔
"قیصر بہت اچھا بچہ ہے اس نے جو احسان ہم پر کیا ہے میں مر کر بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس گھر میں دوبارہ تم اس حیثیت سے آنا جس حیثیت سے ہم تمہیں رخصت کر رہے ہیں ورنہ اس گھر کے دروازے تمہیں کھلے ہوئے نہیں ملیں گے۔ ایک بار ہم نے تمہیں معاف کر دیا دوسری بار نہیں کریں گے۔"
"نہیں ابو جی! آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔ آپ مجھے ایک ایسی غلطی کی سزا دے رہے ہیں جو میں نے کی نہیں تھی اور آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ کیا جنہیں معاف کر دیا جاتا ہے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟ کیا انہیں یوں بے گانگی سے دیکھا جاتا ہے؟ نہیں ابو جی! میں کبھی نہیں آؤں گی اس گھر میں بھی نہیں آپ کے سامنے بھی نہیں کہ آپ کی نظروں میں میں نے صرف ایک بار نفرت دیکھی ہے دوبارہ دیکھنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔"
وہ بڑے ضبط سے ان کے پتھریلے چہرے پر ایک آخری نظر ڈال کر باہر آگئی تھی جہاں ٹیکسی سے کمر ٹکائے ابدال اس کا منتظر تھا۔
قیصر نے تو بس شادی کے بعد کچھ عرصہ کسی لطیف احساس تلے گزارا تھا۔ اتنی حسین و دلکش بیوی اس کے لیے کسی پرائز بانڈ پر جیتے جانے والے انعام سے کم نہ تھی جو اچانک ہی نکل کر اس کی قسمت سے ٹکرا گیا تھا۔ وہ کئی دن تک ایک خاص طرح کے فخر و ناز میں مبتلا رہا تھا مگر رفتہ رفتہ اس پر ایک پچھتاوا حاوی ہوتا چلا گیا۔ حسن و خوبصورتی کہیں پس منظر میں چلے گئے اور اس نے بڑے آرام سے ہالہ کی خاموشی اور آزردگی کو اپنے مطلب کے معنی دے لیے اور تب ہی اس پر منکشف ہوا کہ بدکردار عورت صرف بدکردار ہوتی ہے عورت نہیں۔
چائے لے کر کمرے میں آئی تو قیصر سر کی پشت پر دونوں ہاتھ باندھے ٹیلی ویژن اسکرین پر نظریں جمائے نیم دراز تھا۔ وہ چائے کا مگ اس کے قریب رکھ کر خود بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔
بظاہر اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ دزدیدہ نگاہوں سے قیصر کے تاثرات ٹٹول رہی تھی۔ قیصر نے اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لفظوں سے بے پروا ہو کر ریموٹ اٹھا کر چینل تبدیل کرنا شروع کر دیے۔

اس کے چہرے پر ایک منجمد سی سرد مہری لاتعلقی تھی جو ماہا کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھ رہی تھی مگر بولنا بھی اس کی بوری تھی کہ آج کل وہ بہت نقاہت سی محسوس کرنے لگی تھی اور پچھلے کچھ روز سے اس کا سر بہت چکرانے لگا تھا۔ ایک عجیب طرح کا بھاری پن اس کے سر کو جکڑے رہتا تھا۔

"تو میں کہہ رہی تھی کہ شام کو ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

ساری عبارت کو اندر ہی اندر کئی بار دہرا کر اور بڑی حوصلہ مندی سے اس نے قیصر کو اپنی کنڈیشن بتا کر گویا گزارش کی تھی اور بہت امید بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اپنی لاپروا طبیعت کے باعث وہ کسی بھی بیماری کو خاطر میں نہیں لایا کرتی تھی۔ یوں بھی اس کی پروا کرنے کے لیے کئی لوگ موجود تھے اور اب جبکہ وہ نہیں تھے تو۔۔۔ قیصر نے مگ اٹھاتے ہوئے نہایت کٹیلی نظر اس پر ڈالی تھی۔

"چکر ہی آئے تھے نا' کوئی دل میں درد تو نہیں ہوا کہ میں گود میں لے کر تمہیں ڈاکٹر کے پاس بھاگ پڑوں۔ فکر نہ کرو' ذرا سے چکر آجانے سے کوئی مر نہیں جاتا۔" کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے پھر سے متحرک تصاویر پر نظریں جما دیں۔ وہ نہایت شرمساری سے اپنے آپ میں سمٹ گئی۔ حقوق اور بھیک میں اب زیادہ فرق نہیں رہا تھا۔ دونوں ایک سی چیزیں ہو گئی تھیں۔

اور ٹھیک ہی تو تھا' ذرا سا سر چکرانے سے کبھی کوئی مرا ہے اور اگر مرا بھی ہے تو وہ کم سے کم اتنی خوش قسمت نہیں تھی۔ اس کا ماضی قریب بد قسمتی کی سب سے بڑی دلیل تھا اور اس کا حال بھی کوئی ایسی ہی دلیل تھا۔

زندگی کے اس لمحے میں اس کے ماں باپ' دادو جی اور تینوں بھائیوں کی یاد کسی کسک کی طرح اس کے حافظے کی رین پر جاگی تھی (جو اس کی نہایت معمولی تکلیف پر بھی گھبرا جایا کرتے تھے) اور جلد ہی محو ہو گئی تھی' وہاں اب ایک یاد باقی تھی۔ اس شتی کی یاد ہنسی بھول جاتی ہے لیکن آنسو کبھی نہیں بھولتے۔ خوشی حافظے سے مٹ ہے مگر غم اولین نقش کی طرح تازہ رہتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے دوست یاد رہے اور دشمن بھول جائے؟

✿ ✿ ✿

اور یہ درست ہے کہ ذرا سا سر چکرانے سے کوئی مر نہیں جاتا مگر کچن میں اس روز کام کرتے جس بری طرح سے کا سر چکرایا تھا اور حواس بے قابو ہوئے تھے تو اسے لگا تھا کہ موت قریب ہے مگر اس سے بھی کیا فرق پڑتا تھا۔ تو کئی بار ایسا لگ چکا تھا۔ نقاہت اتنی بری طرح سے حاوی ہوئی تھی کہ ہلنا بھی محال لگتا تھا۔ وہ بے دم سی ہو کر دقت کے لیے زمین پر بیٹھ گئی۔ رات کے کھانے کے لیے بھونے جانے والے مسالے کی تیز مہک نتھنوں ر کر گویا دماغ میں کد کڑے لگانے لگی تھی۔ اس نے بمشکل ہاتھ بڑھا کر برنر آف کیا اور گرتی پڑتی آکر لاؤنج صوفے پر تقریباً "گر ہی گئی۔ دل کی دھڑکن ایک دم سے بہت تیز ہو گئی تھی۔

سے یہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب ڈور بیل بجنے لگی اور پھر ایک تواتر سے بجتی چلی گئی۔ اس نے تت سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ قیصر نہایت خونخوار تاثرات کے ساتھ کھڑا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کہاں مرگئی تھی' اتنی دیر سے گھنٹی بجا رہا ہوں۔" وہ اسے ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ ماہا نے دروازہ بند کیا اور پھر سے آکر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ اتنی سی مشقت نے دل کو پھر سے بے ہنگم کر دیا تھا۔

قیصر سارے فلیٹ میں آدم بو' آدم بو کرتا پھر رہا تھا۔

"بتا کیوں نہیں رہی ہو' کیوں نہیں کھول رہی تھی۔" چھوٹے سے ڈرائنگ روم' مختصر سے لاؤنج' کچن' باتھ روم اور دونوں بیڈ روم کے ہر کونے میں جھانک کر اور تسلی کر لینے کے باوجود کہ ماہا گھر میں "تنہا" ہی تھی۔ وہ تفتیشی انداز میں اس کی سر پر آکھڑا ہوا تھا۔

"دروازے کی چابی آپ کے پاس ہوتی ہے' روز تو آپ خود ہی دروازہ کھول لیتے ہیں۔"

"روز کھول لیتا ہوں اور آج تم کھول دیتیں تو ہاتھ ٹوٹ جاتے۔"

"قیصر! مجھ سے اٹھ کر پانی بھی نہیں پیا جا رہا اور آپ چاہتے ہیں میں آنا "فانا" دروازہ کھول دیتی۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس نے پہلی بار چونک کر اس کی شکل دیکھی پھر بڑی بے ساختگی سے اس کی کلائی تھام اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا پھر جا کر پانی لے آیا۔

ماہا صوفے کی بیک سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ قیصر کے پکارنے پر ذرا سا سر سیدھا کر کے گلاس لے کر لبوں سے لگا لیا۔ اف دور تک سکون اتر گیا' گویا بھڑکتا الاؤ بجھ گیا ہو۔

"بخار تو نہیں لگ رہا۔ میرا خیال ہے بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے۔ میں ذرا فریش ہو لوں پھر چلتے ہیں ڈاکٹر کے پاس۔" اس کی آواز میں قدرے نرمی تھی۔ وہ ریسٹ واچ کھولتا بیڈ روم کی سمت چلا گیا مگر چند ہی لمحوں بعد ڈور بیل بج اٹھی۔

"اب کون آگیا نامراد۔" قیصر شرٹ کی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے جھنجلایا ہوا باہر آیا۔ ماہا کی حالت قدرے سنبھل چکی تھی۔

چند لمحے بعد قیصر کا چہرہ لابی میں سے برآمد ہوا تو چہرے کے تاثرات قطعی طور پر بدل چکے تھے۔

"دیکھو تو ماہا! کون آیا ہے۔" طبیعت کی تندی و تیزی قطعی غائب۔ فقط ایک نہایت خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے عقب سے خالہ زبیدہ کا چہرہ نمودار ہوا۔

ماہا کی واحد سسرالی رشتہ دار' وہ ان سے پہلے بھی مل چکی تھی۔ اسلام آباد آنے کے بعد وہ لوگ ایک روز خالہ کے گھر ٹھہرے تھے اور خالہ نے اسے قیصر کے بارے میں چیدہ چیدہ معلومات "تمہیں تو پتا ہی ہو گا" کہہ کر سنا دی تھیں۔

وہ رشتے میں قیصر کی دور پار کی خالہ لگتی تھیں۔ قیصر کے والدین اور بہن بھائی چونیاں میں مقیم تھے اور قیصر کا تیسرا تھا۔ بہن بھائیوں کی صحیح تعداد ہنوز نامعلوم تھی۔ خالہ نے ہانپتے کانپتے اسے پیار کیا تھا پھر ہڑبڑا کر پیچھے ہٹیں اور سراپا اس کا جائزہ لیا تھا۔

"ہائے کسی پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ اے بچی کھاتی پیتی نہیں ہو کیا۔ خیر۔ خیر قیصر لے کے گئے اسے ڈاکٹر کے پاس؟" وہ جیسے اپنے ہی کسی خیال میں مگن کہہ رہی تھیں۔

"بس لے کے جانے ہی والا تھا خالہ! پر یہ کہنے لگی کہ آپ آفس سے تھکے ہوئے آئے ہیں۔ کپڑے وغیرہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیں تو پھر چلتے ہیں۔"

قیصر نے اطمینان سے کہا پھر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں منہ ہاتھ دھو چکا ہوں' البتہ تم جا کر اپنا حلیہ درست کر لو۔ زیادہ لاپروائی اچھی نہیں ہوتی۔ ہمیں ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔ واپس آ کر خالہ کو اچھی سی چائے پلوائیں گے۔"

قیصر کے محبت میں ڈوبے اور تشویش بھرے لہجے پر اس نے تو خیر کیا حیران ہونا تھا' البتہ خالہ نے اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

"بس خالہ! اب میں ہی تو ہوں اس کا۔ سوچتا ہوں میں بھی خیال نہ رکھوں تو کیا ہو گا۔" اس نے قیصر کا متین سا بیان سنا اور کمرے میں آ گئی۔ جیسے تیسے کپڑے بدلے' بال سلجھا کر نئے سرے سے باندھنا ایک کار مشکل تھا۔ لہٰذا چہرے پر بکھرے بالوں کو یونہی پنوں لگا کر قید کیا اور چادر اوڑھ کر باہر آ گئی۔

اسے باہر آتا دیکھ کر لاؤنج میں بیٹھے دونوں نفوس یکدم خاموش ہو گئے تھے اور خالہ نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

"ہاں ہو گئیں تیار؟ یار دل تو نہیں چاہتا کہ تمہیں زحمت دوں مگر یہ خالہ اتنی دیر اکیلی کیا کریں گی۔ تم انہیں ایک کپ اچھی سی چائے بنا دو ۔۔۔ کھانا ہم باہر سے پیک کرواتے لائیں گے۔" وہ خاموشی سے کچن میں چلی آئی اور جاتے ہوئے اس نے خالہ کو کہتے سنا۔

"ایسی معصوم صورت اور کرتوت کیسے؟ میں بھی سوچ رہی تھی کہ نئی نویلی والی تو کوئی بات ہی نہیں اس میں۔ اے تو کیا دماغ چل گیا تھا جو "ایسی" سے شادی کر لی۔" خالہ کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔ قیصر اس کی غیر موجودگی میں خالہ کو کیا کیا بتا چکا ہو گا' یہ جاننا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔

"اوہ چھوڑیں خالہ! بھلا اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے اور میرے لیے یہ کیا کم ہے کہ میری وجہ سے ایک عورت راہ راست پر آ رہی ہے۔"

"راہ راست۔" اس نے زیر لب دہرایا اور مسکرا دی۔ انتہائی پھیکی مسکراہٹ چائے بنانے تک اس کے لبوں پر رقصاں رہی اور کان بار بار راہ راست' راہ راست سنتے رہے۔ کیسی مضحکہ خیز بات تھی' جہاں پوری کی پوری زندگی راہ راست سے ہٹی ہوئی تھی' وہاں وہ ایک عورت کو راہ راست پر لانے کی بات کر رہا تھا اور یوں کر رہا تھا۔ گویا کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ بسکٹ کی پلیٹ اور چائے لے کر لاؤنج میں آئی تو قیصر ٹانگ پر ٹانگ رکھے عظمت کے کسی بلند منصب پر براجمان تھا اور خالہ نہایت واری صدقے والی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسے دیکھتے ہی قیصر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا خالہ! آپ ادھر آرام سے بیٹھیں۔ ہم بس آدھے گھنٹے میں واپس آتے ہیں۔" وہ بائیک کی چابی اٹھائے ہوتے بولا پھر اس کے قریب آ کر ہاتھ تھام لیا۔

"بھئی سیڑھیوں سے ہی نہ گر جاؤ۔ خالہ! دروازہ بند کر لیں۔"

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہیں کلینک سے واپسی میں آدھے کی بجائے پورا گھنٹہ لگ گیا تھا۔ خالہ نے بڑی بے قراری سے دروازہ کھولا۔

"اے ہائے۔ میری تو جان ہی نکال دی تھی۔ کب سے انتظار میں سوکھ رہی ہوں۔" انہوں نے دونوں کے خالی ہاتھ دیکھے۔ قیصر تو کہہ گیا تھا کہ کھانا پیک کروا نا لائے گا اور یہاں تو دل بہلاوے کو ایک شاپر بھی نہ تھا۔ انہیں کچھ مایوسی سی ہوئی۔

"کیا کہتا ہے ڈاکٹر؟"

"کچھ نہیں خالہ!" قیصر نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا اس لیے چکر آ گئے تھے اور رنگت بھی پیلی پڑی ہوئی آپ کھانا کھائیں گی؟"

ماہا نے قدرے چونک کر قیصر کو دیکھا جو خبر ڈاکٹر نے سنائی تھی اس کے حوالے سے خوشی کی کوئی ہلکی سی رمق بھی اس کے چہرے پر موجود نہیں تھی اور پھر اس نے خالہ سے جھوٹ بولا تھا۔ وہی خالہ جن کے سامنے وہ بڑے شوق سے اپنی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹ رہا تھا۔ اپنے دھیان میں گم وہ خالہ کی بات سن نہیں سکی تھی۔

"چلیں خالہ! پھر میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

اس سے مروتاً" بھی خالہ سے رکنے کے لیے اصرار نہ کیا گیا۔ خالہ اس سے گلے مل کر باہر نکل گئیں۔ قیصر نے جاتے جاتے اس پر ایک عجیب سی نگاہ ڈالی تھی۔

"دروازہ بند کر لو اور واپسی میں شاید مجھے کچھ دیر ہو جائے۔" اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد دو تین چھوٹے چھوٹے ٹیسٹ لیے تھے اور پھر وہ خبر سنائی تھی جو اسے حیرانی میں مبتلا کر گئی تھی۔ وہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اور ڈاکٹر نے کہا تھا۔ "اپنے اندر ہونے والی تبدیلی کو سب سے پہلے خود عورت ہی پہچانتی ہے۔ حیرت ہے آپ کو پتا ہی نہیں چلا۔ حالانکہ دو ماہ ہونے کو ہیں 'تقریباً" — خیر پہلے بے بی کی بار لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہو جاتا ہے۔"

اور اب اس چھوٹے سے فلیٹ میں وہ خود اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھی۔ اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب رمشا بھابھی کے اس سلسلے کے متعلق سب کو خبر ملی تھی اور سب لوگ کتنے خوش تھے اور وہ سوچنے لگی کہ اگر اس کے متعلق یہ خبر سب کو ملے تو ان کا ری ایکشن کیا ہو گا؟ اور جو اسے یہ لگتا تھا کہ وہ اندر سے مر چکی ہے تو زندگی کے اس لمحے میں اسے لگا کہ نہیں۔ وہ ابھی زندہ ہے کیونکہ اب یک نئی زندگی اس کے اندر سانسیں لینے لگی ہے۔

وہ اس کی سانسوں کو محسوس کر کے مسکرانے لگی اور پھر اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ اس کے ارد گرد' اس کے آس پاس کوئی بھی تو اپنا نہیں تھا جو اس کی اس ذاتی خوشی شریک ہوتا۔ وہ بھی نہیں جو اس خوشی میں برابر کا حصے دار تھا۔

پھر سوا گیارہ کا عمل ہو گا جب قیصر کی واپسی ہوئی۔ وہ سیدھا بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ ماہا دروازہ بند کر کے واپس لاؤنج میں آئی پھر وہاں کی لائٹ بجھا کر بیڈ روم میں آ گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

قیصر بیڈ پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ سارے کمرے میں دھواں ہی دھواں تھا اور چونکہ وہ اچانک کمرے میں آئی تھی اور دھواں اچانک سانس میں شامل ہوا تھا تو اسے کھانسی آنے لگی۔ وہ کھانستی ہوئی اور ہاتھ سے دھواں ہٹاتی الماری کی جانب بڑھی تاکہ قیصر کا سلیپنگ سوٹ نکال سکے۔

"تم ابارشن کروالو ماہا!"

وہ کھانس رہی تھی اور دھوئیں کی کثافت میں اس نے قیصر کی آواز سنی تو بے یقین سی رہ گئی پھر مڑ کر دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا نہایت پتھریلی نظروں سے۔

"مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔" اس نے ماہا کو اپنی جانب دیکھتا پا کر کہا۔

"لیکن مجھے یہ بچہ چاہیے قیصر!" وہ بڑی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی اور اس کا لہجہ بھی نہایت مستحکم تھا۔ قیصر نے ایک خونخوار نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر ان میں بحث چھڑ گئی تھی۔

اور وہ خود بھی اپنی ہمت پر حیران تھی۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ ایک طویل عرصے بعد اسے لگ رہا تھا کہ صدیوں بعد وہ ایک ایسی خوشی سے ہمکنار ہوئی ہے جس سے اس کا دل بھی خوش ہے۔

"میں کیسے اس بچے کو اپنا سکتا ہوں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ بچہ میرا بھی ہے یا نہیں۔" وہ بہت طیش میں حلق کے بل چنگھاڑا تھا اور ماہا کو لگا جیسے کسی نے بہت بڑا پتھر پوری قوت سے اس کے منہ پر مار دیا ہو اور تکلیف ایسی تھی کہ وہ چیخ بھی نہ پائی۔

"لیکن قیصر۔۔۔ میں تو۔۔۔ جانتی ہوں نا۔۔۔ کہ۔۔۔ یہ۔۔۔ بچہ میرا ہے۔" اس نے لکنت زدہ لہجے کے ساتھ بہت آہستگی سے کہا تھا۔ قیصر نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا' بہت غور سے دیکھا مگر اسے ماہا کے چہرے پر ٹھہری التجا نظر نہیں آئی تھی۔

"تو ٹھیک ہے تم رہو اپنے بچے کے ساتھ مگر یہ امید نہ رکھنا کہ تمہارے اس گناہ کو میرا نام ملے گا۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ ہمدردی ہمدردی میں اپنی گردن کٹواتا جاؤں۔ ہر ایک کے گناہ کو سنبھالنا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ پہلے تمہارے باپ کی ہمدردی میں تم سے شادی کرلی مگر اب یہ مصیبت میں نہیں سہہ سکتا۔ تمہیں بچہ پالنے کا اتنا شوق ہے تو اپنے باپ کے گھر جا کر سارے شوق پورے کرو۔ میں کسی بات پر اعتراض نہیں کروں گا لیکن میرے ساتھ رہنا ہے تو تمہیں اس بچے سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ میں اس بچے کے بغیر تو تمہیں اپنا سکتا ہوں مگر اس بچے کے ساتھ نہیں۔ فیصلہ بہرحال تم نے ہی کرنا ہے جو مرضی کرو مگر کل صبح تک۔ تم سوچ لو۔"

وہ نہایت سرد مہری سے کہہ کر واش روم میں گھس گیا۔ ماہا نے چند قدم خود کو گھسیٹا اور بالکونی میں آگئی۔ سامنے ستاروں بھرا آسمان تھا اور ان ستاروں سے پرے جو سیاہی تھی' وہ اس کی تقدیر پر غالب آچکی تھی۔

زمین پر بیٹھ کر اس نے پیشانی گرل سے ٹکا دی۔ فیصلہ تو ہو چکا تھا جو اس نے نہیں' قیصر نے کیا تھا اور اس کی تقدیر نے کیا تھا۔ اس کے لیے زندگی سیاہ آسمان جیسی تھی مگر اس میں ایک ستارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کسی اور کا فیصلہ ماننے پر مجبور تھی۔

گرل سے پیشانی ٹکائے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور ستاروں سے پرے دور کہیں خلاؤں میں بھٹک رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ آج کی رات اس نے جاگ کر گزارنی تھی اور رات بھر اپنے بچے کی موجودگی کو محسوس کرنا تھا۔ وہ جو اس لمحے اس کے وجود کا حصہ تھا اور وہ جس کی سانس کی آواز وہ اپنے کانوں میں محسوس کر رہی تھی۔ ان دونوں کے پاس بس آج کی رات تھی۔ زندگی میں ماں باپ کے بعد سب سے زیادہ اولاد اپنی ہوتی ہے۔ وہ ماں باپ کھو چکی تھی اور اب اولاد کو کھونے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

قید مسلسل کیسی زندگی کو کہتے ہیں؟ شاید ویسی ہی زندگی کو جیسی زندگی ماہا پچھلے تین سال سے گزار رہی تھی۔ زندگی کا اپنا ڈھب تھا جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش قطعاً" نظر نہ آتی تھی۔ ماہا کی حیثیت کسی بکری کی سی تھی جسے قیصر اپنی ٹھوکروں سے آگے دھکیل رہا تھا اور بغیر کسی اعتراض کے جیسے جا رہی تھی۔ قیصر نے کچھ سنا اس کی بھرپور دلجوئی میں گزارے تھے مگر وہ اپنے فیصلے پر قطعی نادم نہ تھا۔ اس کے خیال میں اس نے درست فیصلہ کیا تھا۔

"ایک ایسے شخص کے بچے کو پیدا کر کے تم نے کرنا بھی کیا تھا جو تمہیں ٹھکرا چکا ہے۔" اس نے زخموں پر مرہم بھی یوں رکھا گویا زخم ادھیڑ رہا ہو۔

"ارے تمہیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ مجھ سا اچھا شوہر مل گیا ورنہ ساری زندگی باپ کے در پر گزارنی پڑتی۔"

یہ ٹیپ کا فقرہ تھا جو ان تین سالوں میں مسلسل سنا۔ اس دوران امی جی' ابو جی' داور کے ہمراہ بار اس سے ملنے آئے تھے۔ یہ بڑی عجیب ملاقاتیں تھیں۔ تیسری مرتبہ قیصر نے انہیں اچھی خاصی سنا ڈالیں۔ "بیٹی تو میرے سر منڈھ ہی دی ہے۔ سارا خاندان میرے ذمہ نہیں ہے۔ روز روز بیٹی سے ملنے کا اتنا شوق ہے تو ساتھ ہی لے جائیں اسے۔" یہ آخری ملاقات تھی۔ قیصر صرف منہ پھٹ ہی نہیں' ہاتھ چھٹ بھی تھا۔ وہ ذرا ذرا سی باتوں پر ماہا کو بری طرح زدوکوب کرنے کا عادی تھا۔ وہ اسے روز نت نئے کچوکے لگاتا تھا۔ وہ انتہا کا وحشی تھا۔ ان بیتے سالوں میں قیصر بہت کھل کر اس کے سامنے آ چکا تھا اور اس عرصے میں جو کچھ تبدیل ہوا تھا' ان میں سے ایک یہ شہر بھی تھے۔ ہر جگہ زندگی ایک سی تھی' ٹھہری ہوئی اور پراذیت۔

اور اب وہ لوگ یہاں تھے سکھر میں۔ پتا نہیں وہ آج کل کس محکمے میں کام کر رہا تھا۔ ماہا کبھی اس نے اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ اس بات سے آگاہ کرتا مگر ماہا کو اس قدر ضرور پتا تھا کہ وہ جلدی جلدی ملازمت تبدیل کرنے کا عادی ہے۔ یہ شہروں کی تبدیلی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اس روز قیصر کی گھر واپسی قدرے تاخیر سے ہوئی تھی' وہ بہت کم مسکرانے کا عادی تھا۔ عام طور سے جب خوش ہوتا تھا تو فلک شگاف قہقہے لگاتا تھا لیکن اس روز غیر معمولی طور پر وہ مسکرا رہا تھا اور وہ آتے ہی سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ وہ ماہا پر چیخا چلایا بھی نہیں تھا۔ اگلے روز آفس کے لیے تیار ہوتے وقت اس نے ماہا سے پوچھا تھا۔

"تمہارے پاس کتنے روپے ہیں؟" وہ اس کے لیے ناشتا لے کر کمرے میں آ رہی تھی' آہستگی سے بولی۔

"دو روپے۔"

"ہیں۔" قیصر نے پلٹ کر ایک کڑی نظر اس پر ڈالی پھر دھیمے لہجے میں بولا۔ "مذاق کر رہی ہو۔"

"نہیں۔" وہ ٹرے رکھ کر سیدھی ہوئی پھر شیلف کی شیٹ کے نیچے سے دو روپے کا مڑا تڑا نوٹ نکال کر لائی اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے تصدیق کے لیے اس کے سامنے ڈال دیا۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا' گھر میں رہتے ہوئے تمہیں روپوں کی ضرورت بھی کیا ہے۔ تم بس گھر کے کام کیا کرو' اس میں پیسے نہیں لگتے اور یہ انڈا کیسا فرائی کیا ہے۔ دس ہزار دفعہ بکواس کر چکا ہوں پوری طرح فرائی کیا کرو۔ زردی کچی نہ رہا کرے مگر تمہاری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ ماں نے چکر چلانے کے سوا اور کچھ نہیں سکھایا تھا کیا؟ عجیب مصیبت گلے پڑی ہے۔"

وہ تیز تیز بولتا باہر نکل گیا۔ ماہا جوں کی توں کھڑی رہی حتیٰ کہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ اب قیصر کی واپسی شام ڈھلے یا اس کے بھی کہیں بعد ہوتی تھی۔

اس نے اطمینان سے بیٹھ کر کچی زردی والا انڈا کھایا اور قیصر کے لیے بنائی گئی چائے پی کر کچن میں آگئی۔ ساڑھے گیارہ بجے تک قیصر پھر آگیا' اس کی اس وقت آمد غیر معمولی نہیں تھی۔ وہ اکثر "چھاپہ" مارنے آجاتا تھا مگر اس وقت اس کے انداز سے خاصی افراتفری جھلک رہی تھی۔

"اصل میں یوں ہے کہ مجھے کچھ رقم فوری چاہیے تو تمہارے پاس کوئی زیور وغیرہ تو ہوگا۔"

"یہ بالیاں ہیں اور یہ چین۔" اس نے اپنے کانوں اور گردن کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں بھئی' یہ نہیں۔ وہ جو تمہاری امی نے دو سیٹ دیے تھے' ان میں سے ایک دے دو' کچھ رقم کی ضرورت ہے میرے پاس ہے مگر کم ہے۔ زیور کا کیا ہے پھر بنتا رہے گا۔" اور ماہا نے خاموشی سے لاکر دونوں سیٹ اسے تھما دیے۔

قیصر نے ایک نسبتاً" بھاری سیٹ چن لیا۔ کچھ روز بعد وہ دوسرا سیٹ بھی لے گیا پھر اس کے بعد گھر کے سامان کی باری آئی۔ پہلے ٹی وی گیا پھر فریج اور اس کے بعد فرنیچر اور ماہا کی سمجھ سے باہر تھی یہ صورت حال مگر پھر سب سمجھ میں آگیا۔ قیصر کی واپسی کے اوقات میں کافی تبدیلی آتی جارہی تھی۔ کبھی کبھی وہ سارا دن گھر میں رہتا اور شام ڈھلے گھر سے نکلتا اور پھر رات کو دیر سے واپس آتا۔ کبھی بے حد خوش ہوتا اور کبھی بے تحاشا غصے میں ہوتا۔ ایسے میں وہ خوب چیختا۔

"عجیب فقرے ماں باپ تھے۔ اتنا نہ ہوا کہ بیٹی کو جہیز کے نام پر چار چیزیں ہی دے دیں۔ وہ تو عید مناتے ہوں گے' بلا جو اتر گئی سر سے۔"

اب اس نے ایسی باتیں کرنی شروع کردی تھیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ ساڑھے تین لاکھ کے اس چیک کو بھول جاتا تھا جو ماہا کے سامنے ابو جی نے اسے دیا تھا پھر ایک روز قیصر نے اس کے کانوں سے بالیاں اور چین بھی اتروالی اور اس رات وہ گھر واپس نہیں آیا تھا۔ ماہا کو اس کی دیر سے واپسی کی عادت ہو چکی تھی مگر اتنی دیر تو کبھی بھی نہیں ہوئی تھی اور وہ جو ہر چیز سے بے نیاز ہو چکی تھی' تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ وہ فجر کی نماز پڑھ رہی تھی۔ جب دھڑا دھڑ دروازہ بجا۔ یہ دستک قیصر کی دستک سے مشابہ تھی۔ لہٰذا اسے نیت توڑنا پڑی۔ اس غلطی کو اللہ معاف کر سکتا تھا مگر دروازہ کھولنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو قیصر نے اسے معاف نہیں کرنا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے دروازہ کھولا تو ایک انوکھا سین اس کا منتظر تھا۔ قیصر کو دو آدمی دائیں بائیں سے پکڑے ہوئے تھے۔ اس کے بال منتشر تھے اور گریبان کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ قیصر اتنی مست حالت میں تھا کہ سہارے کے باوجود دو قدم چل کر لڑکھڑا جاتا تھا۔

قیصر جھومتا جھامتا کمرے کی طرف چلا گیا تو ان میں ایک آدمی نے ماہا کو مخاطب کیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھابھی! اصل میں آج اس نے کچھ زیادہ پی لی تھی' اس لیے یہ حالت ہے۔ سو جائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جاتے جاتے پلٹا تھا اور جھجکتے ہوئے بولا تھا۔ "آپ قیصر کو سمجھائیں بھابھی! یہ جو کچھ کر رہا ہے' وہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو شاید پتا نہیں ہے مگر اسے پہلی نوکری سے بھی ان ہی باتوں کی وجہ سے نکالا گیا تھا۔ میں اسی آفس میں کام کرتا ہوں' اس کی کمپنی بالکل بھی اچھی نہیں ہے۔ پہلے تو صرف تاش وغیرہ کھیلا کرتا تھا' اب تو باقاعدہ سٹہ بازی کرنے لگا ہے۔ آفس میں بھی یہ بہت سے لوگوں سے پیسے ادھار لے چکا ہے۔ آپ اسے سمجھائیں' اگر اس کی یہی حرکتیں رہیں تو اس نوکری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔" اور وہ قیصر ابدال کو کیا سمجھاتی' وہ سمجھنے سمجھانے کی حد سے باہر نکل چکا تھا۔ گھر کرائے کا تھا' ایک روز قیصر کی غیر موجودگی میں مالک مکان آکر واویلا کرنے لگا اور اسی کی زبانی ماہا کو پتا چلا کہ پچھلے تین ماہ سے قیصر نے مکان کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا۔

"آج مالک مکان آیا تھا۔" قیصر اس وقت کھانا کھا رہا تھا' جب ماہا نے بات چھیڑی۔ "کرایہ مانگ رہا تھا۔"

"پتا چلا۔" قیصر اطمینان سے کھانے میں جتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"دوبارہ آئے تو کہنا۔ دے دیں گے کرایہ' بھاگے نہیں جا رہے کہیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ پھر جب وہ اس کے لیے چائے لے کر آئی تو کہنے لگا۔

"تم عجیب عورت ہو۔ ہنستی ہو تو لگتا ہے جھوٹ بول رہی ہو' روتی ہو تو اور بھی جھوٹی لگتی ہو۔ تم صرف میری ہو کر رہتیں تو زندگی ایسی نہ ہوتی جیسی اب ہے مگر تم "اسے" اپنے دل سے ہی نہیں نکال سکیں' بڑی زیادتی کی تم نے میرے ساتھ۔"

"چلو جی ایک اور الزام۔" وہ خاموشی سے اسے سرد آہیں بھرتا دیکھتی رہی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔" آج نجانے وہ کس موڈ میں تھا جو یوں اس سے باتیں کیے جا رہا تھا۔ "نام کیا تھا اس کا؟ تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔"

"کسی بھی نام سے پکار لیں' میرے لیے تو وہ صرف الزام ہے اور الزام کو کسی بھی نام سے پکارا جائے' وہ الزام ہی رہتا ہے۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"ہاہاہا۔" قیصر نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا۔ "فلسفہ بول رہی ہو۔"

"نہیں' سچ بول رہی ہوں۔"

"اچھا۔" اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔ "پھر آج ایک اور سچ بولو۔ کبھی ماں باپ کو یاد کیا ہے یا صرف اسی کی یادوں میں ڈوبی رہتی ہو؟"

"ہاں۔" اس کے لب مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ بے فکر رہیں قیصر! میں اب کسی کو بھی یاد نہیں کرتی۔"

قیصر کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا اور ماہا نے ایسی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کے خیال میں یہ وقت کا زیاں ہوتا۔ اس کی بات کا یقین تو ان ماں باپ نے نہ کیا تھا جن کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے بیس سال گزارے تھے تو بیس سال اگر "یقین" کرنے کے لیے تھوڑے ہوتے ہیں تو تین ساڑھے تین سال کی بھلا کیا اہمیت تھی پھر ایسی پر صعوبت زندگی میں اتنی فرصت کسے تھی کہ بیٹھ کر کسی کو یاد کیا جاتا اور یہ سچ ہے کہ یادیں خود بخود چلی آتی ہیں اور دل سے زیادہ دماغ ان کی معاونت کرتا ہے مگر امنگ، بہرحال دل سے اٹھتی ہے۔

"میں یہ بات نہیں مانتا۔" قیصر نے شاید چوتھی بار یہ بات دہرائی تھی۔

"تمہیں تمہارے ماں باپ اور بھائی تو یاد آتے ہی ہوں گے تو میں سوچ رہا تھا کہ دو چار روز کے لیے لاہور ہو آتے ہیں۔"

"نہیں۔" وہ قطعیت سے کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی مگر قیصر اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

"نہیں کیوں نہیں۔ بھئی تم اتنی اداس رہتی ہو ذرا امل لوگی سب سے تو دل بہل جائے گا۔"

"میں اداس نہیں رہتی اور میں وہاں بھی نہیں جاؤں گی۔"

"ارے وہ تمہارے باپ کا گھر ہے اور باپ کے گھر جانا ہر بیٹی کا حق ہوتا ہے۔ تم شاید گھبرا رہی ہو۔ بھئی میں جو ہوں گا تمہارے ساتھ بتم سے لاکھ ناراضی سہی مگر ہاتھ پکڑ کر باہر تو نہیں نکال دیں گے۔" اسے ایکدم سے الجھن ہونے لگی۔ قیصر کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

"خدا کے لیے قیصر! مجھے مجبور مت کریں میں نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں جاؤں گی۔" پتا نہیں وہ اس کے سامنے اتنا کیسے بول رہی تھی۔

"الو کی پٹھی۔" قیصر نے زیر لب کہا پھر بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"او بھئی سمجھا کرو نا اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے ورنہ میں تمہیں کبھی جانے کے لیے نہ کہتا۔"

"اور میں ہر فائدے نقصان سے بے نیاز ہو چکی ہوں قیصر!" اس کی برجستگی نے قیصر کے اشتعال کو ہوا دی تھی۔

"بے وقوف کی بچی! پیار محبت سے کی ہوئی بات تو تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ شوہر کی پریشانی کا تو کوئی احساس ہی نہیں ہے بس اپنا سر اونچا رہے۔"

"کیا پریشانی ہے آپ کو؟"

"میں بزنس شروع کرنے کا سوچ رہا ہوں اور اس کے لیے مجھے رقم چاہیے۔" اس نے ذرا دھیمی آواز میں کہا تھا اور باقی کی بات ماہا کو خود بخود سمجھ آگئی تھی۔

"آپ کچھ اور انتظام کر لیں قیصر! میں وہاں نہیں جاؤں گی اور نہ ہی ابو جی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں گی۔"

"تو پھر میں پیسے کہاں سے لاؤں؟"

"ہاں اب گھر میں فروخت کے لائق بھی تو کچھ نہیں رہا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری ذرا سی بات مان لیتی تو بڑے فائدے میں رہتی۔"

"اور میں نے کہا نا میں ہر فائدے سے بے نیاز ہو چکی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ بھگتو اب بیٹھ کر اور مجھے الزام نہ دینا میں نے تمہیں سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ نہیں مانتی تو مت مانو۔ ہمیں پروا نہیں۔ بھئی ہم تو ہیرے کی کان کے مالک ہیں۔ ہم سے پہلے کسی اور نے اس کان میں قدم رکھ دیا تو کیا ہوا' مالک تو ہم ہی ہیں۔" اس نے قیصر کو باہر کی جانب جاتے دیکھا پھر باورچی خانے میں آگئی۔ اسے رات کے لیے کھانا تیار کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر رقم کا انتظام تو نہ ہو سکا' البتہ قیصر ابدال نے کاروبار یا لاخر شروع کر دیا۔ خاصا نفع بخش کاروبار۔

"تمہیں آج شیخ صاحب کے ساتھ جانا ہے۔ صبح یہ خود ہی تمہیں گھر چھوڑ جائیں گے۔"

قیصر اس کے سامنے سر اٹھائے کھڑا تھا اور اس کے عقب میں خضاب زدہ داڑھی دار شیخ صاحب اور کاروبار کی بنیاد یوں رکھی گئی کہ اسے "بنیاد" بنا کر ایک بازی لگائی گئی پھر قیصر ہار گیا اور شیخ صاحب جیت گئے اور اب وہ دونوں یہاں تھے اس کے سامنے۔ قیصر کی گردن ہارنے کے باوجود کسی فتح یاب جواری کی طرح تنی ہوئی تھی اور ماہا کے اردگرد آکسیجن یکدم نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ اس نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا۔ شام کے دھندلکے پر رات کی سیاہی غالب آرہی تھی۔

اس آسمان سے پرے۔۔۔ دور۔۔۔ کہیں بہت دور۔۔۔ وہ جو خدا تھا۔۔۔ جو انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا دعوے دار ہے اور جس کی محبت ستر ماؤں سے بھی زیادہ ہے۔۔۔ تو اگر وہ تھا؟۔۔۔ تو کہاں تھا؟ اس نے گردن جھکا کر اپنے شوہر کی جانب دیکھا تھا۔

"میں وضو کر چکی ہوں' نماز پڑھ لوں؟" اس نے اپنے دلال سے اجازت چاہی۔ قیصر نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اس سے قبل ہی شیخ صاحب نے اسے اجازت دے دی۔

"آپ نماز پڑھ لیں' میں انتظار کر لیتا ہوں۔"

قیصر خاموش رہا۔ گاہک مال کی وصولی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر برداشت کرنے پر تیار ہو تو دکاندار چوں چرا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ قیصر بھی اس پوزیشن میں نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے کمرے میں آگئی۔ اس نے الماری کے نچلے حصے سے جائے نماز نکالی اور اسے کعبہ کے رخ پر بچھا دیا۔ جائے نماز پر کھڑے ہونے سے لے کر نماز کے اختتام تک اس کے ہاتھ پاؤں بہت بھاری رہے۔ اس کے بعد تسبیح پڑھتے بنا اس نے اپنا سر سجدے میں گرا دیا پھر وہ دیر تک اسی حالت میں رہی' اس کے وجود کا بھاری پن خالی پن میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے رب سے کوئی بات نہیں کی۔ اس کے پاس جو لفظوں کا ذخیرہ تھا' وہ گویا کھو گیا تھا۔

وہ سیدھی ہو بیٹھی اور اس کی نظریں جائے نماز پر وہاں تھیں' جہاں اس نے سجدہ کیا تھا۔

"چلو اب اٹھ جاؤ۔ خود کو زیادہ پاکباز ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے سارے اگلے پچھلے کرتوتوں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

واقف ہوں میں۔"

اس نے قیصر کی آواز سنی۔ اگلے چند لمحے خاموشی سے کٹے۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں دوبارہ سجدہ ریز ہو چکی تھی۔

"پہلے نکاح کے بغیر میری تذلیل ہوئی پھر نکاح کے ساتھ میری تذلیل کی گئی اور اب یہ پھر۔ آپ نے مجھے سب کچھ دیا اور مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ میں آپ سے کوئی شکوہ نہیں کرتی' کوئی شکایت نہیں کرتی۔ میں آپ کی مخلوق میں سے ہوں اور اپنی مخلوق سے آپ جو بھی سلوک کریں' وہ آپ کا حق ہے مگر مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ یہ جو قسط وار موت کا سلسلہ ہے' یہ رکے گا بھی یا نہیں؟"

وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ چند لمحوں کا توقف کیا پھر جائے نماز تہہ کر کے الماری کے نچلے حصے میں رکھی۔ دوپٹہ اتار کر اپنی سیاہ چادر اوڑھی اور معمول کے انداز میں قیصر کی معیت میں باہر آ گئی۔

"پریشان مت ہونا' شیخ سے بس آج رات کا معاملہ طے ہوا ہے' اس سے زیادہ کچھ گڑبڑ کرے گا تو میں نمٹ لوں گا جس بنگلے میں یہ تمہیں لے کر جائے گا' وہاں کا ایڈریس ہے میرے پاس۔ صبح دس بجے تک کی بات طے ہے۔ یہ خود تمہیں چھوڑ جائے گا' ورنہ دوسری صورت میں میں پہنچ جاؤں گا اور بات سنو' ذرا خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ بڑی تگڑی آسامی ہے۔" وہ اسے کچھ اور بھی ہدایات دے رہا تھا۔

شیخ نے اس کے لیے کار کا فرنٹ ڈور وا کیا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور سفر شروع ہوا۔ موت کی اگلی قسط کی طرف۔ وہ موت جس نے اس کے بدن پر کچوکے لگا لگا کر زخموں میں ذلت کی ریت بھری تھی۔

وقت بہت سست روی سے گزر رہا تھا۔ کار بہت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اور وہ مٹی کی مورت کی مانند سیٹ کی پشت سے کمر ٹکائے خالی خالی نظروں سے گزرتے مناظر دیکھ رہی تھی۔ شیخ نے گفتگو کا آغاز کر کے اس وقتی ہمراہی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی پھر اس کی بے توجہی محسوس کر کے خاموش رہا۔

زندگی میں کچھ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب انسان کے تمام تر احساسات منجمد ہو جاتے ہیں۔ ساہا بھی ایسے ہی لمحات کے زیر اثر تھی تب ہی ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔

"لعنت ہو بھئی۔" شیخ نے جھنجلاتے ہوئے انداز میں گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی مگر گھرر گھرر کی آوازوں کے بعد سناٹا چھا جاتا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" شیخ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے اور یہاں دوہری افتاد سر پر پڑی تھی۔ انجن گرم ہو چکا تھا اور ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی کی ضرورت تھی اور پانی تھا نہیں۔ شیخ نے بے دریغ دو تین ٹھوکریں ٹائر کو ماریں پھر اپنے حواس پر قابو پاتا اس کی جانب آیا۔

"انجن گرم ہو گیا ہے' پانی کی ضرورت ہے۔ یہاں قریب ہی ایک بستی ہے' میں وہاں سے پانی لے کر آتا ہوں' تم شیشے چڑھا لو۔"

وہ جلدی جلدی اسے بتا کر ایک طرف مڑ گیا۔ ساہا کے لب مسکراہٹ کے انداز میں پھیل گئے اور اس نے پہلے جیسا انداز نشست اختیار کر لیا۔ بھیڑیے کی آماجگاہ میں تو وہ تھی پھر کس کے خوف سے شیشے چڑھاتی۔

گاڑی کے باہر گہری تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سڑک کے دائیں جانب انتہائی حد پر چند قمقمے جگمگا رہے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے تب ہی سناٹے میں ارتعاش پیدا ہوا۔ کسی سمت سے ٹرین کی مخصوص آواز آرہی تھی اور اس آواز نے اس کے حواس کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے باہر چاروں طرف نظر دوڑائی۔

شیخ نہیں تھا اور کار کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اس کے بدن میں برقی رو دوڑ گئی۔ شاید یہی وہ موقع تھا جو خدا نے بطور خاص اسے فراہم کیا تھا۔ نجات قریب تھی' وہ سرعت سے باہر نکلی اور سڑک کی مخالف سمت میں بھاگنا شروع کردیا۔ ٹرین' پوری آواز سے پٹڑی پر دوڑ رہی تھی آواز پوری شدت سے اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"بس ٹھیک ہے جب مرنا ہی ہے تو یہ قسط وار موت کیوں؟ ایک کام تو خود کرسکتی ہوں۔ اپنی زندگی کا خاتمہ کرنا میرے ہاتھ میں ہے اور میں ایسا ہی کروں گی۔" وہ تاریکی میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی وہ سڑک سے اتر کر کچے راستے پر بھاگنے لگی۔

شیخ کہیں پیچھے رہ گیا تھا اور اندیشے اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ شیخ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ جو عورت پوری آمادگی سے اس کے ساتھ چلی تھی وہ اسے یوں چھوڑ کر فرار ہوسکتی ہے۔ اور قیصر۔ قیصر کیا سوچے گا؟ اس کی کیا کیفیت ہوگی۔

بھاگتے بھاگتے اس کی ٹانگیں شل ہونے لگی تھیں۔ وہ رک کر ہانپنے لگی۔ وہ پٹڑی اور ٹرین نجانے کہاں کھو گئی تھیں جن کی آس پر چلی تھی ان کا تو کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

اس کے عقب میں سرسراہٹ سی ابھری تو وہ ہراساں ہو کر بھاگی نتیجتاً" پوری قوت سے رستے میں حائل درخت سے ٹکرا گئی اس کے چہرے کے بائیں طرف بڑی شدید چوٹ لگی۔ وہ گھٹنوں کے بل آگے کی طرف گری۔ چند لمحے گزرے پھر وہ بے دم ہو کر گر گئی۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمندر کے کنارے سورج نگل رہے تھے۔

وہ کچھ دیر یہ منظر دیکھتے رہے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے گاڑی ایک طرف پارک کی۔ جب وہ لاک لگانے لگے تو اسی وقت ان کے کوٹ کی جیب میں رکھا موبائل گنگنا اٹھا۔ انہوں نے کوٹ اتار کر لاپروائی سے پیسنجر سیٹ پر ڈال دیا۔

انسان زندگی کے کچھ لمحے صرف اپنے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ وہ بھی کسی ایسے ہی موڈ کے زیر سایہ تھے۔ ساحل سمندر پر شام ڈھلے پھیلنے والی رونق قدرے ماند پڑ رہی تھی۔ زیادہ تر لوگوں کا رخ قریبی ریستوران، کیفے وغیرہ کی طرف تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے پانی کی جانب بڑھنے لگے پھر جب لہروں نے ان کے پیروں کو چھوا تو انہوں نے جھک کر اپنی ڈریس پینٹ کے پائنچے گھٹنوں سے تھوڑا اوپر فولڈ کر لیے۔ (بوٹ وہ وہیں کار میں اتار آئے تھے)۔ پھر جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر ڈوبتے سورج کو دیکھنے لگے یہ منظر انہیں ہمیشہ سے اٹریکٹ کرتا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے یہ منظر روحیہ کی آنکھوں میں ابھرتے دیکھا تھا تو اپنا سب کچھ اس کے آگے ہار گئے تھے۔

"تمہیں پتا ہے ہارون! تمہاری آنکھیں بولتی ہیں اور اتنا بولتی ہیں کہ میں ان کی باتیں سنتے سنتے پاگل ہونے لگتی ہوں۔" ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکا کر جب وہ مزے سے اپنی آنکھیں اٹھاتی تھی تو ان کا اپنا دل پاگل ہونے لگتا تھا۔

"ہارون! میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں کہیں چھپا دوں کسی ایسی جگہ جہاں تم کسی کو نہ دیکھ سکو۔ پھر تم صرف مجھے دیکھو، مجھے چاہو اور مجھے ہی سراہو۔"

وہ اکثر ان سے کہا کرتی تھی اور وہ دیر تک اس کی جذباتیت پر ہنسا کرتے تھے مگر انہوں نے اس کی خواہش کا احترام ضرور کیا تھا اور اس حد تک احترام کیا تھا کہ اب جب کہ وہ نہیں تھی تب بھی وہ کسی کی جانب نہ دیکھ پائے تھے اور جب دیکھ نہیں سکے تھے تو چاہنے اور سراہنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

گیلی ریت ان کے پیروں تلے گدگدی کر رہی تھی اور آتی جاتی لہروں کا شور عجیب سا فسوں پھونک رہا تھا وہ دیر تک وہاں کھڑے ماضی کو حال کے قیمتی لمحات نگلتے دیکھتے رہے پھر جب چاروں طرف اندھیرا گمبھیر ہونے لگا تو وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

واپس پلٹ آئے۔

تیرہ مارچ کا سورج سمندر کی گہرائی میں منہ چھپا چکا تھا اور وہ خود کو قدرے پرسکون محسوس کر رہے تھے۔ ماضی کی کچھ خوشگوار یادوں نے آج انہیں بہت ستایا تھا۔ اتنا ستایا تھا کہ وہ بے چین ہو کر آفس سے اٹھ آئے تھے۔ بہت دیر تک ادھر ادھر گاڑی گھماتے پھرے اور پھر یہاں آئے تو سورج نے ان کی توجہ کھینچ لی۔ آج کی تاریخ کبھی ان کے لیے بہت اہم تھی اور اب آج کی تاریخ ان کے لیے ایک بوجھل پن کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔

انہوں نے کار کا دروازہ کھولا تو موبائل ابھی تک بج رہا تھا انہیں ایک دم سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ یہ کوئی بہت اہم کال بھی ہو سکتی تھی۔ جسے انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔

انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالا اور ٹانگیں کھلے دروازے سے باہر کی جانب نکال کر بیٹھ گئے۔

"ہاں خضر! کہو۔" وہ ڈس پلے پر نمبر دیکھ چکے تھے۔

خضر ان کے چند خاص آدمیوں میں سے تھا وہ حیدر آباد کا رہنے والا تھا اور وہیں ہارون کے آبائی گھر کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

"سر! آپ نے مجھے قیصر ابدال کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"ہاں ہاں تم نے پتا کیا پھر۔" وہ جیسے کسی خیال سے چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ چار روز قبل انہوں نے خضر سے قیصر ابدال کے متعلق حمنہ کی مطلوبہ معلومات اکٹھی کرنے کے لیے کہا تھا۔

"آئی ہیو اے بیڈ نیوز سر! ہی از ایکسپائرڈ۔" وہ شاید ہارون کا ردعمل جاننے کے لیے خاموش ہوا پھر بولا۔

"تقریباً تین ہفتے قبل زہریلی شراب پینے کی وجہ سے اس کی موت ہوئی ہے اب ہو تو یہ بھی سکتا ہے کہ یہ ایک حادثہ ہو مگر جس محلے میں وہ رہتا تھا وہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ اسے جان بوجھ کر کوئی زہریلی چیز کھلائی گئی ہے اصل میں ایک روز قبل قیصر ابدال کا کسی شیخ آفتاب نامی شخص سے جھگڑا ہوا تھا محلے داروں کو جھگڑے کی اصل وجہ تو نہیں معلوم مگر کافی تو تکار ہوئی تھی۔ ویسے سر یہاں قیصر ابدال کی ریپوٹیشن کچھ اچھی نہیں ہے سوائے مالک مکان کے کسی کو یہاں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔"

"ہوں۔" ہارون نے مبہم سا کہا۔ "تم پولیس اسٹیشن گئے تھے؟"

"جی سر! میں نے وہاں بھی پتا کیا ہے مگر پاکستان میں ایسے کیسز کا کیا حشر ہوتا ہے یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"اچھا کچھ اور پتا چلا ہو؟" وہ متجسس تھے تو صرف حمنہ کی وجہ سے۔

"نتھنگ اسپیشل سر! بس یہی پتا چل سکا ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ ادھر پنجاب کی طرف چونیاں کا رہنے والا تھا اور وہاں کسی گارمنٹ فیکٹری میں سپروائزر کے طور پر کام کر رہا تھا مگر پھر اسے نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے خضر۔" انہوں نے اسے کچھ ہدایات دے کر فون بند کیا۔ اب یہ معلومات انہیں حمنہ تک پہنچانی تھیں مگر ایک مسئلہ درپیش تھا حمنہ کی حالت ایسی قطعاً نہیں تھی کہ اسے کوئی بری خبر سنائی جاتی مگر بتانا بھی ضروری تھا۔ انہوں نے پہلے Missed Calls چیک کیں جو کہ ساری کی ساری خضر کی تھیں البتہ ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زارون کی جانب سے موصول ہونے والا میسج تھا۔
انہوں نے کچھ سوچ کر علی کے سیل فون کا نمبر ملایا تاکہ اسے قیصر ابدال کے متعلق بتا سکیں پھر اگر علی مناسب سمجھتا تو حمنہ کو بھی بتا دیتا۔

☆ ☆ ☆

"رونا چاہتی ہو تو رو لو دل ہلکا ہو جائے گا۔" حمنہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ماہا کی کیفیت کچھ کچھ اس کی توقع کے مطابق ہی تھی۔ قیصر کے بارے میں سن کر وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی پھر جب وہ دیر تک اس کیفیت میں رہی تو حمنہ نے گھبرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔
"میں رونا چاہوں تو آنکھوں میں آنسو نہیں آتے اور ہنسنا چاہوں تو ہونٹوں پر ہنسی نہیں آتی۔ میں بہت بے بس ہو چکی ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر حمنہ کی جانب دیکھا تھا۔ حمنہ کو اس کی آنکھوں میں صرف اذیت اور دکھ دکھائی دیا تھا اور اسے ایسا لگا تھا کہ اگر یہ لڑکی اب بھی نہ روئی تو اپنا کوئی بہت بڑا نقصان کر بیٹھے گی۔
"اور میں ہنسوں بھی تو کس بات پر اور روؤں بھی تو کس کے لیے۔ میں تو کل بھی خالی ہاتھ تھی۔ آج بھی خالی ہاتھ ہوں آپ مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں میں بڑی شکر گزار ہوں گی۔"
اس نے بہت التجا آمیز لہجے میں کہا تھا حمنہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بے اختیار بھیگ سی گئی تھیں۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے علی نے جب اسے قیصر کی موت کی خبر دی تھی تو بجائے کسی دکھ کے اس نے سکون کا مظاہرہ کیا تھا۔
"اچھا ہوا۔ کم سے کم زمین کا بوجھ تو ہلکا ہو گیا۔" اس کے دل میں قیصر ابدال جیسے وحشی اور بے غیرت شخص کے لیے ذرا سی ہمدردی بھی نہیں ابھری تھی اور اب اگر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں تو وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ ماہا سے انسیت محسوس کرنے لگی تھی اور وہ پیاری اور معصوم سی لڑکی اسے بے حد مظلوم لگتی تھی۔ وہ بیڈ روم میں آئی تو علی ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس نے محض اپنی کیفیت چھپانے کے لیے وارڈ روب کھول لی علی نے اچٹتی سی نظر حمنہ پر ڈالی تھی۔
"حمنہ! کیا ہوا ہے۔" وہ اسی ایک نظر میں حمنہ کی کیفیت پا گیا تھا۔
"تم انیکسی کی طرف سے آ رہی ہو؟" علی نے قریب آ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ حمنہ نے بھیگی بھیگی آنکھوں سمیت سر اس کے مضبوط شانے سے ٹکا دیا تھا۔ اگرچہ جگ بیتی آپ بیتی کبھی نہیں ہوتی مگر حساس دل کا کیا کیا جائے جسے سبھی غم بس اپنے ہی لگتے ہیں۔
علی نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھ دیا۔ محبت بھرے لمس میں بڑی تقویت ہوتی ہے اسے بھی تقویت ملی تھی۔
"علی۔" اس نے سر اٹھا کر علی کی جانب دیکھا۔ "کیا ہم ماہا کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"
"میرا خیال ہے جتنا ہم اس کے لیے کر سکتے تھے اتنا تو کر ہی رہے ہیں۔"
علی نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا پھر روم ریفریجریٹر سے ٹھنڈا پانی نکال لایا اور گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"تم نے اس سے اس کے پیرنٹس کے بارے میں پوچھا؟"

"ہوں۔" اس نے گلاس تھام کر لبوں سے لگالیا۔ "مگر وہ ان کے پاس جانا نہیں چاہتی جب انہوں نے پہلے اعتبار نہ کیا تو اب کیا کریں گے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم اسے کسی دارالامان وغیرہ میں بھجوادیں۔"

"دارالامان والوں کو وہ اپنے ماں باپ سے زیادہ اپنا ہمدرد سمجھتی ہے۔" علی کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی رمق تھی۔

"جس مصیبت سے وہ گزری ہے اس کے بعد تو وہ کسی کو بھی اپنا ہمدرد نہیں سمجھتی۔"

"تمہیں بھی نہیں؟" علی نے پوچھا۔

"شاید۔" وہ کوئی حتمی جواب نہ دے سکی پھر دکھ سے بولی۔ "آپ کو احساس نہیں ہے میں نے بے حد مشکل سے اس سے حقیقت اگلوائی تھی۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ سب حقیقت ہے۔"

"مطلب۔۔۔"

"مطلب یہ کہ ہم اس کے بارے میں صرف وہی کچھ جانتے ہیں جو اس نے خود ہمیں بتایا ہے اس بات کا فیصلہ کیسے ہوگا کہ جو کہانی اس نے ہمیں سنائی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ۔"

"علی! آپ کو ڈاکٹر نہیں پولیس میں ہونا چاہئے تھا ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔" وہ چیخ کر بولی تھی۔

"دلوں کا حال تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم تو اسی پر یقین کریں گے ناں جو منہ سے بتایا گیا ہے۔"

"ضروری تو نہیں ہے کہ ہم یقین کریں۔" علی نے کہا تو وہ قطعیت سے بولی۔

"میں یقین کرتی ہوں آپ مرد تو ہوتے ہی بے حس ہیں مجال ہے جو کسی سے ذرا سی ہمدردی کرلیں بس ہر ایک پر شک کریں گے۔" علی کے لبوں پر بڑی بے ساختگی سے مسکراہٹ بکھری تھی۔

"بس پھر تو میں اتنا ہی کہوں گا کہ مردوں کے بارے میں تمہارا تجزیہ بالکل ہی ناقص ہے۔ ہم مرد ہمدردی ہمدردی میں بہت دور تک جایا کرتے ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ کم سے کم تم مجھے ہمدردی کرنے کا مشورہ مت دو۔ ایسا نہ ہو کہ ساری زندگی سر پکڑ کر رونا پڑے۔"

"جو مجھے رلائے گا وہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دے کہ پھر میں اسے خوش رہنے دوں گی۔ زندگی عذاب نہ بنادوں تو میرا نام بھی حمنہ نہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ ہمدردی ضرور کریں مگر ذرا فاصلے سے۔" اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔ علی کو اس کے انداز نے لطف دیا تھا وہ جو اسے افسردگی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا تو کامیاب رہا تھا۔

"حمنہ تم بھی ناں۔"

"ہاں اب کہہ دیں کہ پاگل ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"نہیں بھئی تم تو میری جان ہو۔" علی کھسک کر اس کے قریب ہوا اور کندھے کے گرد بازو پھیلا دیا۔

"علی! کیوں ناں ہم ماہا کی شادی کروادیں۔" اس نے بہت سوچ کر کہا تھا علی کے چہرے پر اکتاہٹ سی پھیل گئی۔

"حمنہ! یار میرا موڈ اچھا خاصا رومینٹک ہے۔ کیا ہم تھوڑی دیر کے لیے ماہا کو بھول نہیں سکتے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"بھول جاتے ہیں۔" حمنہ نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے سے سر ٹکا دیا۔

"مگر علی ہمیں اس بارے میں سوچنا ضرور چاہیے۔ ماہا اب تنہا ہے ظاہر ہے ساری زندگی تو ہم اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کر دیں۔ سچ علی! اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوں گے۔" علی نے مسکرا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

"ایک لڑکی بہت بڑی ذمہ داری ہو سکتی ہے لیکن تم نے جو اتنا بڑا لالچ دیا ہے تو اس لیے میرا دل کچھ کچھ راضی ہو گیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے لیکن حمنہ! تم اس بارے میں پریشان مت ہوا کرو یہ تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ آج سے یہ ذمہ داری میری۔ تم بس اپنا اور ہمارے بچے کا خیال رکھو۔" علی کا انداز اس قدر قطعی اور دو ٹوک تھا کہ وہ خاموش سی رہ گئی ساتھ ہی اس نے علی کی بات مان لی تھی۔

پھر بہت سے دن یونہی دبے پاؤں گزر گئے تو ماہا نے دوبارہ دارالامان جانے کی بات کی۔ حمنہ نے چند لمحے کے لیے اس کا چہرہ دیکھا پھر بہت نپے تلے سے جملے اس کے لبوں سے ادا ہوئے۔

"تم دارالامان جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں روکوں گی نہیں لیکن میرے پاس تمہارے لیے ایک بہتر آپشن موجود ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔" وہ بغور اس کا متورم چہرہ دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"دراصل میں، میں کافی عرصے سے لالہ کے لیے کسی اچھی گورنس کی تلاش میں تھی علی اب اخبار میں اشتہار دینے لگے تھے تو میں نے سوچا کیوں ناں تم سے پوچھ لوں۔ دارالامان میں بھی تو تم کوئی نہ کوئی کام کرو گی تو یہی کام کیوں نہیں۔ پھر میں نے نوٹ کیا ہے کہ لالہ تم سے کافی مانوس ہو گئی ہے گل بی بی کی بات تو وہ سنتی ہی نہیں ہے۔

پھر میں بھی اس کنڈیشن میں نہیں ہوں کہ لالہ کے آگے پیچھے بھاگتی پھروں ابھی تو خیر مجھے کچھ عرصے تک ڈیوٹی بھی جوائن نہیں کرنی مگر بعد میں بھی مجھے تمہاری وجہ سے کافی تسلی رہا کرے گی۔ تم اچھی طرح سے سوچ لو پھر کل پرسوں یا جب تک مرضی جواب دے دینا مگر پلیز ماہا! انکار مت کرنا اس میں تمہارا فائدہ ہے اور میرا بھی اور تمہیں یہاں کسی قسم کے مسئلے کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔"

حمنہ نے بطور خاص اپنے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے دھیرے سے اس کا ہاتھ دبایا تھا ماہا سر ہلا کر اٹھ گئی اور اب سوچنا کیا تھا جب انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو وہ اس چیز پر قناعت کرتا ہے جو اسے مل رہی ہوتی ہے ماہا نے بھی اسی اصول کی پیروی کی تھی۔ یہ والا آپشن دارالامان جانے سے ہر حال میں بہتر تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک نوخیزی صبح میں حمنہ نے عمر کو جنم دیا تھا علی بے تحاشا خوش تھا۔

"ہم اپنے ولی عہد کے اونر میں ایک گرینڈ فنکشن کریں گے۔" اس نے جھک کر عمر کے نرم و نازک سے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"اور چونکہ ہم بے حد خوش ہیں اس لیے چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی بہت شاندار سا گفٹ دیا جائے تو بتائیے ملکہ عالیہ! کیا پیش کیا جائے آپ کی خدمت میں؟" علی کا چہرہ اندرونی خوشی کی حدت سے جھلملا رہا تھا حمنہ مسکرا دی۔

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے علی! بس تھوڑی دیر کے لیے آپ اپنے ولی عہد کو مجھے دے دیں تاکہ میں اسے فیڈ

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کروادوں۔"

"ارے۔" عمر کو اس کی گود میں ڈالتے ہوئے علی نے تعجب سے کہا۔ "تمہیں کچھ بھی نہیں چاہیے؟"

"نہیں۔"

"حد ہے بھئی۔ اتنے دل سے پوچھ رہا ہوں۔ کچھ اور نہیں تو کم سے کم ساٹھ کی دہائی کی فلمی ہیروئنوں کی طرح شرما کر اتنا ہی کہہ دو کہ مجھے تو صرف آپ کی محبت چاہیے۔" علی نے منہ لٹکا کر کہا۔

"جو چیز پہلے ہی صرف میری ہے اسے دوبارہ مانگ کر کیا کروں گی۔" اس کے لہجے میں متبسم سی لاپروائی تھی جو صرف محبتوں کا اعجاز ہوا کرتی ہے۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے بند مٹھی مسکراتے لبوں پر جما کر نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"ویسے ایک بات مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔"

"کیا؟" حمنہ نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

"تم ہو ہی خوبصورت یا صرف مجھے لگتی ہو۔" علی کا لہجہ شریر سا تھا حمنہ کے چہرے پر شرمگیں سا تاثر بکھر گیا۔

"عمر بڑا ہو جائے تو اس سے پوچھ لیجیے گا۔"

"پھر بتا ہے عمر کیا کہے گا کہے گا پاپا! آپ کو وہ والا محاورہ سوٹ کرتا ہے دل آئے گدھی پہ پری کیا چیز ہے۔"

"جی نہیں۔" وہ یقین سے منہ بنا کر بولی۔

وہ کہنی کے سہارے اس کے سامنے نیم دراز ہو رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اندر آنے والی گل بی بی تھی۔

"صاحب! آپ کے لیے فون ہے۔" ناچار علی کو اٹھنا پڑا حمنہ گل بی بی سے لالہ رخ کے متعلق استفسار کرنے لگی۔

"چھوٹی بی بی ادھر ماہا بٹیا کے پاس ہے۔"

"ماہا۔" اس نے پل بھر کو سوچا پھر گل بی بی سے مخاطب ہوئی۔ "گل بی بی! ذرا ماہا کو تو بلا کر لائیں۔ دو روز ہو گئے ہیں مجھے گھر آئے ہوئے اور اس نے اپنی شکل بھی نہیں دکھائی۔" گل بی بی سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی تو حمنہ قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھتے ہوئے انتظار کرنے لگی پچھلے ڈیڑھ ماہ سے جو معاملہ پس پشت چلا گیا تھا وہ پھر سے سامنے آن رکا۔ حمنہ چاہتی تھی کہ ماہا سے اس کی شادی کے بارے میں بات کرے مگر ابھی تک اس کی عدت کی مدت باقی تھی لہٰذا یہ بات کچھ مناسب نہیں لگی پھر اس سلسلے میں ابھی کوئی آپشن بھی تو موجود نہیں تھا ابھی تو فقط ایک خیال تھا جسے عملی جامہ پہنانا تھا اور پتا نہیں علی نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت کی تھی یا نہیں وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ لالہ کی معیت میں ماہا اندر داخل ہوئی۔ حمنہ نے زبردست مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ حمنہ تک بمشکل پہنچی۔

"وعلیکم اسلام۔ کیسی ہو ماہا؟"

اس نے مثبت انداز میں سر ہلا دیا لفظوں کے معاملے میں وہ خاصی کوری ہو چکی تھی لیکن حمنہ نے تو اولین

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ملاقات سے اسے ایسا ہی پایا تھا سوائے ایک بار کے اس نے ماہا کو مسلسل بولتے نہیں سنا تھا بلکہ وہ تو شاید اشد ضرورت کے وقت بھی نہیں بولتی تھی سر گردن ہلا کر گزارا کر لیتی تھی۔

"کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو ناں۔" حمنہ نے اس کے بڑی سی چادر میں لپٹے وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہاں نہیں ماہا آپی! یہاں آئیں ناں دیکھیں بھیا کتنا کیوٹ ہے۔" لالہ کی بے چینی عروج پر تھی۔ ماہا اس کے قریب آگئی پھر ایک نظر حمنہ کی گود میں عمر پر ڈالی اور مسکرا دی۔

"ہاں بہت کیوٹ ہے۔" اس کی مسکراہٹ میں بشاشت نام کی کوئی شے موجود نہ تھی اس نے حقیقتاً" مسکرانے کا تاثر دیا تھا اور حمنہ سوچ کر رہ گئی تھی کہ یہ نازک سی لڑکی جب پوری شدت سے ہنستی ہوگی تو کیسی لگتی ہوگی۔

"آپ کو بہت مبارک ہو۔"

"تھینکس! لیکن یہ مبارک تمہیں دو روز پہلے دینی چاہیے تھی۔"

"میں آپ کے پاس آنا چاہتی تھی مگر۔"

"مگر۔" حمنہ نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"دادو جی کہا کرتی تھیں بچے بہت نازک ہوتے ہیں اس لیے بری قسمت والوں کو ان سے دور رکھنا چاہیے۔ نومولود جلدی اثر قبول کرتا ہے۔"

"دقیانوسیت۔ نری دقیانوسیت۔" حمنہ نے سر جھٹکا زندگی میں پہلی بار ایسی عجیب و غریب منطق سنی تھی۔ "ہر انسان کی تقدیر اس کے ساتھ ہوتی ہے کوئی کسی کا اثر قبول نہیں کرتا اور تم سے کس نے کہہ دیا کہ تمہاری قسمت بری ہے۔"

"اب کسی کے کہنے کی گنجائش بھی تو نہیں ہے۔"

"ماہا۔" حمنہ نے فوراً" خفگی سے اسے ٹوک دیا پھر فہمائشی انداز میں بولی۔

"یہ سب فارغ رہنے کا نتیجہ ہے پتا نہیں بیٹھی کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔ ویسے تم پڑھائی کیوں نہیں شروع کر دیتیں میں تمہیں کتابیں لادوں گی میرے خیال سے نئے سرے سے پڑھائی شروع کرنے میں تمہیں دشواری نہیں ہوگی۔"

"ہاں۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ "بس ایک زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا دشوار ہے باقی تو ہر کام آسان ہے۔" اس کا لہجہ بے انتہا ٹوٹا ہوا تھا اور شکستگی اس کے چہرے پر رقم تھی۔

"نہیں۔" حمنہ نے قطعیت سے اس کی بات رد کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا پھر نرمی سے سہلاتے ہوئے بولی "زندگی کو بھی نئے سرے سے شروع کرنا دشوار نہیں ہے بس تھوڑا سا حوصلہ تھوڑی سی ہمت درکار ہوتی ہے۔"

"اور وہ تھوڑا سا حوصلہ تھوڑی سی ہمت مجھ میں نہیں ہے بالکل بھی نہیں ہے۔" حمنہ کو اس کی آواز بھرائی ہوئی لگی تھی مگر اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں جیسے کوئی بے آب و گیاہ زمین ہو۔ حمنہ نے گہری سانس بھر کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"صرف نیگٹیو ہی کیوں سوچتی ہو ماہا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس لیے کہ میری زندگی میں اب پوزیسو کچھ بھی نہیں رہا۔ زندگی مجھے گزارنے کی ابتدا کر چکی ہے اور میں۔"

"اور تم انتہائی احمق ہو۔" حمنہ نے اس کی بات قطع کی۔ "زندگی کسی کو بھی کچھ نہیں دیتی اپنے حصے کی خوشیاں خود بڑھ کر لینی پڑتی ہیں تمہیں بھی اپنے حصے کی خوشیاں خود ہی حاصل کرنی ہوں گی۔" پھر وہ بہت دیر تک ایسی باتیں کرتی رہی جن کے ذریعے اس کے اندر امید کی کوئی کرن بیدار کی جا سکے اور پھر پتا نہیں وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی تھی یا نہیں۔ بس اتنا ہوا تھا کہ جاتے جاتے ماہا پلٹ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ بہت اچھی ہیں حمنہ! اتنی اچھی کہ کبھی کبھی مجھے آپ کی اچھائی پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔" وہ ندامت سے کہتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"غلطی تمہاری نہیں ہے ماہا! غلطی ان حالات کی ہے جو تمہیں پیش آئے۔" اس کی ادا پر مسکراتے ہوئے وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد علی کمرے میں آیا تو وہ دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

"علی! آپ نے ماہا کے سلسلے میں کچھ کیا؟" "تمہارے خیال میں مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟" علی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا پھر محض چڑانے کی غرض سے بولا۔

"ویسے پہلے میں نے سوچا کہ کیوں ناں ہم اسے گود لے لیں مگر پھر تمہارا خیال آگیا۔ تم یقیناً اتنی بڑی لڑکی کی ماں بننا پسند نہیں کرو گی اور کچھ اچھی بھی نہیں لگو گی۔"

"علی میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔"

"ہاں تو میں بھی تو سنجیدہ ہوں اسی لیے میں نے اپنے سرکل میں کچھ لوگوں سے بات کی تھی۔"

"تو پھر۔"

"پھر یہ کہ انتظار کرنا پڑے گا اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ادھر ہم سوچیں ادھر کام ہو جائے۔" وہ وارڈ روب کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"دیکھو بیوی۔" علی وارڈ روب کا پٹ تھام کر نہایت طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"دیکھو بیوی! تمہارے دو بھائی تھے جو دونوں کے دونوں بیاہے گئے میرا بھائی پچھلے سال پار لگ گیا۔ میرے والدین حیات نہیں اور تمہارے اماں ابا جس عمر میں ہیں وہاں معاف کرنا کسی کی ہمدردی میں بھی کوئی چانس نہیں بن سکتا۔ اب ایک ہی صورت نکل سکتی ہے کہ میں خود کو پیش کر دوں۔"

"ہارون بھائی! بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ ذرا بھی شریف نہیں ہیں۔" وہ جلبلا کر بولی تو علی نے ہنسنا شروع کر دیا۔

"اس میں غصہ ہونے کی کیا بات ہے میں تو صرف تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا۔" علی کو اس کی جلبلاہٹ لطف دے رہی تھی۔

"رہنے دیں آپ۔ خواہ مخواہ میری وجہ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں میں۔" اس نے لاپروائی سے رخ پھیر لیا علی کی باتیں بس باتیں ہی ہوتی تھیں۔ دوسرے ہی پل وہ بری طرح چونک گئی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے پرجوش انداز میں ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "اسے کہتے ہیں لڑکا بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔"

"کیا۔" علی نے تعجب سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "میرے بارے میں کہہ رہی ہو؟"

"ہارون بھائی کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔" وہ اپنے اس خیال پر بے طرح خوش ہوتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ مذاق اپنی جگہ مگر اس کا خیال تھا کہ علی اس کی تائید کریں گے مگر علی اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا تھا پھر اگلے ہی پل ناگواری سے سر جھٹک کر بولا۔

"فوراً" سے پیشتر اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔"

"لیکن کیوں علی!" اس نے متحیر ہو کر پوچھا پھر فوراً" بولی۔ "ماہا بہت اچھی لڑکی ہے اس کے ساتھ جو کچھ ہوا۔۔۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ بری ہے؟ وہ اچھی ہوگی۔ بہت اچھی ہوگی۔" علی نے سرعت سے اس کی بات کاٹی اور وہ جو یہ سوچ کر کہ علی کی سوچ بھی سطحی ہے بدگمان ہو رہی تھی الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"تو پھر۔؟"

"حمنہ! ہارون کبھی نہیں مانے گا۔" وہ وارڈ روب کھلی چھوڑ کر بیڈ پر جا بیٹھا اور بہت سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ "وہ ابھی تک روبینہ کو بھول نہیں سکا۔ میرا نہیں خیال کہ اس کی زندگی میں کسی اور عورت کی گنجائش ہے۔"

حمنہ کو ایک گونا سکون ہوا۔ کم سے کم علی نے کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا تھا جو ماہا سے تعلق رکھتا ہو۔

"نہیں گنجائش نکالنی چاہیے آخر کب تک یونہی تنہا رہیں گے اور آپ اچھے دوست ہیں۔ ویسے تو بڑا بھائی چارہ قائم کر رکھا ہے کبھی ہارون بھائی کی تنہائی کا خیال نہیں آیا آپ کو۔ بلکہ آپ کو تو بہت پہلے انہیں شادی کا مشورہ دینا چاہیے تھا۔

ہم دونوں مل کر انہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے علی! ماہا نہ سہی تو کوئی اور سہی۔ لیکن مجھے ابھی ابھی احساس ہوا ہے کہ ہارون بھائی نے زندگی کی کتنی بڑی خوشی خود پر حرام کر رکھی ہے۔ وہ بھی ایک ایسی عورت کی وجہ سے جو۔۔۔" علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"گو کہ میں تم سے متفق ہوں مگر پھر بھی میں ہارون سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ ایک مرتبہ پہلے بھی میں نے اسے فورس کرنے کی کوشش کی تھی نتیجتاً" محترم خاصے زنانہ انداز میں ناراض ہو گئے تھے کئی روز تک مجھ سے بات بھی نہیں کی تھی اور پھر اسی شرط پر مانا تھا کہ میں دوبارہ ایسی بات نہیں کروں گا۔" حمنہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ساتھ ہی قدرے دکھ سے بولی۔

"ہارون بھائی بہت محبت کرتے تھے ناں روبینہ سے؟"

"ہوں۔" علی نے اختصار سے جواب دیا۔

"شاید اسی لیے انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی۔" اس نے قیاس آرائی کی تو علی بولا۔ "ہاں! اور اب تک میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جب اب تک شادی نہیں کی تو پھر یکایک کیسے مان جائے گا۔"

"یکایک نہیں مانیں گے مگر ہم آہستہ آہستہ تو انہیں راضی کر ہی سکتے ہیں۔ زہرہ آنٹی زندہ ہوتیں تو شاید اب تک زبردستی ان کی شادی کروا چکی ہوتیں مگر خیر۔۔۔ کل آ رہے ہیں ناں ہارون بھائی۔ تو میں ان سے ضرور بات کروں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گی۔" وہ مصمم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہارون بھائی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" حمنہ نے سادہ سے لہجے میں کہا تو وہ جو استری شدہ کپڑے ترتیب سے وارڈ روب میں رکھ رہی تھی بے طرح پریشان ہو کر حمنہ کی شکل دیکھنے لگی۔ وہ بہت واضح اور دو ٹوک لہجے میں حمنہ کے ہارون بھائی کا پرپوزل ریجیکٹ کر چکی تھی اور اتنی واضح ریجیکشن کے بعد کسی قسم کی ملاقات کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔

"مجھے معاف کر دیجئے حمنہ مگر میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ میری زندگی میں مزید کسی حادثے کی گنجائش نہیں ہے۔ دو مردوں کے تجربے نے مجھے ہر مرد سے متنفر کر دیا ہے۔ میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتی۔ حمنہ پلیز آپ ان تک میری معذرت پہنچا دیں۔"

وہ التجا آمیز لہجے میں کہتی کچن میں آگئی اسے لالہ کے لیے فرنچ فرائز تیار کرنے تھے حالانکہ اس وقت اس کے دل کی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی اور وہ کچھ دیر لیٹنا چاہتی تھی مگر اس نے اپنے دل کی کیفیت کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور تندہی سے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔

غیر ارادی طور پر ہی سہی مگر پھر بھی وہ اس گھر کا ایک فرد بن چکی تھی۔ لالہ اور عمر تو خیر اس کی ذمہ داری تھے ہی ساتھ ہی ایسی بہت سی ذمہ داریاں جو گھر کے مکینوں کی ہوتی ہیں وہ ماہا اپنے سر لے چکی تھی۔ کس نے کھانا کھا لیا یا کون ابھی بھوکا ہے۔ کس کے کپڑے پریس ہیں یا کس کے کپڑے ابھی دھلے ہی نہیں۔ رات سونے سے قبل حمنہ نے دودھ کا گلاس لیا یا نہیں۔ علی بھائی لیٹ نائٹ کمپیوٹر پر کام کرتے رہے ہیں انہیں کافی پہنچ گئی یا نہیں اور اسی طرح کے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام وہ اپنی خوشی سے انجام دینے لگی تھی۔ گل بی بی بھی اس سے بہت خوش رہتی تھی کیونکہ ماہا کے آنے سے اس کی بہت سی ذمہ داریوں میں کمی آگئی تھی۔ اب وہ شام ڈھلے ہی اپنے گھر چلی جایا کرتی تھی ورنہ اس سے قبل اسے رات دیر تک حمنہ اور علی کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

"آپ کا فون ہے بیٹا!" گل بی بی اطلاع دیتے ہوئے کچن میں داخل ہوئی پھر چھری اس کے ہاتھ سے لے کر خود آلو کاٹنے لگی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ماہا اس گھر کے مالکان میں سے نہیں ہے اس کے باوجود اسے مالکان جیسی عزت دیتی تھی۔

"میرا فون....." وہ حد درجہ چونک گئی۔ بھلا اسے کون فون کر سکتا تھا وہ بھی یہاں؟ دل میں خواہ مخواہ ہزاروں وسوسے جنم لینے لگے۔

اس نے لاؤنج میں آکر دھیرے دھیرے لرزتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"السلام علیکم۔ خیریت سے ہیں آپ؟" نہایت دوستانہ انداز میں پوچھا گیا۔ ماہا کا دل پوری شدت سے کسی نے مٹھی میں جکڑا تھا۔ آواز اجنبی لیکن انداز گفتگو جانا پہچانا سا محسوس ہوا تھا۔

"ہارون بات کر رہا ہوں۔" وہ غالباً اس کی الجھن سمجھ کر گویا ہوا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اوہ۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"دراصل میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ میں آپ کو ساڑھے سات بجے تک پک کرلوں گا۔ پلیز بی ریڈی۔ مجھے انتظار کرنے سے سخت نفرت ہے۔ ساڑھے گیارہ تک مجھے کراچی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ اس سے پہلے ہی میں آپ کو گھر ڈراپ کردوں گا۔ آل رائیٹ' ساڑھے سات بجے ملتے ہیں اللہ حافظ۔"

فون بند ہوچکا تھا وہ ہکا بکا اپنے ہاتھ میں بے جان ریسیور کو دیکھتی رہی پھر کچھ دیر بعد ہوش میں آکر جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوئی اور کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔

یہ حکم تھا یا کسی پروگرام کی اناؤنسمنٹ۔ وہ وہیں صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگی اور جیسے جیسے سوچتی جارہی تھی الجھن میں مبتلا ہوتی جارہی تھی۔ بھلا اب ان حضرت نے کیا بات کرنی ہے اور اگر وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو میں بھی تو اس سے بات کرسکتی ہوں۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے خود کو ہارون سے ملاقات کے لیے آمادہ کرلیا تھا۔

ساڑھے سات سے کچھ دیر قبل اس نے حمنہ کو مطلع کیا تو حمنہ نے کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا البتہ اس نے ماہا کے لباس پر تنقیدی نگاہ ڈالی تھی۔

"تم کپڑے تو بدل لو۔"

ماہا کے لیے اس کے چہرے سے کوئی بھی اندازہ لگانا مشکل تھا اسے چہرے پڑھنے کا فن کل آیا تھا نہ آج۔ مگر اسے ایسا ضرور محسوس ہوا تھا کہ یہ ملاقات حمنہ کی سازش کا نتیجہ ہے۔

"میں نے صبح ہی نہا کر کپڑے تبدیل کئے ہیں یہ ہی ٹھیک ہیں۔" اس نے حسب معمول دھیمی سی آواز میں کہا۔ حمنہ ہولے سے مسکرادی اور اس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

"بیسٹ آف لک۔"

ماہا کے لب استہزائیہ انداز میں پھیل گئے جس لڑکی کے پاس سرے سے Luck تھا ہی نہیں اسے Best of Luck کہنا کیسی مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔

کچھ دیر بعد ہارون کے ساتھ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اگرچہ وہ گھبراہٹ کا شکار نہیں تھی مگر پھر بھی اپنا آپ بہت عجیب محسوس کررہی تھی۔

وہ کم سے کم ہارون کو اپنا پوائنٹ آف ویو اچھی طرح سمجھا سکتی تھی۔ حمنہ اور علی کے اس پر بہت احسانات تھے اور ان سے بات کرتے ہوئے وہ خود کو انہی احسانات کے بار تلے دبا محسوس کرتی تھی جبکہ ہارون سے وہ کھل کر بات کرسکتی تھی تبھی اس سے ملاقات پر آمادہ ہوئی تھی۔ راستہ بھر ہارون نے اس سے حال احوال دریافت کرنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی وہ بھی زیادہ تر وقت اندر ہی اندر وہ الفاظ ترتیب دیتی رہی تھی جو اسے ادا کرنے تھے اور اب ریسٹورنٹ کے وسیع ہال میں وہ کونے کی اور قدرے کم روشنی والی میز پر بیٹھی اس شخص کے رویے پر حیران ہورہی تھی۔

"یہ جلفریزی ٹیسٹ کیجئے۔ مجھے بہت پسند ہے۔"

وہ ویک ڈش اس کی سمت بڑھاتے اور پھر انتظار کیے بغیر خود ہی اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ نکال دیتے۔ مینو

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کارڈ ہاتھ میں لے کر انہوں نے ماہا سے کہا تھا۔

"میں آپ کو اپنی پسند کا ڈنر کرواتا ہوں۔" اور انہوں نے ویٹر کو کچھ ڈشز کے نام لکھوا دیے تھے۔ اب ر اب جیسا کہ انہوں نے کہا تھا تو ماہا کو اپنی پسند کا ڈنر ہی کروا رہے تھے۔

ماہا کی فل سائز پلیٹ میں جلفریزی کے ساتھ چائنیز رائس رائتہ اور سلاد انہوں نے ڈال کر دیے تھے۔ ماہا بمشکل دو تین نوالے ہی لے سکی تھی جبکہ ہارون بہت رغبت سے کھا رہے تھے۔

"یا اللہ یہ شخص کتنا کھاتا ہے۔" ان کی رفتار دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ اسی پل ہارون نے اسے متوجہ کیا۔

"یہ پرانز (جھینگے) بھی تو ٹرائی کیجیے۔ یہ یہاں کی خاص سوغات ہیں۔" اور اس سے قبل کہ وہ ماہا کی پلیٹ میں مزید کسی چیز کا اضافہ کرتے اس نے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر حفاظتی حصار باندھا تھا۔

"پلیز نہیں۔ میں یہ نہیں کھا سکتی۔ مجھے پسند نہیں ہیں۔"

"ارے۔" وہ بولے پھر ڈش رکھ دی۔ "لیکن لڑکیوں کو تو پرانز پسند ہوتے ہیں۔" ماہا سر جھکا کر پلیٹ میں چمچہ چلانے لگی۔

"ڈیزرٹ میں آپ کو آئسکریم پسند ہوگی یقیناً۔ لڑکیوں کو میٹھے میں آئسکریم ہی پسند ہوتی ہے۔" انہوں نے ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد کہا اور یوں کہا گویا لڑکیوں کی پسند ناپسند کے بارے میں پی ایچ ڈی کیے بیٹھے ہوں۔

ماہا دل ہی دل میں کوفت میں مبتلا ہوتی رہی۔ وہ جس مقصد کے لیے آنجناب کے ساتھ تشریف لائی تھی وہ مقصد تو تقریباً "اب فوت ہوتا نظر آرہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں صرف کھانا کھانے آئی ہے اور ہارون کے منہ سے وہاں کے کھانے کی تعریف سننے آئی ہے۔

بہت سی دوسری چیزوں کے بعد اب وہ آئسکریم کی تعریف کر رہے تھے اور ماہا سن رہی تھی۔ ہارون نے اپنے لیے کافی منگوائی تھی۔

ماہا سر جھکائے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گفتگو کا آغاز کس پہلو سے کرے۔ لفظوں کا مناسب استعمال تو خیر پہلے بھی اسے کرنا نہیں آتا تھا جو منہ میں آتا فوراً "بول دیتی تھی اور اب جبکہ وقت اور حالات دونوں بہت بدل گئے تھے تو وہ مناسب استعمال تو کیا لفظوں کا سرے سے استعمال ہی بھول گئی تھی۔

"آپ کی آئسکریم پگھل رہی ہے۔" ہارون نے میز کی سطح انگلی سے بجا کر اسے متوجہ کیا تو پہلے وہ چونکی پھر غیر ارادی طور پر چمچہ اٹھا لیا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ آئس کریم بالکل زندگی کی طرح ہوتی ہے۔ اہمیت نہ دو تو پگھل پگھل کر ختم ہو جاتی ہے۔"

کافی کے سپ لیتے ہوئے وہ بغور اسے تکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ماہا کی چمچے پر گرفت ذرا سی کمزور ہوئی۔ وہ ان کے دیکھنے کے انداز پر پہلی مرتبہ کنفیوز ہوئی تھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" انہوں نے پھر پوچھا مگر وہ خاموشی سے آئسکریم کپ کو دیکھتی رہی۔

"اف۔ ایک تو یہ بہت پرابلم ہے۔ آپ بہت سوچ سوچ کر بولتی ہیں انسان جب سوال کر کے بھول جاتا ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تب آپ جواب دینے پر تیار ہوتی ہیں۔" وہ مزے سے بولے اور اب کی بار ماہا سے کچھ بھی نہیں بولا گیا۔

"اس کی زبان کے آگے خندق ہے۔ بولتے وقت کبھی نہیں سوچتی۔ نجانے اگلے گھر جا کر اس کا کیا بنے گا۔"

اس نے تھوک نگلا۔ یہ لفظ' یہ باتیں کب اس سے کس نے کہیں تھیں وہ بخوبی جانتی تھی مگر سامنے بیٹھا ہوا شخص نہیں جانتا تھا تبھی بولتا رہا تھا۔

"کراچی سے مجھے کوئٹہ کی فلائیٹ پکڑنی ہے انشاءاللہ نیکسٹ منڈے تک واپس آجاؤں گا۔ اس کے بعد فرانس سے ایک ڈیلی گیشن آرہا ہے اس کی میزبانی کے فرائض سرانجام دینے ہیں مزید ایک ہفتہ لگے گا اس کے بعد کے بیس پچیس دن میں بالکل فارغ ہوں۔ میرا خیال ہے شادی کے لیے وہی بیس پچیس دن مناسب رہیں گے۔"

آئسکریم کا چمچہ اس کے ہاتھ سے پھسلتے پھسلتے بچا۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں بعد میں نہ کہیے گا کہ ڈیٹ فکس کرتے ــــ وقت آپ سے پوچھا ہی نہیں گیا۔"

یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ عجیب اور پریشان کن تھی۔ ماہا کی آنکھیں بالکل ہی جھک گئیں۔ اب اسے کیا خبر تھی کہ اس کا انکار ہارون تک پہنچایا ہی نہیں گیا۔

"م۔ میں۔۔۔ آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے بڑی مشکل سے خود کو کہنے پر آمادہ کیا۔

"او ہاں۔۔۔ حمنہ نے مجھے اس بارے میں بتایا تھا۔ میں بھول گیا۔"

پتا نہیں وہ واقعی اتنا انجان تھے یا صرف ظاہر کر کے ماہا کی پریشانی میں اضافہ کر رہے تھے بہرحال کہتے کہتے انہوں نے کافی کا بڑا سا سپ بھرا اور پھر مگ میز پر رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے انداز نشست اتنا آرام دہ تھا گویا بیڈ روم میں بیٹھے ہوں۔

"چلیے یہ معاملہ بھی حل کیے لیتے ہیں۔ کیوں شادی نہیں کرنا چاہتیں آپ مجھ سے؟ اینڈ بائی دا وے آپ کو اعتراض کس بات پر ہے۔ شادی پر یا مجھ سے شادی پر؟"

"میں۔۔۔ آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" اس نے ہکلا کر کہا۔ جو اعتماد وہ گھر سے لے کر چلی تھی نجانے کہاں چلا گیا تھا۔

"اوکے۔۔۔ مان لیا میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن یہ تو کوئی لاجک نہیں ہے انکار کی آپ کے پاس کوئی سالڈ ریزن ہے تو بتایئے۔"

وہ بڑے اعتماد سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے مخاطب تھے۔

"میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو آپ بھی تو میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں لیکن ہم ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتائیں گے تو کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"اور جب آپ کو میرے بارے میں سب کچھ پتا چل جائے گا تو فوراً میری شکل پر تین حرف بھیجیں گے اور شادی کا خیال اپنے دل سے نکال دیں گے۔" یہ پہلا طویل جملہ تھا جو اس نے ادا کیا تھا۔ [illegible]

[illegible] سے بولے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہیں جبکہ آپ تو مجھے اچھی طرح جانتی بھی نہیں۔" ماہا پل بھر کو چپ سی رہ گئی۔

"میں بیوہ ہوں۔" اپنی طرف سے اس نے انکار کی ایک نہایت معقول وجہ پیش کی تھی۔ ہارون نے اتنی ہی تیزی سے کہا تھا۔

"اور میں بیوہ کا مرد ہوں..... سمجھیے میری بیوی مر چکی ہے۔"

ماہا بے حد متعجب ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی حمنہ نے اسے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ "جس عورت کا شوہر مر چکا ہو اگلے تو شادی میں بالکل بھی تامل نہیں ہونا چاہیے بحیثیت مسلمان ہمیں خدا کی خوشنودی کو مدنظر رکھنا چاہیے اور خدا نے بیوہ عورت کو شادی کی اجازت دی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اس بات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر خدا نے اس معاملے میں کوئی لچک رکھی ہے تو یقیناً اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی جیسے خدا کے دیگر کاموں میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں مگر تفصیل سے بات کرنے کے عادی لگتے تھے۔

"اور اگر آپ کو ہمارے ایج ڈفرنس پر اعتراض ہے تو یہ بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں کافی بڑے تھے نعوذ باللہ میں خود کو اس عظیم ہستی سے نہیں ملا رہا محض ایک مثال دے رہا ہوں کہ عمر کا تفاوت اتنا اہم نہیں ہوتا۔ ویسے آپ کو ایک بات بتاؤں میں نے سن رکھا ہے کہ بڑی عمر کے شوہر بیویوں کے لیے بہت اچھے ثابت ہوتے ہیں۔ آزمائش شرط ہے۔" یکایک ان کے لہجے میں شوخی در آئی ماہا کی نظریں میز کے کنارے سے ٹکرا رہی تھیں۔

"آپ مجھے گھر چھوڑ آئیں۔" اس نے نظر اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔

"چھوڑ آئیں گے بس ذرا شادی کی ڈیٹ فکس کر لیں۔" ہارون نے برجستگی سے لاپروائی کی حد کی تھی۔

ماہا نے بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں جمع ہوتے پانی کو پیچھے دھکیلنے اور ہارون سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی بے حسی پر بڑی بری ضرب لگی تھی۔

"آپ کچھ نہیں جانتے۔" اپنے اندر پچھاڑیں مارتی سسکیوں کو تھپکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے ہر لفظ پر بہت زور دیا تھا۔

"آپ کچھ بھی نہیں جانتے یہ چند روز کی ہمدردی آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گی۔ مگر میرے لیے ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا پلیز آپ کو کوئی بہت اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔"

"ہاں مجھے اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔" ہارون نے ایک بار پھر اطمینان کا مظاہرہ کیا۔ "مگر ضروری تو نہیں کہ وہ اچھی لڑکی مجھے بھی اچھی لگے۔"

وہ اسے پوری طرح نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"آپ سمجھے۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہارون نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا کیونکہ سمجھنے کی ضرورت مجھے نہیں بلکہ تمہیں ہے۔" انہوں نے ٹیبل پر بازو رکھ کر قدرے آگے جھکتے ہوئے اپنائیت سے کہنا شروع کیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مت تھکاؤ خود کو اتنا۔ جبکہ تم جانتی ہو کہ تمہیں ایک سہارے کی ضرورت ہے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت۔" جگ میں سے پانی انڈیل کر گلاس اسے پیش کر دیا۔

"میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سننا کیونکہ دوبارہ کبھی زندگی میں میں یہ باتیں دوہرانا نہیں چاہتا۔" انہوں نے گویا تنبیہہ کی تھی۔

"خدا کے یہاں حادثات نہیں ہوتے ماہا' فرشتوں کے یہاں بھی نہیں ہوتے جس طرح غلطی صرف انسان کے حصے میں آئی ہے اسی طرح حادثات بھی صرف انسان کے حصے میں آئے ہیں۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا اور حادثات کو بھلایا جا سکتا ہے۔"

ماہا نم آنکھوں سے انہیں بغور تکتے ہوئے سن رہی تھی اردگرد کی ساری حقیقتیں جیسے کسی پس منظر میں چلی گئی تھیں پیش منظر صرف ہارون اور ان کی آواز رہ گئی تھی اور وہ انہیں دیکھ رہی تھی اور سن رہی تھی۔ وہ انہیں سنتے رہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بوندیں ایک تواتر سے ٹھنڈے گلاس پر برس رہی تھیں۔ اس نے انگلی کی پور آہستگی سے شیشے پر رکھ کر نمی کو محسوس کرنا چاہا پھر گہری سانس بھر کر پیشانی شیشے سے ٹکا دی اور باہر برستی بارش دیکھنے لگی۔ اسے اس سرگرمی میں مزہ آ رہا تھا ایک طویل مدت بعد ابر رحمت کو رحمت کی مانند پرسکون انداز میں برستے دیکھنا اچھی دلچسپی ثابت ہو رہی تھی۔

رات کے ساڑھے دس کا عمل تھا۔ ڈھائی گھنٹہ قبل جب وہ ہارون کے ساتھ رخصت ہو کر اس گھر میں آ رہی تھی تو حمنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

"تم نے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے۔ دیکھنا ماہا' تمہیں اپنے فیصلے پر کبھی پچھتانا نہیں پڑے گا۔ ہارون بھائی بہت پیارے انسان ہیں۔ وہ تمہارا بہت خیال رکھیں گے۔"

حمنہ پر یقین تھی اور ماہا اس نے بہت عرصہ پہلے یقین کرنا چھوڑ دیا تھا اس نے بہت عرصہ پہلے پر امید رہنا بھی چھوڑ دیا تھا لیکن رسک انسان امید کے سہارے ہی لیتا ہے اور وہ رسک لینے پر تیار ہو گئی تھی۔ پچیس روز قبل وہ ہارون سے ملنے پر صرف اس لیے تیار ہوئی تھی تاکہ انہیں اپنا نقطہ نظر سمجھا کر پیچھے ہٹنے پر آمادہ کر سکے مگر ریستوران کا ہال چھوڑنے سے پہلے وہ خود آمادہ ہو چکی تھی۔

"میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سننا کیونکہ دوبارہ کبھی زندگی میں میں یہ باتیں دوہرانا نہیں چاہتا۔ خدا کے یہاں حادثات نہیں ہوتے ماہا! فرشتوں کے یہاں بھی نہیں ہوتے جس طرح غلطی صرف انسان کے حصے میں آئی ہے اسی طرح حادثات بھی صرف انسان کے حصے میں آئے ہیں۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا اور حادثات کو بھلایا جا سکتا ہے۔ گزرے ہوئے کل کے لیے اپنا آج برباد کر لینا میرے نزدیک سب سے بڑی حماقت ہے۔"

"مشاہدے کی بنیاد پر بولنا بہت آسان ہے۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ "میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی اگلی مرتبہ تم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تب بولنا جب میں اپنی بات مکمل کر چکوں۔ یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ میں تم سے اس بارے میں بات کر سکوں میں کبھی تم سے اس بارے میں بات بھی نہیں کرنا چاہتا اصل میں اپنے قریبی لوگوں سے ہم وہ باتیں شیئر کرتے ہیں جنہیں اہمیت دیتے ہیں اور میں اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا باوجود اس کے کہ اس واقعے نے میری زندگی کے تین اہم سال نگل لیے تھے۔ جس دوراہے پر آج تم کھڑی ہو کبھی میں بھی ایسے ہی مقام پر کھڑا تھا یہ درست ہے کہ تمہارے اور میرے حالات میں بہت فرق رہا مگر آزمائش ہم دونوں کو سہنا پڑی ہے۔ تم نے اپنے سب رشتے گنوا دیے اور میں نے اپنا واحد رشتہ گنوا دیا تھا جو دنیا میں میرے لیے سب کچھ تھا۔

میں نے تب ایک غلط فیصلہ کیا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ تم غلط فیصلہ مت کرو۔ تمہیں سہارے کی ضرورت ہے جو ساری زندگی تمہیں تحفظ فراہم کرے۔ علی اور حمنہ بہت اچھے ہیں انہوں نے تمہیں سہارا دیا ہے مگر تم نے سوچا ہے کہ جب وہ دونوں تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے تو تمہارا کیا ہوگا۔ پھر کہاں جاؤ گی تم؟ رشتے کرائے کے مکانات کی طرح ہوتے ہیں ماہا! ہمیں ان سے انسیت ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود کبھی اپنی مرضی سے اور کبھی جبراً ہمیں انہیں چھوڑ کر دوسرے مکان میں شفٹ ہونا پڑتا ہے۔ حمنہ اور علی کی حیثیت بھی تمہارے لیے کرائے کے مکان سے زیادہ نہیں ہے آج نہیں تو کل تمہیں انہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔ وہ تمہارے لیے چار دیواری ہو سکتے ہیں مگر چھت نہیں اور میں تمہارے لیے مضبوط دیواروں والی چھت بننا چاہتا ہوں۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکے تھے۔

"فیصلہ بہرحال تم نے کرنا ہے مجھے احساس ہے کہ تم کس قسم کی الجھن کا شکار ہو دو راستوں میں سے ایک کو چننا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے لیکن ماہا! زندگی میں رسک لینے پڑتے ہیں سہ لیں تو زندگی گزر جاتی ہے لیکن انسان ایک ہی مقام پر کھڑا رہ جاتا ہے۔ تمہاری زندگی کا فیصلہ آج تک دوسرے کرتے آئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس بار اپنی زندگی کا فیصلہ تم خود کرو۔

میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا۔ کوئی اور بھی تمہیں مجبور نہیں کرے گا لیکن اگر تم میرے حق میں فیصلہ کرو گی تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم کبھی اپنے فیصلے پر شرمندہ نہیں ہو گی تم کل کیا تھیں مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم آج کیا ہو میرے نزدیک یہ بات زیادہ اہم ہے۔"

اسے ہارون کا کہا ایک ایک لفظ یاد تھا وہ انہیں قائل کرنے میں ناکام رہی تھی اور خود قائل ہو کر لوٹی تھی۔ ہارون نے بالکل صحیح کہا تھا بہت دیر تک کرائے کے مکان میں نہیں رہ سکتی تھی اسے ذاتی مکان کی ضرورت تھی ایسا مکان جو گھر بھی ہو۔

"کچھ کمی مجھ میں ہے کچھ خلا تمہاری زندگی میں رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں مل کر ایک دوسرے کو مکمل کر سکتے ہیں۔"

ہارون نے کہا تھا۔ مرد کا دل تعصب سے پاک ہو تو وہ ایک نظر میں پہچان جاتا ہے کہ عورت کتنی بار سہا اور با عصمت ہے۔

ماہا کو ہارون کی نگاہوں میں وہی پہچان نظر آئی تھی اور وہ بہت عجیب سے احساسات میں مبتلا ہو کر بہت دیر تک ہارون کو دیکھتی رہی تھی اسے ان سے کوئی جھجک یا شرم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ عورت کو ہمیشہ ایسا مرد اچھا لگتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے جو اس سے تمیز سے پیش آئے اور جب وہ عورت کی طرف نگاہ کرلے تو وہاں عزت ڈیرے جمائے بیٹھی ہو اور اسے ہارون اچھے لگے تھے اتنے اچھے لگے تھے کہ وہ بنا پلک جھپکے ممنون نظروں سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔

ذرا سے اعتماد نے اس کا مان کس قدر بڑھا دیا تھا وہ اپنے دل کو ایک نئی لے ایک نئے انداز میں دھڑکتا محسوس کرنے لگی تھی اور جو یہ ذرا سا اعتماد اس کے ماں باپ نے کیا ہوتا تو۔۔۔

ہارون کو وہاں کہنے کے بعد کے دن بہت مصروفیت میں گزرے تھے۔ حمنہ نے اسے ساتھ ملا کر اس کے لیے بہت ڈھیر ساری شاپنگ کر ڈالی تھی اس نے منع کرنا چاہا تو حمنہ نے "یہ سب کرنے کے لیے مجھ سے ہارون بھائی نے کہا ہے وہ چاہتے ہیں میں ان کی ہونے والی بیوی کو ضرورت کی ہر چیز دلوا دوں۔" کہہ کر اس کے ہر اعتراض کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

اس گھر میں اس نے کم و بیش سات ماہ گزارے تھے اور وہ اس گھر کے مکینوں خصوصاً حمنہ کی بے حد مشکور تھی۔ وہ اس کی محسنہ تھی اور ماہا کو اس بات کا بہت اچھی طرح سے احساس تھا کہ اگر حمنہ اسے اپنے گھر میں پناہ نہ دیتی تو شاید وہ اب تک زندہ بھی نہ ہوتی یقیناً دنیا میں تیمور اور قیصر جیسے کئی درندے موجود تھے۔

بہت ابتدا میں علی کا رویہ اس کے ساتھ بہت عجیب تھا اس کے انداز میں بڑی واضح لاتعلقی اور سرد مہری ہوا کرتی تھی مگر رفتہ رفتہ اس کے رویے میں لچک پیدا ہو گئی وہ کبھی کبھار اس سے بات کرنے لگا تھا اور یہ رویہ کم سے کم ماہا کے لیے غنیمت تھا۔ اور جس دن سے اس نے شادی کے لیے ہامی بھری تھی اس دن سے علی نے بے تکلفی کی ہر دیوار گرا کر بڑے دھڑلے سے اسے بھابھی بلانا شروع کر دیا تھا۔ آتے جاتے وہ ہارون کے حوالے سے کوئی نہ کوئی دلچسپ فقرہ بھی چست کر دیا کرتا تھا اور وہ حضرت جن کے حوالے نے اسے یکایک معتبر بنا دیا تھا نے مڑ کر اپنی شکل نکاح والے روز ہی دکھائی تھی۔

نکاح بے حد سادگی سے ہوا تھا ہارون اور علی کے دو تین دوستوں اور ان کی بیگمات کو مدعو کیا گیا تھا۔ نہایت ہی گھریلو قسم کی تقریب تھی۔ ڈنر کے بعد جو چند مہمان تھے وہ رخصت ہوئے تب ہارون بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ علی اور حمنہ نے اسے نیک خواہشات کے سنگ رخصت کیا تھا۔

اور اب وہ یہاں تھی ہارون کے گھر میں اور کھڑکی سے لگی بارش کو دیکھتے ہوئے لاشعوری طور پر ہارون کا انتظار کر رہی تھی۔ انہیں اچانک کسی ضروری کام کی وجہ سے جانا پڑا تھا۔ ذکیہ نامی ملازمہ نے اسے ہارون کی ہدایات کے مطابق کمرے میں پہنچا دیا تھا اور وہ کمرے میں آ کر ایک پل کو مبہوت رہ گئی تھی۔ کمرے کو روایتی انداز میں نہیں سجایا گیا تھا بس ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے سرخ گلابوں اور سفید لیلی کا بڑا سا اور نہایت خوبصورت گلدستہ پڑا تھا سارے کمرے میں ان ہی پھولوں کی مہک رچی تھی اس نے دھیرے سے پھولوں کی پتیوں کو چھو کر اس کی نمی کو محسوس کیا۔ کمرے کا انٹیریئر اور کلر اسکیم نہایت شاندار تھا اور مکین کے اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کر رہا تھا۔

ذکیہ کچھ دیر اسے پر اشتیاق نظروں سے دیکھتی رہی اور کچھ باتیں بگھارنے کے بعد کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ کمرے میں تنہا رہ گئی تھی اور کمرے کی دیواریں اسے دلچسپی و اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بوندیں ایک تواتر سے ٹنڈ گلاس پر برس رہی تھیں۔

وہ پیشانی شیشے سے ٹکائے باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی اچھی دلچسپ سرگرمی تھی جس نے اس کی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروا رکھی تھی تبھی عقب میں کھٹکے کی آواز ابھری کسی خیال سے چونک کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

ہارون جھنجلائے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

"ایکسٹریملی سوری۔ مجھے آنے میں کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی۔"

انہوں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور اپنا کوٹ جھاڑنے لگے صرف ڈرائیو وے عبور کرنے میں ہی وہ اچھے خاصے بھیگ گئے تھے۔

"بارش بھی تو اچانک ہی شروع ہو گئی مجھے تو بالکل بھی اندازہ نہیں تھا اصل میں فارم ہاؤس کی پچھلی جانب کچھ مسئلہ ہو گیا تھا وین محمد نے گھبرا کر مجھے فون کر دیا۔ ایڈیٹ جیسے میں تو فائر بریگیڈ ہوں۔ تھینک گاڈ! زیادہ نقصان نہیں ہوا بس ایک کھوڑی تھوڑا سا جھلس گئی ہے۔"

روانی سے بولتے ہوئے ہارون کی نگاہ اٹھ گئی اور باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ ان سے چند قدموں کے فاصلے پر اپنے روپ کا ایک نیا انداز لیے کھڑی ماہا ان سے کوٹ لینے کی منتظر تھی۔

وہ اس پر سے نظر نہیں ہٹا پائے ہمیشہ بے تاثر دکھائی دینے والا چہرہ آج کچھ مختلف انداز میں سامنے آیا تھا۔ نجانے میک اپ کا کمال تھا یا اس استحقاق کا جو کچھ دیر پہلے ہی انہیں حاصل ہوا تھا مگر یہ چہرہ آج سے پہلے کبھی بھی انہیں اتنا خوبصورت نہیں لگا تھا۔

"اتنی خوبصورت رات اور اتنا خوبصورت لائف پارٹنر اوپر سے ایسی بے محل گفتگو میں خدانخواستہ بوڑھا تو نہیں ہوں پھر بھی لگتا ہے سٹھیا گیا ہوں یعنی کہ لاحول ولا قوۃ" بڑبڑاہٹ اتنی بلند ضرور تھی کہ ماہا بھی سن سکے۔

ہارون نے کوٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بشور اس کا جائزہ لیا میک اپ سے سجا دلکش چہرہ بے تاثر نہیں البتہ خاموش تھا۔

"یہ یقیناً حمزہ کی کارستانی ہے؟" ماہا نے کوٹ تھام لیا تھا لیکن کوٹ پر ہارون کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑی تھی ماہا مکمل طور پر ان کی نگاہوں کی زد میں تھی اور اس کی پلکوں پر جو لرزش ابھر رہی تھی وہ ہارون سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔۔۔ بہت ہی ایلیگنٹ اور انوسینٹ۔"

بے ساختہ سی سرگوشی اور اس سے کہیں زیادہ بے ساختگی سے ماہا نے جھکی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ شاید وہ ان کے چہرے سے الفاظ کی سچائی کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔

ہارون نے دھیرے سے مسکرا کر کوٹ چھوڑ دیا اور اس جگہ آن رکے جہاں کچھ دیر پہلے ماہا کھڑی تھی۔ کچھ دیر قبل بارش میں بھیگنے کا سارا اثر زائل ہو چکا تھا شیشے کے اس پار لیمپ پوسٹ کی زرد رنگ روشنی میں نمایاں ہوتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بارش کو دیکھتے ہوئے وہ اسے سننے کے خواہاں تھے تبھی کچھ ایسی باتیں کرنے لگے جو اسے بولنے پر آمادہ کر سکیں۔

"بارش اچھی لگتی ہے ماہا؟" انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ صوفے کی بیک پر وہ کوٹ پھیلانے کے بعد انہیں ہی دیکھ رہی تھی انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کرنے کی دعوت دی پھر جب وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان سے کچھ قدموں کے فاصلے پر آن رکی تو پہلے انہوں نے اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا پھر سینے پر بازو باندھتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی اس ادا پر مسکرائے اور بولے۔

"مجھے بارش اچھی لگتی ہے بس بے وقت نہ ہوا کرے لیکن اب تو بے وقت بارش بھی اچھی لگنے لگے گی بشرطیکہ تم میرے ساتھ ہوا کرو۔ میں سوچ رہا تھا ہم ہنی مون کے لیے سڈنی چلیں گے مگر میرا خیال ہے وہاں اتنی اچھی بارش نہیں ہوتی۔ لیکن خیر ہم جائیں گے ضرور۔ تمہارا کہیں اور جانے کا پلان ہے تو پہلے ہی بتا دو اصل میں مجھے آن دا سپاٹ پروگرامز تبدیل کرنا اچھا نہیں لگتا۔ میرا فیورٹ کلر پنک ہے بے بی پنک۔ لیکن یہ میرون بھی تمہیں سوٹ کر رہا ہے۔ ویسے کیا سارا وقت میں ہی بولتا رہوں گا؟ تم کچھ نہیں کہو گی اور کچھ نہیں تو کم سے کم جواباً میری تعریف ہی کر دو اور۔" انہوں نے بے بسی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"اور کیا ساری زندگی تم مجھے خالی ہاتھ ہی رکھو گی؟ وہ وہ جو شاعر حضرات کہتے ہیں۔

حسن کی عنایات محبت کی بھیک وغیرہ وغیرہ۔"

"آپ پلیز ایسی باتیں مت کریں۔" شیشے کی جانب رخ پھیرتے ہوئے ماہا نے پہلی بار لب کشائی کی۔ "آپ کی تعریف کرنے کے لیے میرے پاس لفظ نہیں ہیں مجھے بس اتنا پتا ہے کہ آپ اچھے ہیں۔۔۔ بہت اچھے ہیں۔۔۔۔ آپ اچھے نہ ہوتے تو کبھی مجھ پر اتنا بڑا احسان نہ کرتے۔"

"کم آن ماہا۔" ہارون نے بہت سرعت اور قدرے ناگواری سے اس کی بات قطع کی تھی اور یکدم اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

"کس الو کے پٹھے نے کہہ دیا تم سے کہ میں نے تم پر احسان کیا ہے؟۔۔۔ یعنی کہ حد ہے۔۔۔ یہ ٹھیک ہے ماہا بیگم کہ میں نے کسی محبت نامی جذبے سے مغلوب ہو کر تم سے شادی کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن تم مجھے اچھی لگی تھیں میں یہ نہیں کہتا کہ میں اس وقت بھی تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں لیکن میں تم سے محبت کروں گا اور یہ میرا تم سے وعدہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے وعدے پر اعتبار کرو۔ تم مجھ پر اعتبار کرو اور فضول سوچ اپنے ذہن سے نکال دو۔ یہ خوبصورت سی رات ایسی فضول باتوں میں ضائع کرنے کے لیے نہیں ہے اور بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا اب تم بولو گی پہلے تو میری اچھی سی تعریف کرو جیسی میں نے کی تھی یعنی یہ کہ تم اچھی لگ رہی ہو ایسی تعریف اور اگر۔۔۔ ارے سر کیوں جھکا لیا تعریف کرنے کو کہہ رہا ہوں بھئی۔۔۔ یہ تو نہیں کہا کہ اپنا رونمائی کا تحفہ مانگ لو۔" انہوں نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں آپ سے کوئی تحفہ نہیں مانگوں گی ہارون! آپ مجھے ساری زندگی کچھ مت دیجئے گا سوائے۔۔۔۔ سوائے عزت کے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سلگتی ہوئی چنگاری کی سی خواہش لبوں تک آن رکی تھی۔
ہارون نے اس کے گرد بازو باندھ کر اسے خود سے بیحد نزدیک کر لیا تھا۔
"اور مجھے تمہیں سب کچھ دینا ہے عزت سمیت۔"
چند لمحوں کے توقف سے ماہا نے ان کے سینے سے پیشانی ٹکا دی اور بڑی شدت سے رونے لگی اس کے اندر رکھی برف کی سل دھیرے دھیرے پگھل رہی تھی۔ باہر آسمان برس رہا تھا اور اندر اس کی آنکھیں۔
ہارون نے کچھ اور مضبوطی سے اپنے بازو اس کے گرد باندھ کر اسے تحفظ کا بھرپور احساس دلایا۔ انہیں بارش اچھی لگتی تھی مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ دیر تک اس بارش سے لطف اندوز ہوتے رہتے انہوں نے اسے خاموش بھی نہیں کروایا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب بارش رکے گی اور مطلع صاف ہو گا تو بعد کا موسم بڑا خوب صورت ہو گا تبھی انہوں نے اسے رونے دیا تھا۔
اور اس کے دل کا سارا غم آنکھوں کے ذریعے بہہ نکلا تھا اب دل خالی تھا اور خوشیوں کو اندر آنے کی اجازت مل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے بھاری پردے کو ذرا سا سرکایا۔ باہر ایک اودا سا غبار چھایا ہوا تھا مگر اس غبار میں سفیدے کے درختوں اور نم جنگلی گھاس کا منظر واضح تھا رات کے بطن سے صبح جنم لے چکی تھی اور صبح امید کی علامت ہوتی ہے۔

اسے لگا شاید کوئی ایسی ہی صبح اس کی زندگی میں بھی طلوع ہو چکی ہے کیونکہ پچھلی رات ایک خوش آئند مسکراہٹ کی طرح اس کے لبوں پر ٹھہری ہوئی تھی۔

اس نے پوری گردن موڑ کر عقب میں دیکھا۔ ہارون بہت گہری نیند سو رہے تھے وہ بہت دیر تک ان کے خوابیدہ چہرے پر نگاہیں جمائے کھڑی رہی دلوں کی اچھائی جن چہروں پر دکھائی دیتی ہے وہ چہرے شاید ایسے ہی ہوتے ہیں۔

دنیا میں کہیں بھی یقین کا کوئی سرٹیفکیٹ نہیں ہوتا یقین وہ ہوتا ہے جو دل و دماغ کی پوری آمادگی سے وجود کا احاطہ کرتا ہے اور کوئی ایسا ہی احساس اس کے اردگرد پنکھ پھیلا رہا تھا۔

معاً" ہارون کے چہرے پر کچھ عجب سا اضطراب جاگا تھا کمرے کی تاریکی میں پردے کے کنارے سے چھن کر آنے والی روشنی دراڑیں ڈال رہی تھی۔ ہارون کے اضطراب کی وجہ یہی روشنی تھی اس نے جلدی سے پردے کا کنارا چھوڑ دیا تو کمرے کی تاریکی پھر سے مطمئن ہو گئی۔ ہارون اس کا سائبان بنا تھا تو کیا وہ اس کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی نیند میں خلل نہ ڈالتی اپنے بکھرے بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹتی وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

پھر جب دس بجے کے قریب علی اور حمنہ ان کے لیے ناشتا لے کر آئے تو ہارون لان میں بیٹھے تازہ اخبار دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگ خوامخواہ تکلفات میں پڑ گئے ہو۔۔۔ ناشتا تو یہاں بھی تیار ہو سکتا تھا۔"

"لڑکی والوں کی طرف سے آئے ہوئے ناشتے کا ٹیسٹ ہی ڈفرنٹ ہوتا ہے بھلا آپ کے ہاں تیار ہونے والے شتے اور اس ناشتے کا کیا مقابلہ؟" حمنہ مزے سے بولی پھر انہیں چھیڑنے لگی۔

"اور آپ یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو تو اس وقت اپنی دلہن کے پاس ہونا چاہیے۔"

"میں بھی ابھی دلہن کے پاس سے ہی آ رہے ہیں اور اکیلے بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں کیونکہ ذکیہ بی بی کو ہماری دلہن سے باتیں کرنے کا شوق چرایا ہے۔" انہوں نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا تو وہ سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"پندرہ منٹ میں ناشتا ریڈی ہو گا۔" لالہ پہلے ہی اندر بھاگ گئی تھی اور عمر کو وہ لوگ گل بی بی کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

"تو آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں نوشے میاں؟" علی نے شرارت سے انہیں دیکھتے ہوئے کین کی کرسی سیٹ کر نشست سنبھالی تو ہارون نے اس کی تقلید کی تھی اور بڑی بے ساختگی اور بشاشت سے بولے۔

"یوں لگ رہا ہے جیسے طویل مدت بعد سانس لے رہا ہوں۔"

"خوش ہو؟" علی نے بغور انہیں دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ بہت مجھے خوشی ہے کہ میں رومیصہ کے سحر سے آزاد ہو گیا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ چند لمحے کے لیے رکے پھر گویا ہوئے تو ان کی آواز کسی گہری سوچ کی عکاس تھی "یار علی! بات عجیب ہے۔ میں خود بڑی دیر سے اس بات پر حیران ہو رہا ہوں مگر یہ عجیب بات ہے سچ۔ مجھے اپنی زندگی کا خالی پن کبھی اتنا محسوس نہیں ہوا اور اب جب وہ خالی پن نہیں رہا اور اس خالی پن کو ختم کرنے کے لیے ماہا آچکی ہے تو مجھے بڑی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ وہ زندگی کیا تھی جو میں پہلے گزار رہا تھا۔ رومیصہ کے سحر میں جکڑا ہوا ایک ایسا آدمی جس کی زندگی کا مقصد صرف پیسہ کمانا رہ گیا تھا۔"

"شکر کرو بروقت عقل آگئی۔"

"عقل۔" انہوں نے جیسے اپنی ہی ہنسی اڑائی پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"بروقت ماہا آگئی وہ نہ ہوتی تو میرا دور دور تک شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" علی نے بغور ہارون کی جانب دیکھا ان کے مدبر سے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ اور سکون ٹھہرا ہوا تھا۔ علی نے رومیصہ کے بعد ہارون کو اس قدر پُرسکون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دنیا کے سامنے ہارون چاہے خود کو کیسا بھی ظاہر کرتے رہے ہوں۔ علی دنیا کا وہ واحد شخص تھا جس سے وہ کبھی کچھ نہیں چھپاتے تھے بلکہ علی تو شاید ان کے اندر رہتا تھا وہ بنا کہے ہر بات ٹھیک ٹھیک جان لیتا تھا مگر یہاں وہ ذرا الجھ گیا تھا اتنا تو خیر یقین تھا کہ ہارون نے محض کسی وقتی واردات کے آگے سر تسلیم خم نہیں کیا وہ کوئی اور بات تھی جس نے ہارون کو راضی کیا۔ مگر وہ اصل بات تھی کیا؟ کیا فقط ہمدردی؟

"نہیں علی! میں نے محض جذباتیت میں فیصلہ نہیں کیا تھا۔ کچھ چہرے ہوتے ہیں نا ایسے جنہیں دیکھتے ہی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ ماہا کا چہرہ بھی ایسا ہی لگا تھا مجھے اگر کسی کے لیے اپنے دل میں سافٹ کارنر محسوس کرنا ہی محبت ہے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ ماہا بہت اچھی لڑکی ہے علی! میں کوشش نہ بھی کروں تو بھی مجھے اس سے محبت ہو جائے گی اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔" انہوں نے آرام سے اپنے دل کی ہر بات کھول کر علی کے سامنے رکھ دی اور پھر جیسا کہ انہوں نے سوچا تھا تو ہوا بھی ویسا ہی۔

وقت اگرچہ سبک خرامی سے گزر رہا تھا مگر ہر گزرتا دن 'ماہا' کی شخصیت کی ایک نئی پرت کھول کر ان کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ حمنہ نے بالکل صحیح کہا تھا ماہا مسکرانا بھولی نہیں تھی بلکہ اس نے خود پہ پہرہ لگا دیا تھا جو حالات اس پر گزرے تھے انہوں نے اسے خود میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور ہارون وہ محاصرہ ختم کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت جاگ اٹھی تھی۔ وہ مسکراتی تھی تو اس کی مسکراہٹ میں خود ساختگی کی بجائے بے ساختگی دکھائی دینے لگی تھی وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی اور یہ ہارون کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

☼ ☼ ☼

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

عورت ہمیشہ سے محبت کی جانب مرد کے برعکس مائل رہی ہے اتنی جلدی ہارون سے محبت ہو جانا کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی محبت کسی جواز کی محتاج نہیں ہوتی اس کے پاس تو پھر بھی ایک نہایت ٹھوس وجہ موجود تھی کہ ہارون اس کے محسن ہیں۔ کڑی دھوپ میں سایہ فراہم کرنے والے درخت سے بھی انسان کو انسیت ہو جاتی ہے ہارون تو پھر بھی اس کا مکمل سائبان بنے تھے۔ "کیوں؟ کس لیے؟" جیسی باتوں کا تو خیر سوال ہی نہ اٹھتا تھا انسان جب مکمل خوشحالی بسر کر رہا ہو تو ایسی باتیں بھولے سے بھی دماغ میں گھر نہیں کرتیں بس کبھی کبھی اتنی غلطی ضرور ہو جاتی تھی کہ انجانے میں ہارون اور قیصر کا مقابلہ کرنے لگتی پھر اپنے آپ میں شرمندہ ہو جاتی بھلا ان دونوں کا کیا مقابلہ۔ اس کا دل ہمیشہ ہارون کو زیادہ نمبر دیتا شاید اس لیے بھی کہ وہ ان سے محبت کرنے لگی تھی اور کرتی ہی جا رہی تھی اس بات سے قطعی لاپروا کہ اپنے کہے کے مطابق ہارون اس سے محبت کرنے لگے ہیں یا نہیں۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں اس نے قیصر کی وارفتگی دیکھی تھی اور ہارون نے اس وارفتگی کی بجائے اپنائیت دی تھی وہ اس سے صرف اپنی بات کرتے تھے کبھی انہوں نے اس کے ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی ماہا خود بھی اس قصے کو نہیں چھیڑتی تھی وہ بس زیادہ سے زیادہ ہارون کو سنتی تھی اور ہارون کی گفتگو میں ایک بڑا حصہ اپنے بچپن اور اپنے چھوٹے بھائی زارون کی باتوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا اور زارون کا نام سن کر اسے زین یاد آنے لگتا تھا۔

کراچی آتے ہی ہارون اپنے آفس میں مگن ہو گئے۔ کوشش کے باوجود بھی وہ اسے بہت کم وقت دے پاتے تھے۔

"اگر تم کہو تو میں تمہیں حیدر آباد چھوڑ آتا ہوں حمنہ کے ساتھ تمہارا وقت اچھا گزرے گا۔" انہوں نے اس سے کہا تھا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اسے ہارون کی تنہائی کا احساس تھا تبھی جانا نہیں چاہتی تھی سو صرف ہارون کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے خود کو مصروف کر لیا۔ اتنا بڑا گھر تھا ملازمین سے اپنی نگرانی میں کام کروانے میں بھی اچھا خاصا وقت نکل جاتا تھا۔ ہارون نے اس کی سہولت کے لیے ایک ملازمہ کا بندوبست بھی کر دیا تھا اس سے پہلے صرف مرد ملازم تھے شاکر کچن سنبھالنے کے ساتھ ساتھ دیگر کام بھی انجام دے لیتا تھا دوسرے لفظوں میں وہ گھر کی "ماما" تھا ماہا نے پہلے کچن کا چارج سنبھالا پھر شاکر کو بس چند اوپری کاموں کے لیے مخصوص کر دیا خصوصاً" ہارون کے سبھی کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی حالانکہ ہارون اس کی ان حرکتوں سے کوفت میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

"فار گاڈ سیک ماہا! میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ میرے جوتوں کو ہاتھ مت لگایا کرو۔" ہارون نے اسے بہت سختی سے منع کیا تھا لہٰذا اس نے آئندہ جوتے کو ہاتھ لگانے سے توبہ کر لی لیکن دیگر کام وہ جوں کے توں انجام دیتی تھی۔

اس روز ہارون آفس سے واپس آئے تو وہ بڑی تیزی سے ان کا کرتا استری کر رہی تھی۔ کلف لگا ہونے کے باعث اسے خاصی دشواری کا سامنا تھا انہوں نے کچھ کہنا چاہا پھر خاموشی سے واش روم میں گھس گئے۔ باہر آئی تو ڈریسنگ روم میں نہیں تھی آئرن سوئچ آف تھا اور استری شدہ کرتا سلیقے سے اسٹینڈ پر پھیلایا ہوا تھا۔ وہ ابھی وہیں کھڑے تھے کہ ماہا دوبارہ اندر داخل ہوئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیکھائی۔" اس نے کمرے کی جانب اشارہ کیا اور پھر سے اپنے کام میں جت گئی۔ چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔ ہالا اپنے چہرے پر ہارون کی نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی مگر بہت دیر تک یونہی کھڑے رہنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے ہارون!"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا ناں یہ سب کرنے سے۔" ہارون نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا پھر اسے خاموش پا کر بولے۔

"یہ کام شاکر کر سکتا ہے۔"

"کر سکتا ہے۔" اس نے پرسکون لہجے میں ہارون کی تائید کی "لیکن شاکر آپ کی بیوی نہیں ہے ہارون! آپ کی بیوی میں ہوں اور۔۔۔ اور شوہر کے تمام کام بیوی کو خود کرنے چاہئیں۔"

"رئیلی۔" ہارون نے مصنوعی حیرانگی سے کہا پھر قریب آ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔ "تو کیا میری بہت پیاری سی بیوی مجھے یہ بتانا پسند کرے گی کہ یہ بہت اہم قسم کی معلومات اسے کس نے فراہم کی ہیں؟" وہ بہت دلچسپی سے اس کی جھکی پلکوں اور رنگ بکھیرتے چہرے کو دیکھ رہے تھے تھوڑی دیر پہلے والی ناگواری یکدم اڑنچھو ہو گئی تھی۔

"دادو جی کہا کرتی تھیں۔" ہارون کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹاتے ہوئے اس نے کہا مگر فقرہ مکمل ہونے تک اس کے لب بھینچ چکے تھے۔ رخ پھیرنا چاہا لیکن ہارون نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا تھا وہ اپنا ایک بازو اس کے گرد حمائل کر چکے تھے۔ ہالا نے اپنی ہتھیلیاں ان کے سینے پر رکھ کر ان پر پیشانی ٹکا دی۔ عمر رفتہ کی خوشگوار یاد تلخ دنوں کا سفر طے کر کے آئی تھی سو پلکوں پر تو جھڑی لگنی ہی تھی۔

وہ زور زور سے پلکیں جھپک کر آنسو پیچھے دھکیلنے لگی حلق میں اتنی کڑواہٹیں اتری تھیں کہ ایک لفظ بھی بولا نہیں جا رہا تھا اور اسے پورا احساس تھا کہ ایک ذرا سی بات سے وہ اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کے جذبات کو بھی جھنجھوڑ گئی ہے۔

بہت سارے لوگ، بہت سارے رشتے اور بہت ساری محبتوں کو گنوا کر اس نے اس شخص کو پایا تھا جس کی محبت ان تمام محبتوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی تھی مگر مداوا ضرور کر سکتی تھی۔ نجانے نقصان کا غم زیادہ بڑا تھا یا پا لینے کی خوشی۔

"میں سمجھنے لگا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو مگر ابھی ابھی احساس ہوا ہے کہ تمہیں تو مجھ سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔"

اس نے تڑپ کر سر اٹھایا ہارون کی گہری براؤن آنکھوں میں کسی قدر خفگی اور ڈھیر ساری محبت اپنے پورے قد سے ایستادہ تھی۔

"میں اپنی ہر بات تم سے شیئر کرتا ہوں تو کیا تمہیں اپنے دل کا حال مجھ سے نہیں کہنا چاہیے تھا؟ لیکن خیر مجھے کچھ نہ بھی بتاؤ تب بھی میں جانتا ہوں کہ تمہیں تمہارے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اگر تم کہو تو۔۔۔ ہم ان

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ ہم ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں صرف تمہارے لیے ماہا! میں انہیں کنوینس۔۔۔"

ماہا نے بے اختیار دایاں ہاتھ ہارون کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور بہت التجا سے بولی۔

"کیا ہم کوئی اور بات نہیں کر سکتے ہارون؟"

ہارون چند لمحے اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھتے رہے پھر اس کا ہونٹوں پر رکھا ہاتھ تھام کر بہت نرمی سے چھوا اور دھیرے سے بولے۔

"میں تو صرف تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا لیکن اگر تمہیں پسند نہیں ہے تو میں دوبارہ نہیں کہوں گا مگر ماہا۔ بہت سی باتیں ہماری تقدیر کا حصہ ہوتی ہیں یار! اور تقدیر خود کو سچ ثابت کرنے کے لیے بار ہا ایسے چکر چلاتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ممکن ہے جو کچھ ہوا اسے ویسا کرنے کی خواہش نہ کی گئی ہو۔ کیا تم اپنے ساتھ برائی کرنے والے شخص کو محض اس لیے معاف نہیں کر سکتیں کہ اگر وہ تمہاری زندگی میں نہ آتا تو ہم کبھی ایک دوسرے سے نہ مل پاتے۔ شاید تقدیر نے ہم دونوں کو ملانا تھا تبھی تمہیں اتنی مشکلات سے گزرنا پڑا بہر حال مجھے تمہاری آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے یہ چہرہ صرف مسکراتے ہوئے اچھا لگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ چہرہ ہمیشہ مسکراتا رہے اس لیے۔" انہوں نے ماہا کی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا۔

"اس لیے آج سے ان آنکھوں کے سارے آنسو میرے۔" پھر اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کیا "اور ان ہونٹوں کی ساری ہنسی تمہاری۔۔۔ ناؤ کم آن چیئر اپ اینڈ گیٹ ریڈی۔ ہم ڈنر "ولیج" میں کریں گے۔"

وہ دھیرے سے اس کا گال تھپتھپا کر ڈریسنگ روم سے باہر نکل گئے۔ وہ وہیں کھڑی رہی پھر اک خواب کے سے عالم میں ہاتھ کی پشت سے اس نے اپنے گال کو چھوا۔

"آنسو میرے۔" اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ہنسی تمہاری۔" انتہائی جذب میں بھیگے دل کی کیفیت عیاں کرتے الفاظ اور کیسا عجیب سودا کر گئے تھے ہارون اور ایسا سودا کرنے والے کی محبت پر بھلا وہ شک کر سکتی تھی؟ البتہ اسے خود پر رشک محسوس ہوا تھا۔

وہ وارڈ روب کھول کر اپنے لیے لباس تجویز کرنے لگی۔ اور ہارون نے اس سے کہا تھا کہ کیا اپنے ساتھ برائی کرنے والے شخص کو وہ اس لیے معاف نہیں کر سکتی کہ اگر وہ اس کی زندگی میں نہ آتا تو وہ کبھی ہارون سے نہ مل پاتی اس نے رک کر پل بھر کو سوچا کہ کیا وہ اس شخص کو معاف کر سکتی ہے؟ اگلے ہی پل اس نے سر جھٹک دیا اس کے پاس ایک بے حد واضح جواب موجود تھا۔

"نہیں۔"

✲ ✲ ✲

وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر اس کا ایک ہاتھ ہارون کی گرفت میں تھا وہ جوں ہی ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرتی گرفت مزید بڑھ جاتی۔

"ہارون! کیا آج میں سارا دن آپ کے پاس ہی بیٹھی رہوں گی۔ مجھے کوئی اور کام نہیں کرنا کیا؟" اس نے بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

انہماک سے اخبار کا جائزہ لیتے ہارون کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے پوچھا جو لیا "ہارون نے سنہری فریم کے اوپر سے ابرو اچکا کر ایک نظر اسے دیکھا اور لاپروائی سے بولے۔

"کام کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے پورے ہفتے میں میرے پاس صرف ایک اتوار کا دن ہوتا ہے جو میں مکمل طور پر فرصت سے تمہارے ساتھ گزار سکتا ہوں۔" انہوں نے اخبار کا صفحہ پلٹا۔ "اب اگر آج بھی تم یہ ہی روزمرہ کے کام نمٹاتی رہو گی تو میں تمہیں دیکھوں گا کب اور تم سے باتیں کب کروں گا؟"

اچھی بھلی خوش کن بات تھی مگر کسی اور لب و لہجے میں کہی گئی ہوئی تو اثر بھی مختلف ہوتا۔

"ہاں جیسے آپ اتنی دیر سے صرف مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے باتیں کر رہے ہیں۔ حد ہے ہارون! پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے میں یہیں آپ کے پاس بیٹھی ہوں مگر آپ میری طرف دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی مجھ سے باتیں کر رہے ہیں صرف اخبار پڑھ رہے ہیں۔ بتایئے میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں؟"

ہارون نے اخبار ہاتھ سے ایک طرف کھسکایا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے اور اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھتے ہوئے بولے۔

"میرا سر دباؤ۔" اور پھر جب فرمائش پوری ہونے لگی تو وہ آنکھیں موند کر اس نرم سے لمس کو محسوس کرنے لگے پھر کچھ دیر تک درد سر دبواتے رہے اور اس کی گھنی چوٹی کھینچ کر بولے۔

"تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں۔" ماہا نے دھیرے سے مسکرا کر اس تعریف کو وصول کیا تب انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"کیا بات ہے ان لوگوں کی جو لفظوں سے کھیلا کرتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ ان آنکھوں کے لیے کوئی استعارہ ہی نہیں مل رہا سوری یار! میری اردو ہمیشہ سے ویک رہی ہے ورنہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں تمہارے لیے ایک زبردست سا قصیدہ کہتا لیکن خیر۔ شاید اللہ کو میری کوئی بات پسند آگئی ہوگی تبھی مجھے تمہاری جیسی اچھی اور خوب صورت بیوی دے دی مگر اس اچھی اور خوب صورت بیوی میں بس ایک ہی خامی ہے دور رہ کر تو خوب زبان چلتی ہے مگر قریب آتے ہی بریک لگ جاتا ہے۔ ارے اب کچھ تو کہو پہلے تو بہت بولا جا رہا تھا۔ مجھ سے باتیں نہیں کر رہے میری طرف دیکھ نہیں رہے اب تو دونوں کام ہی کر رہا ہوں مگر تم آنکھیں کیوں بند کر رہی ہو؟"

انہوں نے شرارت سے اس کی جھکی پلکوں میں جھانکنے کی کوشش کی ماہا کا ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھ میں تھا جسے کبھی وہ سینے پر رکھ لیتے تھے، کبھی سہلانے لگتے تھے اور کبھی ہونٹوں سے لگا لیتے تھے۔ اس کا دل ایک انوکھی مگر مانوس لے میں دھڑک رہا تھا یہ مدح بھرے لمحے ایک عجیب سی سرشاری میں مبتلا کر جاتے تھے ایسی سرشاری جو کم سے کم اس کے بیان سے باہر تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا سوچ رہی ہو؟" ہارون نے مسلسل اسے خاموش دیکھ کر پوچھا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ آج آپ کے لیے لنچ میں کیا بناؤں۔" ہارون نے بے اختیار سر پیٹ لیا۔

"دو دیوانے ملیں تو شاید ایسا ہی ہوتا مجھ میں تو یوں بھی رومانس کے جراثیم کم ہی تھے اوپر سے تم بھی۔ یعنی کیا یہ ضروری ہے کہ شوہر کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر کھانا پکانے کے متعلق سوچا جائے؟" ہارون نے اتنی بری شکل بنا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھی تھی کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"شوہر کے لیے ہی تو کھانا بنانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"بات تو ایک ہی ہے ویسے کیا میں نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ تمہاری ہنسی بھی بہت خوب صورت ہے۔" ادھر ماہا کی ہنسی کو بریک لگا ادھر فون کی گھنٹی بجی۔

"شاید اسے ہی رقیب رو سیاہ کہتے ہیں۔ بس میں نہیں اٹھ رہا۔" ہارون نے بالکل ضدی بچوں کی مانند سینے پر بازو باندھ لیے۔

"ہارون کوئی امپورٹنٹ کال بھی ہو سکتی ہے۔" مسلسل بجتی گھنٹی کو نظر انداز کرنا آسان تو نہیں تھا سو اسے کہنا پڑا اور پھر ساتھ ہی اس نے زبردستی ہارون کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"ہاں ہو سکتی ہے۔ مگر میں آج کسی امپورٹنٹ کام میں بھی الجھنا نہیں چاہتا تم بس اپنی اور میری بات کرو۔"

"اچھا یہ والی کال ریسیو کرلیں پھر ہم صرف ہماری باتیں کریں گے اس ٹرن ٹرن میں تو کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اٹھیں ناں ہارون۔"

"یہ اچھی مصیبت ہے۔ نہ لوگ خود سنڈے کو آرام کرتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو کرنے دیتے ہیں۔ چلو یار! اپنا نہ ہی کسی دوسرے کا ہی خیال کرلو۔ کسی نے اپنی بیوی سے چار محبت کی باتیں بھی کرنی ہوتی ہیں۔ ہیلو۔"

وہ مزے سے وہیں بیڈ پر بیٹھی ہارون کو جھنجلاتا دیکھ رہی تھی۔ زارون کا نام سن کر وہ اخبار سمیٹتے ہوئے ہارون کی باتیں سننے لگی تھوڑی دیر قبل وہ جس جھنجلاہٹ میں مبتلا ہوئے تھے اب اس کے برعکس دکھائی دے رہے تھے بہت ہی بشاش لہجے میں وہ زارون کو اپنی شادی کی اطلاع دے رہے تھے یہ بات ماہا کے لیے تعجب خیز تھی اور شاید کسی ایسی ہی حیرانی یا خفگی کا اظہار زارون کی جانب سے کیا گیا تھا جبھی ہارون کہہ رہے تھے۔

"بس یار! یوں سمجھو ایمرجنسی میں شادی کرنی پڑی۔ ہاہاہا۔ جب اپنی بھابھی سے ملو گے تو خود بخود تمہیں پتا چل جائے گا کہ کونسا جادو میرے سر چڑھ گیا تھا ارے۔ ایسی ویسی بھی مجھے تو خیر اچھی ہی لگتی ہے۔ ہاہاہا۔"

ہارون نے ایک اور بے ساختہ قہقہہ لگایا اور وہ یہ سوچ کر کہ موضوع گفتگو اس کی ذات ہے بڑی بری طرح گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"ماہا! زارون تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔" ہارون نے اس کی طرف ریسیور بڑھایا اس نے بوکھلا کر ہاتھ پیچھے کر لیے۔

"نہیں۔ میں کیا بات کروں۔"

"اس میں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے۔ دیور ہے تمہارا' تمہارے احوال دریافت کرنا چاہ رہا ہے۔" ہارون کو اس کی گھبراہٹ لطف دے رہی تھی مگر اس کا نفی میں ہلتا سر اثبات میں بدل نہ سکا۔

"پلیز ہارون۔ مجھ سے بات نہیں ہوگی۔"

اس نے بیچارگی سے کہا۔ ہارون نے گہری سانس بھر کر ریسیور کان سے لگا لیا اور کچھ دیر بعد جب فون بند کیا تو بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زارون تم سے بات کرنے کے لیے بہت بے چین ہو رہا تھا۔"

ایک سرخوشی کے عالم میں لپٹتے ہوئے ہارون نے بتایا تو وہ سر جھکا گئی۔ شرما نہیں رہی تھی بلکہ ایک ایسے شخص سے بات کرتے ہوئے اسے تھوڑی سی جھجک محسوس ہو رہی تھی جس کا ذکر اس نے اب تک اپنے شوہر کے منہ سے سنا تھا اور اتنا تو خیر اسے اندازہ ہو ہی چکا تھا کہ زارون بہت خوش مزاج ہے پھر جس قسم کا رشتہ اس کے اور زارون کے مابین تھا وہ انسان کو خواہ مخواہ شوخی پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ہارون اسے زارون سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا رہے تھے اور وہ ان کے لفظوں سے زیادہ لہجے کی کھنک اور آنکھوں کی چمک کو گرفت میں لیے ہوئے تھی ہارون اپنے بھائی سے کتنی والہانہ محبت کرتے ہیں اس بات کا اندازہ ان کی گفتگو سے لگایا جا سکتا تھا انہوں نے اسے بھائی سے زیادہ باپ بن کر پالا تھا۔

وہ اے لیولز میں تھے جب ان کے والدین ایک ہوائی حادثے میں جاں بحق ہو گئے عمر چھوٹی تھی غم بڑا۔ انہیں اپنے ساتھ ساتھ تیرہ برس چھوٹے بھائی کو بھی سنبھالنا تھا سندھ کے مختلف علاقوں میں ان کے والد کی کافی زرعی اراضی تھی جسے سنبھالنے کی ذمہ داری چچا نے لے لی اور مکمل طور پر چچا پر انحصار کرنے سے کچھ نقصان تو ہوا مگر اتنا بھی نہیں کہ پھر ساری زندگی بنیادی ضروریات کی تگ و دو میں گزر جاتی انہوں نے زمینوں کی آمدن پر چیک رکھنا شروع کر دیا شروع شروع میں ذاکر چچا معترض ضرور ہوئے تھے مگر پھر انہوں نے خود ہی پیسے کھینچ لیا۔ ماربل انڈسٹری تو عرصہ ڈیڑھ سال کی کامیاب پیداوار تھی۔ زارون کی اور اپنی عمر کے تفاوت کو انہوں نے ہمیشہ دوگنا سمجھا تھا۔

"سنو! میں چاہتا ہوں تم زارون سے اتنی ہی محبت کرو جتنی کہ میں اس سے کرتا ہوں جب تم بیٹے کا باپ بنو گی تو شاید اسے بھی اتنی محبت نہ دے سکو جتنی محبت مجھے زارون سے ہے۔ کوئی میرے اور اس کے درمیان آئے کم سے کم اب میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ بولتے بولتے نجانے کہاں کھو گئے تھے ماہا کو ان کا کندھا ہلا کر متوجہ کرنا پڑا۔ ہارون نے چونک کر اس کی شکل دیکھی پھر حواسوں میں لوٹتے ہوئے بولے۔

"ماہا! تم کبھی بھی میرے اور ہارون کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں ہارون سے بے تحاشا محبت کرتا ہوں اور تمہاری محبت سے بھی میں انکار نہیں کر سکتا۔"

دل کی دنیا جیسے سات سروں سے گونج اٹھی تھی شوہر کے منہ سے محبت کا اظہار ہر دور کی عورت کو خوشی بخشتا آیا ہے۔ مگر ساتھ ہی کہیں دکھ کی ہلکی سی رمق نے آنچ دی تھی۔

"میں آپ کو ایسی لگتی ہوں ہارون۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا۔

"اتنے فاصلے سے تو مجھے بالکل پتا نہیں چل سکتا کہ تم کیسی لگتی ہو۔" وہ کسی اور ہی موڈ میں تھے اور پل پل بدلتا موڈ اسے خوشگوار سے تحیر میں ڈال رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مچلتی ہوئی پرشور لہر پوری شدت سے اس کے پیروں سے ٹکرائی تھی اور اگر ہارون نے اس کا ایک ہاتھ تھام نہ رکھا ہوتا تو یقیناً" وہ گر جاتی اس کے باوجود اس نے بوکھلا کر ہارون کا بازو دبوچ لیا تھا۔

"واپس چلیں ہارون! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"جب میں ہوں تمہارے ساتھ تو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" ہارون نے کچھ ڈپٹنے والے انداز میں کہتے ہوئے کچھ اور مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام کر چلنا شروع کر دیا وہ بھی ساتھ دینے لگی واقعی ہارون کے ہوتے اسے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ ہارون اسے کبھی گرنے نہیں دیں گے۔ وہ دونوں کافی دیر تک یونہی پانی میں چلتے رہے۔ بہت دنوں بعد ہارون اسے یہاں لائے تھے وہ حقیقتاً" سنڈے کو سنڈے کی طرح منا رہے تھے اور ماہا کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ جیسے سروں میں سفر کرتی نرم سی ہوا" آتی جاتی لہروں کا شور اور ہارون کا ساتھ۔

"بس اب واپس چلیں۔ میں تھک گئی ہوں۔" ہارون نے سر ہلایا اور مخالف سمت میں چلنے لگے پھر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر جب وہ اپنا سانس ہموار کر رہی تھی تو ہارون نے ٹراؤزر کے فولڈ پائنچے درست کرتے ہوئے فہمائشی انداز میں کہا تھا۔

"انسان کو اتنا کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہارون! میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اس نے احتجاجاً" کہا تو ہارون یوں مسکرانے لگے جیسے کسی بچے کی بات پر مسکرایا جاتا ہے۔

"میں تو یونہی ایک بات کہہ رہا ہوں کہ انسان کو کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے پانی تو اتنا بے ضرر ہوتا ہے پھر بھی لوگ اس پانی میں اترنے سے گھبراتے ہیں اب وہ سامنے لڑکی کو ہی دیکھ لو پانی میں جاتے ہوئے کتنی چیخیں مار رہی ہے۔" ہارون نے دور مگر لہروں سے قریب نظر آتی لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کا چہرہ سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں وہ خاص چمک تھی جس سے وہ ماہا کو چڑانے کا کام لیتے تھے۔

"ایک تو یہ کہ پانی بالکل بھی بے ضرر نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ جب میں آپ کے پاس بیٹھی ہوں تو آپ یہاں وہاں لڑکیوں کو کیوں دیکھ رہے ہیں۔"

"میں نے لڑکیوں کو کب دیکھا۔" ہارون نے بڑی حیرانی سے آنکھیں پھیلائیں۔

"مغالطہ بیانی کی بھی حد ہوتی ہے ابھی تک میں نے صرف ایک لڑکی کو دیکھا ہے لڑکیوں کو نہیں دیکھا اور وہ بھی خود بخود نظر آ گئی تھی۔ اب ایسے حسین چہرے سے بندہ کب تک نظریں بچا سکتا ہے۔" آخری بات سراسر خود کلامی تھی۔

"تو ٹھیک ہے پھر آپ یہاں بیٹھ کر حسین چہرے دیکھیں میں جا رہی ہوں۔" اس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی بلکہ اٹھ کر کھڑی بھی ہو گئی مگر دوسرے ہی پل ہارون نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہونے سے روکا۔

"اب بھی تو اس حسین چہرے کو دیکھ کر میرا جی نہیں بھرا کسی اور چہرے کو کیسے دیکھوں۔" گھٹنوں کے گرد بازو مضبوطی سے باندھتے شرارت سے اس کے صبیح چہرے کو گرفت میں لیا ہوا کے جھونکوں سے الجھ کر اس کے بال بکھر سے گئے تھے اور دوپٹے سے نکل کر چہرے پر بکھر رہے تھے۔ ہارون کی بات نے اس کے چہرے پر کچھ شرمیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے نہ صرف چہرہ بلکہ تھوڑا سا انداز نشست بھی تبدیل کر لیا تھا۔ دل عجیب لے سے دھڑکنے لگا تھا۔

"سچ بتائیں یہ بات اب تک کس کس سے کہہ چکے ہیں۔" اپنی کیفیت کو قابو کرتے ہوئے اس نے بھی شرارت سے پوچھا تو وہ جو اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے تیزی سے بولے۔

"صرف ایک بار رومیصہ سے کہا تھا۔" جتنی بے اختیاری سے کہا تھا اتنی ہی بے اختیاری سے لب بھینچ لیے۔ ماہا کی مسکراہٹ ٹھٹھک کر محدود ہو گئی تھی۔

بہت نامناسب بات، بہت ہی غلط وقت پر کہہ دی گئی تھی۔ ہارون نے بہت چاہا کہ کسی اور بات کا حوالہ اس ذکر کے اثر کو کم کر سکے مگر وہ دونوں ہی ایئر کنڈیشنڈ ماحول سے نکل کر تپتی دھوپ میں آ رکے تھے۔

ہارون نے گردن موڑ کر مخالف سمت میں دیکھنا شروع کر دیا۔ اب کہنے کو تو کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

"آپ نے مجھے رومیصہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔" بہت دیر بعد اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا جاننا چاہتی ہو؟" ہارون نے قریب پڑا پتھر دور اچھال دیا۔

"آپ..." کچھ کہنے کی کوشش میں اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ لفظ زبان کی نوک پر مچل رہے تھے اور دل کو کوئی اپنی مضبوط مٹھی میں جکڑ رہا تھا۔ وہ جو بات پوچھنے جا رہی تھی اگر اس کا جواب ہاں میں ملتا تو یقیناً اسے تکلیف پہنچتی پھر جب ہم کسی اور کے ماضی پر بات کرتے ہیں تو ہمیں اپنے ماضی کے زیر بحث لائے جانے کا خدشہ ہوتا ہے وہ بھی کسی ایسے ہی خدشے کے درمیان محو سفر تھی۔

"ہارون... آپ رومیصہ سے بہت محبت کرتے ہیں ناں؟"

اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی وہ حمنہ سے ہارون اور رومیصہ کے بارے میں کافی کچھ سن چکی تھی جس میں اولین بات یہ تھی کہ ان کی شادی میں محبت کا عمل دخل زیادہ تھا اور ان دونوں نے فرقہ وارانہ فرق کے باوجود شادی کی تھی۔ بقول حمنہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور اگر وہ دونوں بہت محبت کرتے تھے تو پھر ان کے مابین علیحدگی کیا معنی رکھتی تھی۔

"میں رومیصہ سے محبت کرتا تھا لیکن میں اب رومیصہ سے محبت نہیں کرتا کیونکہ اب میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔" ہارون بہت اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولے تھے۔

"میں نے رومیصہ سے محبت کرنا اسی روز چھوڑ دیا تھا جس روز وہ میری زندگی سے الگ ہوئی مگر مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اس کے حصار سے نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میں کبھی اس کے حصار سے نکلنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ میری پہلی محبت تھی میری زندگی کی پہلی خواہش... محبت نہ کرنے کے باوجود میں اسے کبھی بھول نہیں سکوں گا ماہا! اور اس کے لیے میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں وہ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی اور وہی وہ عورت ہے جس نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا اس نے میرے اور زارون کے درمیان بدگمانی کی اتنی بڑی دیوار کھڑی کر دی تھی کہ میں چاہ کر بھی اس دیوار کے پار دیکھ نہیں سکا۔ میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں؟ لیکن تم پریشان مت ہو یہ پانچ فٹ گیارہ انچ کا آدمی سراسر تمہارا ہے اور اگر اس کے دل میں کسی عورت کے لیے محبت ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو وہ صرف تم ہو اور کوئی نہیں۔" ہارون نے بہت مستحکم لہجے میں کہتے ہوئے انتہائی مان سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ماہا دھیرے سے مسکرا دی یہ پیارا سا شخص یقیناً "کسی نیکی کا اجر تھا اور وہ شام ان دونوں نے بہت اچھے طریقے سے گزاری تھی اور ہر شام کے اس پار ایک رات ہوتی ہے جس کی وادیوں میں کبھی کبھی ایسا سناٹا گونجتا ہے کہ انسان خود کو بچاتے بچاتے ہلکان ہو جاتا ہے اور کوئی کیسے جانے کہ کس کے دل میں کتنا بڑا غم پل رہا ہے اور کوئی اتنے بڑے ملال کی گٹھڑی اٹھائے پھر رہا ہے زندگی یونہی گزر سکے تو گزار لینے میں کیا قباحت ہے مگر دل کا کیا کیا جائے جو ہر گھڑی میں کئی بار محض سکون کی ڈیمانڈ کرتا ہے اور انہوں نے بالکل صحیح کہا تھا رومیصہ کا سحر ختم ہونے میں کچھ وقت ضرور لگا مگر یہ خوشی کیا کم تھی کہ آزادی مل گئی۔

یہ ٹھیک ہے کہ انسان تجربے سے سیکھتا ہے مگر ساری زندگی محض تجربات کی نذر بھی تو نہیں کی جا سکتی اپنی غلطی تسلیم کرنا اگرچہ مشکل ہوتا ہے مگر غیر جانبداری سے تجزیہ کرتے تو اپنی غلطی بھی دکھائی دینے لگتی یقیناً "یہ ان کی بے توجہی کا نتیجہ تھا کہ ان سے والہانہ عشق کی دعوے دار رومیصہ احسان ان کے چھوٹے بھائی کی جانب متوجہ ہوتی چلی گئی اچھی بھلی صاف ستھری سپاٹ سڑک جیسی زندگی میں یکدم ہی ایک بہت بڑا اور بدوضع اسپیڈ بریکر آگیا تھا اس سارے معاملے میں زارون قطعی بے قصور تھا کیونکہ اگر وہ ذرا بھی قصوروار ہوتا تو باپ جیسے بھائی کی نگاہوں میں در آنے والی ذرا سی بدگمانی سے دل برداشتہ ہو کر گھر نہیں چھوڑ دیتا۔

زارون نے گھر چھوڑ دیا اور پتا نہیں رومیصہ نے انہیں چھوڑ دیا یا انہوں نے رومیصہ کو بہرحال زندگی نے اپنا الگ ہی ڈھب اختیار کر لیا پھر انہوں نے زارون کو تو دوبارہ پا لیا مگر رومیصہ وہ ایک بھولی بسری کہانی بن کر رہ گئی اور اب ماہا ان کی شریک حیات تھی اور ان کا فرض بنتا تھا کہ اپنے سارے جذبے اسی کے نام کریں۔

اس رات کی ابتدائی لہر میں ہارون نے اپنے دل سے رومیصہ کی بچی کھچی یادوں کو بھی نکال پھینکا تھا اسی پل فون کی گھنٹی نے انہیں متوجہ کر لیا انہوں نے ایک نظر سوئی ہوئی ماہا کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف زارون تھا۔ ان کا پیارا بھائی۔

☆ ☆ ☆

مونیٹر کی اسکرین مکمل طور پر سیاہ ہو جانے تک وہ سکون کی کئی کیفیات میں گھرا سر کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکا چکا تھا۔

اس کے ہر ہر انداز سے خوشی کی شعاعیں نکل رہی تھیں جنہوں نے اندر باہر سے اسے روشن کر دیا تھا۔ اس نے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی اور پاکستان کا ریٹرن ٹکٹ اسے اس کی فرم نے فراہم کیا تھا جس سے کانٹریکٹ کی بنیاد پر وہ عرصہ دو سال سے اسٹاک ہوم میں مقیم تھا وہ کبھی پاکستان نہیں جانا چاہتا تھا دیکھا جاتا تو اس کے بچپن اور پھر جوانی کی ان گنت یادیں اسی سرزمین سے وابستہ تھیں مگر کیا کیا جاتا کہ زندگی کے سب سے گہرے گھاؤ بھی وہیں پر لگے تھے اور وہاں دوبارہ جا کر ان تلخ یادوں کو از سر نو تازہ کرنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

مگر اب کی بار پاکستان جانے کا فیصلہ سراسر اس کا ذاتی تھا اور وہ دل و دماغ کی قطعی آمادگی سے جا رہا تھا کیونکہ وہ جلد از جلد اپنی نئی بھابھی سے ملنا چاہتا تھا۔ اچھی خاصی حادثاتی اور ہنگامی بنیادوں پر شادی کر ڈالی تھی ہارون لالہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے اور ان کی شادی میں شریک نہ ہونے کا اگرچہ ملال ضرور تھا مگر ایک طمانیت بھی تھی جو اسے اطراف سے گھیرے ہوئے تھی۔ یہ کیا کم تھا کہ لالہ نے اپنے لیے ایک ساتھی چن لیا تھا عمروں کے واضح تفاوت کے باوجود وہ لالہ کے ہر ہر انداز کو بخوبی پہچانتا تھا تبھی ان کی آواز سے ان کے دل کا حال جاننے میں دقت نہ ہوئی۔ پہلے کے برعکس ان کے لب و لہجے میں خود ساختہ نہیں بلکہ بے ساختہ بشاشت اور شگفتگی تھی اور یہ بشاشت اور شگفتگی اسے کس قدر اطمینان میں مبتلا کر گئی تھی یہ صرف وہی جانتا تھا ایک مدت اس نے خود کو ہارون لالہ کی تنہائی کا قصوروار گردانتے گزارا تھا اسے لگتا تھا کہ اگر وہ درمیان میں نہ آتا تو ویسا نہ ہوتا جیسا ہو گیا۔

رومیصہ اس کی بھابھی تھی وہ ہارون لالہ سے اتنی محبت کرتا تھا کہ رومیصہ پر غلط نظر ڈالنا بھی اس کے لیے حرام تھا۔ بہت چھوٹی عمر میں اس نے ماں باپ کو کھو دیا تھا تو ہارون لالہ نے اپنی ساری محبتوں کا مرکز و محور اسے بنا لیا وہ بیک وقت اس کے لیے بڑے بھائی اور باپ بن گئے وہ خوش تھا زندگی کسی پرسکون ندی کی مانند رواں دواں تھی لالہ کی بے تحاشا محبت نے اس میں کچھ بری عادات بھی پیدا کر دی تھیں وہ کسی قدر اپنے زعم میں مبتلا ہو کر خود سر ہو گیا تھا مگر لالہ کے لیے وہ ہمیشہ بچہ ہی رہا اور اس بات پر اسے کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔

لالہ نے جب شادی کا ارادہ کیا تو وہ بے تحاشا خوش تھا۔ بھائی باپ کی سی حیثیت رکھتا تھا تو بھابھی کی حیثیت اس کے لیے ماں کی سی ہو سکتی تھی لہٰذا وہ بڑے خلوص بڑی محبت و چاہ سے رومیصہ بھابھی کو بیاہ کر لایا تھا۔

اس نے اپنی تمام تر پڑھائی ہاسٹل میں رہ کر مکمل کی تھی پہلے وہ صرف لالہ کی وجہ سے گھر بھاگا آتا تھا اب بھابھی سے ملنے کی بے چینی رہنے لگی۔

بہت ابتدا میں سب کچھ ٹھیک تھا بلکہ سبھی کچھ ٹھیک تھا وہ جب بھی گھر آتا ان دونوں کو خوش اور مطمئن پاتا مگر پھر نجانے کیوں کب اور کیسے؟ تبدیلی آنا شروع ہوئی اور اس تبدیلی نے اسے نگل لیا۔

رومیصہ نے بھی ہارون لالہ سے شادی اپنی مرضی سے کی تھی اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ اس معاملے پر رومیصہ اور اس کے والدین کے درمیان بڑی واضح چپقلش رہی تھی مگر پھر۔ کلب، پارٹیز، گیدرنگز اور خصوصاً لیٹ نائٹ فنکشنز یہ سب چیزیں ان کی ترجیحات کی فہرست میں سب سے بلند مقام رکھتی تھیں۔ رفتہ رفتہ ہی سہی مگر اس پر من پسند بھابھی صاحبہ کی بہت سی خصوصیات واضح ہوتی چلی گئیں۔ رومیصہ عورت کے روپ میں درحقیقت ایسا مرد تھی جسے کلی کلی منڈلاتے رہنے کا شوق تھا اور اس ادراک نے حقیقتاً اسے حد درجہ تکلیف پہنچائی تھی لالہ کتنے اچھے تھے پھر نجانے کیوں ایسی عورت ان کے حصے میں ہی آئی تھی۔

پھر ایک صرف یہی ادراک کافی نہیں تھا گزرتے دنوں نے اسے کچھ اور حقیقتوں سے آگاہ کیا تھا جو پہلے کی باتوں سے بھی تلخ تھیں نجانے رشتوں کے تقدس کی پامالی کا حوصلہ لوگ کس طرح پیدا کرتے ہیں خود میں۔

رومیصہ کا جھکاؤ وہ اپنی جانب محسوس کرنے لگا تھا اس کی وجہ بہت واضح تھی کہ رومیصہ نے اپنے ہر ہر انداز سے اپنی دلچسپی کو ظاہر کیا تھا اور وہ خود ہی بڑی شرمندگی میں مبتلا ہو گیا تھا جبکہ رومیصہ کو گناہ کا احساس بھی شرمندہ نہ کرتا تھا۔ وہ مرد تھا اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مرد کسی عورت کے اشاروں کو سمجھ ہی نہ سکے اور پھر ایسے واشگاف اشارے۔ رومیصہ کی ذو معنی گفتگو اسے اندر تک چھید ڈالتی تھی اور پھر ایک روز جب رومیصہ نے ہر لحاظ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلائے طاق رکھ دیا تو وہ بری طرح سٹپٹا گیا اگلے ہی پل طیش کی منہ زور ہوا نے اسے چاروں جانب سے گھیر لیا۔

"بے شرمی اور بے حیائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مگر میرا خیال ہے آپ کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔" ایک جھٹکے سے صوفے پر سے اٹھ کر بہت فاصلے پر جا رکا تھا۔

"ایگزیکٹلی۔" رومیصہ نے صوفے پر اپنا انداز نشست درست کیا اور کچھ نیم دراز سے انداز میں سینے پر بازو باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔ "میری تو کوئی بھی حد نہیں ہے۔ لیکن تمہاری تو حد ضرور ہو گی۔۔۔ چلو دیکھتے ہیں۔ مجھ سے بھاگتے بھاگتے تم کہاں جا کر تھکتے ہو۔" عجیب سے خمار میں ڈوبی سریلی آواز برفیلی ہواؤں کی تندی و تلخی کی مانند اس کی رگوں میں پیوست ہوئی تھی۔

"مجھے اپنی بھائی کی قسمت پر افسوس ہو رہا ہے۔ نجانے وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب ان کی نگاہ انتخاب آپ پر ٹھہری۔" وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"ارے۔" وہ زور سے استہزائیہ ہنسی۔ "مجھے تو تمہارے بھائی پر صرف ترس آتا ہے مائی گاڈ۔۔۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔۔۔ رنگوں سے بالکل عاری ہاہ پوئر ہارون۔"

"پوئر وہ نہیں بلکہ آپ خود ہیں جسے صحیح اور غلط میں فرق کرنا نہیں آتا جسے اچھائی اور برائی کی حقیقت ہی نہیں معلوم۔" وہ دانت کچکچا کر بولا تھا اعصاب تو گویا چیخ چیخ کر ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

"تم مجھے اتنے اچھے لگنے لگے ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری ہر بات خاموشی سے مان لوں کیا ابھی بھی تمہیں ایسا لگتا ہے کہ مجھے اچھائی اور برائی کی حقیقت نہیں معلوم؟" دونوں ہتھیلیوں کا بوجھ دائیں بائیں ڈالتے ہوئے وہ اک ادا سے آگے کو جھکی۔

"تم نے شاید کبھی مجھے غور سے نہیں دیکھا ورنہ یوں نہ بدکتے۔۔۔ خیر' خیر میں نے تو تمہیں غور سے دیکھا ہے پھر میں تم سے مانگ کیا رہی ہوں۔۔۔ صرف چند لمحے۔۔۔ میری مرضی کے۔۔۔ عجیب بیوقوف آدمی ہو تم ہاتھ آیا خزانہ لوٹا رہے ہو۔"

وہ اسے تاسف سے دیکھ رہی تھی زارون کا بس نہیں چلا کہ اس کا چہرہ ہی نوچ ڈالے اور یقیناً "یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے دل میں بچا کھچا احترام بھی دم توڑ گیا۔

"ہاں میں ہوں بیوقوف میں تسلیم کرتا ہوں مگر آپ تو بیوقوف نہیں ہیں ناں تو پھر کیوں اپنے اور میرے لیے مشکلات کھڑی کر رہی ہیں۔"

"ارے۔" وہ تعجب سے اسے تکنے لگی "دس از ناٹ فیئر تم مجھے بالکل ہی غلط سمجھ رہے ہو زارون! میں تو تمہارے لیے آسانیاں پیدا کرنا چاہتی ہوں اور تم ہو کہ میری بات سمجھ ہی نہیں رہے۔۔۔ فول بٹ ہینڈسم۔۔۔ مان لو میری بات ایسی آفرز زندگی میں بار بار نہیں ملا کرتیں۔"

"دل یو پلیز جسٹ شٹ اپ ناؤ۔" اس نے دبے دبے مگر خونخوار لہجے میں کہا تھا۔ پھر اس نے رک کر اپنے غیض پر قابو پانے کی کوشش کی اسے اچھی طرح احساس تھا کہ اس کا بھڑک جانا رومیصہ کو لطف میں مبتلا کرتا ہے پھر گھر میں ملازمین موجود تھے ہارون لالہ آفس سے نہیں لوٹے تھے تبھی رومیصہ کو موقع مل گیا تھا اسے زچ کرنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کا وہ بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا اور اپنی فطرت کی کوئی بھی کجی رومیصہ کے ہاتھ لگنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ جس کی بنا پر وہ کوئی سین کری ایٹ کر سکے۔

"رشتوں کا احترام کرنا تو شاید آپ نے سیکھا ہی نہیں کم سے کم اپنی نسوانیت کی تو پروا کریں نجانے کیسی عورت ہیں آپ؟"

"تمہارے سامنے تو بیٹھی ہوں۔ جی بھر کر دیکھ لو کہ "کیسی ہوں" اس نے زور دے کر شوخی سے کہا لفظوں کو گھمانا پھرانا اسے خوب آتا تھا زارون بری طرح شرمندہ ہوا۔

"لیکن خیر۔۔۔ تمہیں تو موقع سے فائدہ اٹھانا ہی نہیں آتا۔" دائیں ٹانگ بائیں پر رکھ کر وہ پاؤں جھلانے لگی۔

"بہتر ہو گا کہ اب آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔"

"اور اگر میں تشریف لے کر نہ جانا چاہوں تو۔۔۔؟" اس نے پھر استہزائیہ دریافت کیا لہجہ حد درجہ چیلنج کرتا ہوا تھا۔ زارون کو اپنی پیشانی جلتی محسوس ہونے لگی۔

"تو مجبوراً" مجھے آپ کو دھکے مار کر اپنے کمرے سے نکالنا پڑے گا۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"دھکے کیسے دو گے؟ میں تو تمہیں ذرا سا ہاتھ لگاتی ہوں تو تم کرنٹ کھا کر دس فٹ کے فاصلے پر جا رکتے ہو۔"

"فار گاڈ سیک رومیصہ بھابھی!۔۔۔ کس مٹی سے بنی ہیں آپ؟ کوئی بات اثر ہی نہیں کر رہی آپ پر۔" یہ صرف وہی جانتا تھا کہ اس نے اپنے اعصاب کیسے قابو کر رکھے ہیں ورنہ ذہنی کیفیت کی جس اسٹیج پر وہ تھا وہاں وہ رومیصہ کو قتل بھی کر سکتا تھا جو اپنے سارے بدن کو بڑی ادا سے نمایاں کرتے ہوئے اٹھی تھی۔

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کس مٹی سے بنے ہو تم پر بھی تو کوئی اثر نہیں۔"

"آپ کے لیے اس وقت یہی بہتر ہے کہ آپ یہاں سے چلی جائیں ورنہ شاید میں خود پر قابو نہ رکھ سکوں۔" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے رخ موڑ لیا تھا اور بہت ضبط سے بول رہا تھا۔ "میں اپنے اور آپ کے درمیان رشتے کو بھولنا نہیں چاہتا۔۔۔"

"اور یہی تو میں چاہتی ہوں کہ تم اس رشتے کو بھول جاؤ اور اگر یاد رکھو تو صرف مجھے۔۔۔" رومیصہ کی آواز درمیان کا فاصلہ عبور کر کے بہت قریب چلی آئی تھی۔ یہ سرگوشی محض سرگوشی نہیں بلکہ زہر میں ڈوبا ہوا تیر تھا۔

اپنی مٹھیوں کو مزید بھینچے رکھنا اس کے لیے اک کار دشوار تھا۔ وہ جھٹکے سے پلٹا تھا رومیصہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کرنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ طیش کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوئی قدم اٹھاتا ایک اضطراب بھرے جھٹکے سے کمرے کا داخلی دروازہ کھلا تھا۔ دروازے کے بیچ و بیچ لالہ کھڑے تھے انہوں نے ایک نظر ہارون کو پھر رومیصہ کو دیکھا۔ سادہ سی نظر اس ایک نظر میں کیا کچھ نہیں تھا۔ شک ۔۔۔ تاسف۔۔۔ بدگمانی وہ کسی گہرے بوجھ تلے دب گیا۔

گویا جس لمحے کے خوف سے وہ بھاگ رہا تھا وہ آن پہنچا۔ بے قصور ہونے کے باوجود وہ گہری پشیمانی میں گھر کر یوں ہو گیا تھا گویا کاٹو تو بدن میں خون نہیں اور رومیصہ اس کے اطمینان میں رتی بھر بھی فرق نہ آیا تھا۔

"تم کب آئے ہارون! میں کب سے ویٹ کر رہی تھی تمہارا۔ پھر یہ زارون مارکیٹ سے واپس آیا تو میں اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے کمرے میں آگئی تاکہ اس کی شاپنگ دیکھ سکوں۔"

جس قسم کے ارادوں کی پرورش آج کل رومیصہ کر رہی تھی ان کی موجودگی میں اسے وضاحت دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بیڈ پر پڑے شاپنگ بیگز نے اس کی بات کی گواہی دی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ لالہ نے رومیصہ کی بات کا یقین کیا ہے یا نہیں کیونکہ وہ بنا کچھ کہے واپس پلٹ گئے تھے مگر ان کی پیشانی پر منڈلاتے شکوک و شبہات کے سائے اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکے تھے۔

رومیصہ لالہ کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔ اس کی کیفیت اس چور جیسی ہو رہی تھی جو چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ وہ دکھ سے بیٹھ گیا اور کاش لالہ اسے ملامت کے چند لفظ ہی کہہ دیتے تو شاید اس کے دل کی حالت اس قدر ابتر نہ ہوتی۔ اس نے ان کی نگاہوں میں وہ سب کچھ دیکھا تھا جو انہوں نے لبوں سے نہیں کہا تھا مگر کاش انہوں نے کوئی وضاحت مانگی ہوتی۔

خاموشی سہنا کس قدر تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے جنہیں ہم بہت چاہتے ہیں ان کی نگاہوں میں بے اعتباری کی ہلکی سی رمق بھی ہمیں بے چین کر دیتی ہے اور وہ تو یہ سب بہت دنوں سے برداشت کر رہا تھا۔ ایک اور تکلیف دہ بات کہ لالہ پہلے سے شکوک میں مبتلا تھے۔

وہ کم گو ضرور تھے مگر اس حد تک بھی خاموش طبع نہ تھے جتنا کہ پچھلے کچھ دنوں میں ہو گئے تھے اور ابھی جو ایک نگاہ انہوں نے اس پر ڈالی تھی تو وہ ملامت سے لبالب بھری ہوئی تھی گویا۔ گویا لالہ اسے بھی غلط اور رومیصہ کی کارگزاری کا شریک سمجھ رہے تھے۔

وہ اٹھا اور اپنا سامان پیک کرنے لگا۔ گھر چھوڑنے کا فیصلہ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کیا تھا۔ بہت محبت کرنے والے لالہ کی نگاہوں میں بے اعتبار ٹھہرنا اس کی برداشت سے باہر تھا اور گھر چھوڑنے کی کئی وجوہات میں سر فہرست یہی وجہ تھی۔ اس نے اپنی کنپٹیوں کو انگلیوں کی مدد سے دبایا ماضی کے اس تلخ سفر نے اس کے دماغ میں گویا ریت کے بھکڑ اڑائے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر ان اذیت سوچوں سے پیچھا چھڑوایا اور صدق دل سے لالہ کی پُرسکون زندگی کے لیے ـــــ دعا کی۔

تبھی عقب میں دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکا پھر ریلیکس ہو بیٹھا۔ اندر آنے والی شخصیت سے وہ واقف تھا۔

"کوئی اور دن ہوتا تو یقیناً" وہ اپنی بیوی کو یوں کام کے وقت ڈسٹرب کرنے پر خوب اچھی سی جھاڑ پلاتا مگر آج کا دن مختلف تھا اور اس کے دل کی کیفیت بھی۔

"ایک کپ کافی مل سکتی ہے ـــ اچھی سی۔"

اس نے دھیمی آواز اور اسی انداز نشست میں اپنی بیوی کو مخاطب کیا۔ وہ دروازے سے ہی الٹے قدموں واپس پلٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

نارنجی کرنوں کے ڈھلتے ہوئے عکس میں بھیگا آسمان سفید سفید کبوتروں کی موجودگی میں بڑا دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چند لمحے گردن اٹھائے دیکھتی رہی پھر ہوا سے بکھرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑس کر ٹھوڑی گھٹنوں پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھے ہاتھوں کی پشت پر رکھ کر نرم اور بھیگی بھیگی سی گھاس پر رکھے اپنے پیروں کو دیکھنے لگی۔ سفید کبوتری جیسے نرم و نازک سے پیر ہری گھاس سے ٹراوٹ سمیٹ رہے تھے۔ وہ بشور اپنے پیروں کو دیکھتی رہی۔ ہارون نے ایک دفعہ اس کے پیروں کی تعریف کی تھی اور یہ اسی تعریف کا اعجاز تھا کہ اسے اپنے پاؤں بے حد اچھے لگنے لگے تھے۔

"بیٹی! اندر چلیے۔ مغرب ہو چلی ہے اس وقت تو بھوت پریت اپنے مسکن چھوڑ دیتے ہیں۔" شاکر بابا سارے گھر کی لائٹس جلاتے اس کے پاس چلے آئے تھے وہ صرف پلکیں اٹھا کر لان کی آخری دیوار کے ساتھ ساتھ عکس کے پودوں کو دیکھنے لگی۔

"ہمیں بھوت پریت سے مت ڈرائیں بابا۔۔۔ ہم تو کئی گنا خوفناک انسان بھگتائے بیٹھے ہیں۔" ایک تلخ سی مسکراہٹ لبوں کی تراش میں آن رکی تو اس نے سر جھٹک دیا اب تو بس اچھے دنوں کے خواب دیکھنے کو دل چاہتا تھا کسے پڑی تھی کہ ماضی کی تلخیاں ٹٹولے۔

وہ کب سے ہارون کی منتظر تھی انھوں نے آفس سے فون کر کے اسے تیار رہنے کے لیے کہا تھا شاید وہ آؤٹنگ کا ارادہ رکھتے تھے تبھی اس نے ان کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے سادگی سے تیار ہونا مناسب سمجھا رائل بلیو شلوار سوٹ کے ساتھ اس نے سفید جیولری کو ترجیح دی تھی۔ بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی کے ساتھ کانوں میں بڑے بڑے سفید رنگز اور گلے میں سفید ہی نیکلس۔ ایک کلائی میں کچھ سفید چوڑیاں جبکہ دوسری کلائی میں نازک سی ریسٹ واچ تھی جس پر بار بار اس کی نگاہ ٹھہر جاتی تھی پھر وہ پورٹیکو کی جانب ایک متلاشی نگاہ ڈالتی اور بے اختیار مسکرا دیتی۔

ٹھیک ہے ہارون معمول سے کچھ لیٹ ہو گئے تھے مگر بنا گیٹ کھلے جادو کے زور سے از خود ان کی گاڑی پورٹیکو میں نہیں آسکتی تھی مگر اس کی بے چینی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اس نے کئی بار سوچا کہ آفس فون کر لے مگر نجانے کیوں ہر بار ارادہ ترک کر دیا۔

ماند پڑتی زردیوں میں رات کے سائے دھیرے دھیرے گھل رہے تھے۔

"شاکر بابا! ایک کپ چائے بنا دیں گے؟" اس نے مڑ کر شاکر بابا کو دیکھا وہ سر ہلا کر اندر چلے گئے معاً ہارون کی مخصوص جانی پہچانی آواز نے اسے متوجہ کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھلے گیٹ سے ہارون کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی وہ دوپٹہ درست کرتی اس جانب بڑھی پھر ٹھٹھک کر رک گئی۔

گاڑی میں ہارون تنہا نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہ وہیں سے اندر چلی آئی پہلے ڈرائننگ روم کی لائٹس آن کیں پھر کچن میں آگئی۔

"مہمان آئے ہیں شاکر بابا! چائے کے لیے اور پانی چڑھائیں۔" ہدایت دے کر وہ کیبنٹس دیکھنے لگی اور ذہن میں ریفریشمنٹ کے متعلق سوچنے لگی۔ تبھی عقب میں بشاش سی آواز ابھری۔

"السلام علیکم۔۔۔ شاکر بابا! ذرا گاڑی سے سامان نکال کر اوپر کمرے میں پہنچائیں اور۔۔۔ اور ہاں گیسٹ روم بھی کھول کر چیک کریں اسپیشلی واش روم ٹاول رکھنا آپ ہر بار بھول جاتے ہیں۔"

"اور جناب کیا ہو رہا ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بڑی جانب دیکھنے لگے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کون آیا ہے ہارون؟" اس نے چائے کی پتی ڈال کر کیتلی بند کی پھر رخ ان کی جانب موڑ کر پوچھنے لگی۔

ہارون نے فوری جواب دینا چاہا مگر پھر بھرپور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے ان کی نگاہوں نے اس حسین چہرے سے ہٹنے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ اتنا ڈھیر سارا روپ "اتنی ڈھیر ساری کشش نجانے کہاں سے حاصل کر لی تھی اس نے یہ چہرہ یہ چمکتی ہوئی آنکھیں وہ تو نہیں تھیں جنہیں انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"ہارون۔" اس نے دھیرے سے اپنے شانوں سے ان کے ہاتھ ہٹائے۔ صبیح رنگت میں یکدم ہی گلابیاں اتر آئی تھیں۔

"کون آیا ہے۔" اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر فوراً" نظریں جھکالیں۔

"آں۔۔۔ آں۔" اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو کر انہوں نے نظروں کا زاویہ بدلا پھر کچھ سوچ کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بولے

"آؤ تمہیں ملواتا ہوں۔" پرجوش انداز میں وہ آگے بڑھے تھے مگر رکنا پڑا کیونکہ ماہا نے قدم نہیں بڑھائے تھے۔ "بتا تو دیں کہ کون ہے۔"

"تم ملو گی تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا۔۔۔ بہت خاص لوگ ہیں۔" وہ مسکرائے ماہا نے سوچتے ہوئے انہیں دیکھا پھر شرارت سے گویا ہوئی۔

"زارون آئے ہیں ناں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ متعجب سے پلٹے تو وہ زور سے ہنس دی۔

"آپ کے چہرے پر جو خوشی ہے وہ سب کچھ بتا رہی ہے۔"

"اوہ۔" وہ کھل کر مسکرا دیے۔ "اچھا چلو ناں۔"

وہ دو تین قدم چل کر پھر رک گئی "ہارون! میں نروس ہو رہی ہوں۔"

"وجہ۔۔۔ زارون تمہیں کھا تو نہیں جائے گا کم آن یار! میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔ زارون بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہا ہے تم سے ملنے کے لیے ہم نے یہاں مزید دیر کی تو وہ کچن میں ہی پہنچ جائے گا۔"

اس نے بے چینی سے ہتھیلی مسلی پھر دو قدم چل کر ان کے قریب ہو گئی اور اسی گھبراہٹ بھری بے بسی میں بولی۔

"میں ٹھیک لگ رہی ہوں ناں۔" ہارون کے لب مسکراہٹ کے انداز میں پھیلنے لگے تو جھلا کر بولی "آپ تو قرارداد پیش کریں گے پاس تو آپ کے بھائی نے ہی کرنا ہے۔"

"جی نہیں۔۔۔ اس قرارداد کو ہم بہت پہلے ہی پاس کر چکے ہیں اور جسے ہم پاس کر چکے ہیں زارون اسے فیل کر ہی نہیں سکتا اور اب فیل کرے یا پاس۔ فرق بھی کیا پڑتا ہے ہمیں تو یہ قرارداد جان سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔"

انہوں نے دھیرے سے اس کے سر سے اپنا سر ٹکرایا۔ اور بازو کے گھیرے میں لیے باہر آ گئے اس کے چہرے پر ایک کنفیوژ سی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی مگر ساتھ ہی ہارون کا سہارا اسے بے حد مضبوط بنا رہا تھا۔ محبتوں کا سہارا انسان کو استحکام بخشتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ بہت متوازن قدموں سے چلتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی مگر ایک پل میں اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ قدموں تلے زمین لرز کر ساکت ہوئی تھی۔ بڑے اشتیاق سے اس کی جانب پلٹنے والا چہرہ بھی گم صم تھا۔ اور اس چہرے کو وہ بخوبی پہچان سکتی تھی۔ اسے لگا وہ ہوا میں معلق ہو چکی ہے۔

"ان سے ملو ماہا۔ یہ ہیں زارون تیمور علی لمائی لونگ برادر۔" اس کا لرزتا ہاتھ بے اختیار ہارون کے ہاتھ پر ٹھہر گیا۔

ہارون نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اس کی رنگت بہت زرد ہو چکی تھی۔

"کمال۔" زارون کی آواز پر وہ اسے دیکھنے لگے اس کے تاثرات بھی عجب تھے۔

"کمال یہ ماہا ہے۔ زین کی بہن۔"

ہارون پر منوں اوس آگری انہوں نے بے یقینی سے ماہا کو دیکھا وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر گر گئی تھی۔

زارون پتھر کا مجسمہ بنا کھڑا تھا اور ہارون پر بہت سی حقیقتیں منکشف ہو چکی تھیں ماہا زین کی بہن تھی اور زین سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اس کا مطلب۔ اس کا مطلب۔ ماہا وہی لڑکی تھی جسے زارون نے اغوا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

قدرے خنک اور بڑی حد تک مصروفیت سے بھرا دن کا دوسرا پہر تھا جب دروازہ کھول کر زارون ان کے آفس میں داخل ہوا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو زارون؟" انہوں نے خوشدلی سے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا تھا پھر وہ آفس میں موجود کچھ لوگوں سے اسے متعارف کروانے لگے۔ وہ ان کے اسٹاف میں سے تھے۔

"زارون! یار تم تھوڑا سا ویٹ کرو میں ابھی چند منٹوں میں فارغ ہوتا ہوں پھر گھر چلتے ہیں۔"

"نہیں لالہ" آپ اطمینان سے اپنا کام کیجئے۔ مجھے جلدی نہیں ہے میں انتظار کر سکتا ہوں۔" وہ ایک طرف رکھے صوفوں کی جانب بڑھ گیا۔ ہارون نے چونک کر اس کے کھوئے ہوئے سے انداز کو دیکھا پھر اپنی سیٹ کی جانب آ گئے۔

یہ وہ دور تھا جب انہیں ماربل انڈسٹری کا آغاز کیے چھ سے آٹھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔ بزنس زیادہ توجہ مانگتا تھا اور حقیقتاً" ان کی ساری توجہ کا مرکز اب ان کا بزنس ہی تھا رومیصہ نے اپنی مرضی کا راستہ چن کر ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی ڈیڑھ سال کے فرق سے انہوں نے اپنے بھائی کو پھر حاصل کر لیا تھا وہ بہت مطمئن و شاد زندگی گزار رہا تھا انہوں نے اس سے معذرت بھی کی تھی اور اس کی پر سکون زندگی ہارون کو تسلی فراہم کر گئی تھی۔

مگر اس وقت کوئی بات تھی جو انہیں غیر تسلی بخش لگ رہی تھی اپنا کام جلدی جلدی نمٹاتے ہوئے انہوں نے کئی بار اسے دیکھا تھا اور وہ بڑی سی گلاس وال سے باہر نظریں جمائے ہوئے تھا مگر اس کا انہماک اس کی ذہنی غیر حاضری کی نشاندہی کر رہا تھا۔

انہوں نے جلد از جلد اپنے ورکرز کو فارغ کیا پھر اس کے پاس آ گئے۔ چائے پہلے ہی میز پر پہنچ چکی تھی۔ زارون دو تین بار پکارنے پر ان کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"کیا بات ہے زارون! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے سرسری دریافت کیا۔

زارون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مگ اٹھا لیا۔ "میں ٹھیک ہوں لالہ۔" اس کا لہجہ اس کا چہرہ اس کی بات کی چغلی کھا رہا تھا مگر ہارون نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

"مریم خیریت سے ہے؟"

"پتا نہیں۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا ہارون نے ابرو اچکا کر بھائی کو دیکھا۔

"اس بات سے کیا مراد ہے تمہاری؟ کیا وہ تمہارے ساتھ کراچی نہیں آئی؟"

"نہیں۔" اس نے مستحکم لہجے میں کہا اور حقیقتاً" ہارون کو پہلی بار تشویش ہوئی۔

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو زارون؟"

"پتا نہیں میں کیسی باتیں کر رہا ہوں۔ شاید لفظ بھی اب میرے اختیار میں نہیں رہے۔" وہ کپ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ مجھے اپنی گاڑی کی چابی دیں گے میں گھر جا کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہارون اس کی پل پل بدلتی کیفیت سے الجھ گئے تھے۔ بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ زارون کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں شاید وہ ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ ہارون نے انٹر کام پر اپنے سیکریٹری کو کچھ ہدایات دیں پھر کار کی چابی اور موبائل فون لے کر اس کی جانب آ گئے۔

"چلو۔"

"میں چلا جاؤں گا لالہ۔" اس نے بودے سے لہجے میں کہا۔

"اٹس اوکے یار! گھر تو میں نے جانا ہی ہے۔ ذرا جلدی سہی۔ تھوڑی گپ شپ لگائیں گے۔" انہوں نے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کی۔

گھر پہنچنے تک کوئی خاص بات نہ ہو سکی وہ خود ہی بات سے بات نکال کر ماحول کے پھیکے پن کو رفع کرتے رہے مگر اندر سے یہ احساس پوری طرح یقین میں بدل چکا تھا کہ زارون کسی الجھن میں گرفتار ہے۔ اس کی غائب دماغی اور چہرے پر بکھری کسی تلخ سوچ کی پرچھائیاں گہرے اضطراب کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

"میں سونا چاہتا ہوں لالہ۔"

گھر پہنچ کر زارون نے کہا تو وہ سر ہلا کر کچن میں چلے آئے ملازم کو کافی بنانے کے لیے کہا پھر ٹیرس پر آ گئے۔ ان دنوں وہ ساحل کنارے ایک قدرے چھوٹے لیکن لگژریز سے بھرپور اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر تھے ٹیرس پر سے یہاں سے وہاں چکر لگاتے ہوئے 'کافی پیتے ہوئے' ساحل پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ زارون کے اضطراب و بے چینی کا کوئی سرا کھوجنا چاہتے تھے۔

تین بجے کے قریب انہیں ایک بزنس ڈیلیگیشن سے ملاقات کرنی تھی بہت اہم میٹنگ نہ ہوتی تو وہ کبھی نہ جاتے ساڑھے چار بجے سے کچھ پہلے ان کے سیل فون پر گھر کے ملازم نے کال کی تھی۔

"صاحب آپ جلدی گھر آ جائیں۔۔۔ زارون صاحب کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔"

اس کی آواز بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ ہارون بہت رش ڈرائیو کرتے ہوئے گھر پہنچے صورتحال ان کی توقع سے زیادہ بگڑی ہوئی تھی۔

زارون کا کمرہ عجیب ابتری کی حالت میں تھا اور وہ خود اوندھے منہ بستر پر پڑا تھا۔

"زارون۔" وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھے "زارون۔۔۔ میری جان۔۔۔ میرے بچے! کیا ہوا ہے۔" انہوں نے بمشکل اسے سیدھا کیا پھر مزید پریشانی میں مبتلا ہوئے۔ بے تحاشا سرخ آنکھوں اور نہایت گمشدہ حواس کے ساتھ وہ انہیں دیکھتا رہا پھر ایک دم ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

ہارون پر عجیب افتاد پڑی تھی اپنے پیارے بھائی کو تو انہوں نے کبھی بچپن میں بھی روتے نہ دیکھا تھا اور آج وہ کسی بچے کی طرح رو رہا تھا۔

"زارون۔۔۔ بیٹا۔" انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ بہت دیر تک روتا رہا تھا اور روتے ہوئے اس کے لبوں سے کچھ ٹوٹے پھوٹے جملے بھی ادا ہو رہے تھے جنہیں سمجھنا پورے مفہوم کے ساتھ ان کے لیے قطعی مشکل تھا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

روتے روتے زارون کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں مگر وہ ہارون سے الگ نہیں ہوا تھا۔

"زارون!... میرے بچے! مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے۔" انہوں نے پیار سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

زارون نے کچھ بھی کہنے کی بجائے ان کے دونوں ہاتھ التجائیہ انداز میں تھام لیے تھے۔

"آپ اسے کہیں گے ناں لالہ وہ' وہ مم... مجھے معاف کردے میں بب... بہت برا ہوں پھر بھی معاف کر دے... پلیز آپ کہیں گے۔"

وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہا تھا اور مکمل حواس میں بالکل نہیں تھا اس کے منہ سے عجیب ناگوار سی بو اٹھ رہی تھی۔

"ہاں! میں اس سے کہوں گا۔" ہارون نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر بچوں کی طرح اسے پچکارا مگر وہ مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔

"میں کتنا برا ہوں ناں لالہ!... میں اس کی بات نہ مانتا... تو۔"

وہ ایک طرف کو گر کر سسکنے لگا پھر روتے روتے گہری نیند میں چلا گیا۔ ہارون دکھ اور اذیت سے اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے اسے اچھی طرح سے کمبل اوڑھا دیا اور نائٹ بلب آن کر کے کرسی پر جا بیٹھے۔

کارپٹ پر رکھی بوتل اور گلاس وہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے گہرے دکھ سے زارون کو دیکھا نجانے احساس میں کچوکے لگاتا وہ کونسا خیال تھا جو اسے اس موڑ تک لے آیا تھا کھلا ہوا سفری بیگ ان کی نگاہ میں تھا۔

اصل میں گناہ قبول کرنے کے لیے ہوش و حواس سے بیگانہ ہونا ضروری ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اس بیگانگی کے لیے کچھ رم پیوں کا سہارا لیتے ہیں اور کچھ کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی مگر زارون نے اعتراف پورے ہوش و حواس میں کیا تھا تقدیر نے اسے اتنی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ وقتی طور پر بھی ضمیر کی خلش سے نجات پا سکے۔

صبح جس وقت ہارون کی آنکھ کھلی زارون کمرے میں موجود نہیں تھا وہ بے چین ہو کر باہر نکلے پھر ٹیرس کی گرل سے بازو ٹکائے زارون کی پشت کو دیکھ کر مطمئن ہوئے اور اپنے کمرے میں آ گئے پھر جب دوبارہ کمرے سے باہر آئے تو ملازم ان کی ہدایت کے مطابق ٹیرس پر ناشتا لگا چکا تھا۔

"زارون۔" انہوں نے معمول کے انداز میں اسے مخاطب کیا اور اخبار کھولتے ہوئے بولے۔ "آؤ ناشتا کرتے ہیں۔"

زارون نے مڑ کر انہیں دیکھا بظاہر پوری طرح سے اخبار کی جانب متوجہ ہونے کے باوجود وہ بخوبی جانتے تھے کہ زارون بہت گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"آپ ناشتا کریں مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے گہرا سانس بھر کر رخ پھیر لیا۔ ہارون نے بنا کچھ کہے کافی چائے تیار کی اور پلیٹ میں چکن سپریڈ کا سینڈوچ رکھ کر اس کے قریب آ گئے۔

"جو جنگ تمہارے اندر چھڑی ہوئی ہے اس سے نمٹنے کے لیے تمہیں توانائی کی ضرورت ہے۔" وہ زبردستی اسے پلیٹ تھما رہے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"لالہ ــــ"

"خود کو سزا دینے کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے زارون۔"

تنبیہی لہجے میں کہتے وہ اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ وہ اپنے لیے کپ میں چائے نکالنے لگے۔ جس حالت میں انہوں نے زارون کو کل شام دیکھا تھا آج بھی کم و بیش اس کی وہی حالت تھی فرق صرف اتنا تھا کہ آج وہ مکمل ہوش و حواس کی کیفیت میں تھا اور بہت حد تک پشیمان بھی۔

"لالہ ــــ" بہت دیر بعد زارون بولا۔ "کل جو کچھ ہوا ــــ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔"

"اور میں دکھی۔" ہارون بغور اس کی کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے بولے۔

"میں جاننا چاہتا ہوں زارون! کہ کل جو کچھ ہوا اس کا اصل محرک کیا ہے؟" انہوں نے آخری گھونٹ بھر کر کپ میز پر رکھ دیا۔

"تمہیں یاد ہے زارون! بچپن سے تم اپنی ساری باتیں مجھ سے شیئر کرتے رہے بڑی سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی بات تک سب کچھ کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں تمہارا اپنا بھائی اور دکھ درد اپنوں سے ہی شیئر کیے جاتے ہیں میرے بچے۔"

وہ اس کے قریب آ گئے اس کی نگاہیں دور کہیں خلاؤں میں بھٹک رہی تھیں اور پیشانی کی شکنیں گہری سوچ و اضطراب کی غماز تھیں۔

"جب ہم دو ہفتہ قبل ملے تھے تو تمہاری یہ حالت نہیں تھی میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان دو ہفتوں میں ایسا کیا ہوا ہے جس نے تمہیں اس حال تک پہنچا دیا ہے۔"

ان کے مابین گہری خاموشی حائل ہو چکی تھی آتی جاتی لہروں کا شور' ہوا کی پر معنی سرگوشیاں اور شکست و ریخت کی ان کہی داستان پوری شدت سے گونج رہی تھی۔

ہارون نے گہرا سانس بھر کر اسے کندھوں سے تھام کر اپنی جانب موڑا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نہیں بتانا چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا مگر ــــ زارون خود کو یوں اذیت مت دو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" زارون کی پلکوں پر نمی سی چمکی وہ یکدم ان کے سینے سے لگ گیا تھا۔

"بولیں لالہ! بولتے رہیں۔ مجھے یقین دلا دیں کہ جو کچھ ہوا اس میں میری غلطی نہیں تھی اگر میری غلطی تھی تو ــــ تو بھی میری غلطی نہیں تھی۔ مجھے اس جرم کے احساس سے نجات دلا دیں لالہ! ــــ کچھ تو ایسا کہہ دیں لالہ! جو میرے اندر کو شانت کر دے۔ اتنی بے سکونی ہے کہ میں سانس بھی مشکل سے لے پاتا ہوں۔ آپ بولتے رہیں پلیز آپ نہیں بولیں گے تو میرا اندر بولنے لگے گا میں بہت مشکل میں ہوں لالہ! یہ یہ آوازیں مجھے چین سے جینے نہیں دیں گی۔"

وہ بھرپور جوان' توانا مرد' بارش میں بھیگے کبوتر کی طرح ان کی پناہ میں سسک رہا تھا۔ زارون کے لہجے میں بولتے دردنے ان کے دل کو پوری قوت سے اپنی مٹھی میں لیا تھا۔

"زارون ــــ" انہوں نے کہنا چاہا مگر وہ جیسے بے اختیار ہو کر بول رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرے اندر اتنا شور ہے لالہ۔۔۔ مجھے لگتا ہے میں۔۔۔ میں کسی روز پھٹ جاؤں گا اور پھر۔۔۔ سب کو پتا چل جائے گا کہ میں۔۔۔ میں اسے نے گیا تھا اور۔۔۔ اور میں۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا لالہ۔"

"یہاں بیٹھو۔" ہارون نے اسے خود سے الگ کر کے کرسی پر بٹھایا اور پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ زارون نے ایک سانس میں پانی ختم کیا پھر اس نے سرعت سے جگ سے مزید پانی گلاس میں انڈیلا اور غٹ چڑھا گیا پھر اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا اس کا سانس یوں پھول رہا تھا گویا وہ طویل مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"زارون! تمہارے اندر شور اس لیے ہے کیونکہ تم اس شور کو باہر نکلنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔" ہارون رسانیت سے گویا ہوئے۔

"تم اسے جتنا دباؤ گے یہ تمہیں اتنا ہی بے چین کرے گا اس لیے بہتر ہے کہ تم خود اسے باہر آجانے دو۔"

انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ زارون نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اعتماد نام کی تو کوئی چیز نہ تھی اس چہرے پر بلکہ وہاں دکھ، ملال، احساس جرم اور۔۔۔ اور شاید کوئی احساس زیاں بھی تھا جس کے سائے دم بدم اس کے چہرے پر گہرے ہو رہے تھے۔

"میں سمجھتا تھا کہ میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں بہت دن میں اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا مگر لالہ! مجھے اب پتا چلا کہ میں تو اس سے نفرت کر ہی نہیں سکتا میں تو اس سے بہت محبت کرتا ہوں لالہ۔۔۔ شدید محبت۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید اپنی ذات سے بھی زیادہ۔

مگر ادراک نہ ہو سکا اور اب جبکہ میں خود اپنے ہاتھوں سے سب کچھ ختم کر چکا ہوں تو میرے وجود کا ہر حصہ اس کی چاہت کا اقرار کر رہا ہے کاش۔۔۔ کاش میں گزرا کل واپس لا سکتا۔۔۔"

ہارون نے اس کا ہاتھ دبایا تھا حقیقتاً" اپنے بھائی کا دکھ ان کے دل پر ایک تواتر سے گھونسے برسا رہا تھا زارون نے ایک مضمحل سی نگاہ ان پر ڈالی اور پھر سے آنکھیں موند کر اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"میں نے اسے پہلی بار زین کے گھر میں دیکھا تھا۔۔۔" اس نے کہنا شروع کیا اس کے لہجے میں کئی برسوں کی تھکن اور گویا صدیوں کا ملال تھا۔ اس نے اپنے اندر کے شور کو باہر آنے کی اجازت دے دی تھی۔

گھر چھوڑنا ایک فوری فیصلہ تھا جس کے پیچھے کسی سوچ سمجھے منصوبے کا عمل دخل قطعاً" نہیں تھا بس حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا تھا کہ وہ بنا سوچے سمجھے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اپنے لالہ کی زندگی میں مزید کوئی مسئلہ کھڑا کرنا نہیں چاہتا تھا مگر گھر چھوڑنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ حقیقتاً" سب کچھ اتنا آسان بھی نہیں ہے جتنا کہ وہ پلان کر رہا تھا کمائی کا کوئی مناسب ذریعہ نہیں تھا اور فی الحال رہائش کا بھی بندوبست نہ تھا۔ فی الحال تو یہی دو مسائل تھے جو اسے درپیش تھے مگر یہ مسائل بھی جلد ہی حل ہو گئے اس کا اکیڈمک ریکارڈ اتنا شاندار تھا کہ پہلی ہی فرم میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اگلا مسئلہ مناسب اور اس کی پسند کے عین مطابق رہائش کا تھا۔ اس کا ایک اپنا لائف اسٹائل تھا جس میں کسی بھی قسم کا ردوبدل اسے گوارا نہ تھا۔

بہت شروع سے ہی اسے آسائشات اور ہر طرح کی سہولیات میں زندگی گزارنے کی عادت رہی تھی ہاسٹلز میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہنے کے باوجود اس نے سہولیات سے پر ادوار گزارے تھے پھر وہ کسی حد تک اپنی شاندار شخصیت' ذہانت اور دولت کے زعم میں مبتلا اور کسی حد تک اپنے اردگرد رہنے والوں سے فاصلہ رکھ کر ملنے کا قائل تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے دوستوں کی تعداد بہت کم تھی۔ حیدر اسٹیٹس چلا گیا تھا وہ آگے ماسٹرز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جبکہ ذیشان واپس ابوظہبی چلا گیا تھا جہاں اس کے والدین مقیم تھے۔ اس صورت حال میں وہ کسی سے وقتی مدد بھی نہیں لے سکتا تھا اور شراکت کی بنیاد پر کوئی اپارٹمنٹ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محض چند ہی دنوں میں وہ اپنی حالیہ رہائش گاہ سے اور وہاں اس کے ساتھ رہنے والوں سے تنگ آ گیا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی کابک ہو جس میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود کبوتر گھسا دیے گئے ہوں۔

اس ساری صورت حال سے وہ پوری طرح بوکھلا گیا لہٰذا نہایت حالت مجبوری میں اسے اس بینک اکاؤنٹ کی طرف رجوع کرنا پڑا جس کا پیٹ ایک طویل مدت سے ہارون لالہ بھرتے آ رہے تھے اور جس میں ایک روپیہ بھی نہ نکلوانے کا اس نے پکا ارادہ کیا تھا۔ اس سے قبل اسے اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ لالہ کتنی محبت کرتے ہیں اور روپیہ کمانا کس قدر جان جوکھم کا کام ہے۔

اسے حقیقتاً "آٹے دال کا بھاؤ" خوب اچھی طرح سے سمجھ آیا تھا۔

✲ ✲ ✲

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دو بیڈ روم' ایک اسٹور روم 'ڈرائنگ ڈائننگ پر مشتمل چھوٹے سے گیراج اور مختصر سے لان والا یہ مکان اچھا خاصا تھا نو تعمیر شدہ تھا اور ابھی کچھ کام باقی تھا مگر سب سے خاص بات مکان کی قیمت تھی جو بہت ہی کم لگائی جا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے محتشم صاحب! آپ مالک مکان سے بات کرلیں مجھے تو مکان پسند آگیا ہے لہٰذا ہماری جانب سے تو ڈیل فائنل سمجھیں۔"

گھوم پھر کر ملکہ ٹھوک بجا کر گھر دیکھ لینے کے بعد اس نے ڈیلر محتشم نواز کو مخاطب کیا۔

"چلیں یہ بھی اچھی بات ہے۔ یہ گھر تو میں آپ کو یونہی دکھانے لے آیا تھا اصل میں یہ جگہ پوری طرح سے آپ کی ڈیمانڈ پر پوری نہیں اترتی اس لیے میں کچھ شش و پنج میں مبتلا تھا ویسے اگر آپ دیکھنا چاہیں تو گلبرگ اور جوہر ٹاؤن میں بھی کچھ اچھے مکانات موجود ہیں آپ کی ڈیمانڈ کے عین مطابق۔"

"نہیں بس ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ناں کہ مجھے یہ مکان پسند آگیا ہے آپ جتنی جلدی ہو سکے اونر سے بات کریں میں جلد از جلد شفٹنگ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اونر تو کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں لہٰذا تھوڑا انتظار تو آپ کو کرنا ہی پڑے گا بہرحال میں قریشی صاحب سے رابطہ کر کے آپ کو جلد ہی اطلاع کروں گا۔" وہ سر ہلا کر باہر کی جانب بڑھ گیا لابی عبور کر کے گیراج تھا جس کی بائیں جانب ہموار جگہ چھوڑ کر اسے لان کا نام دیا گیا تھا اور جس میں سبزے کے نام پر فقط ایک پیڑ تھا جس پر سفید اور ہلکے پیلے رنگ کے موٹی پتیوں والے پھولوں کے گچھے لٹک رہے تھے جبکہ ایک کونے پر چند گل دوپہر کے پودے تھے۔

اب مکان تو اس کی توقع سے کم قیمت میں دستیاب ہو گیا تھا وہ وہیں کھڑا دیگر خرچ کا حساب کرنے لگا یہ بھی عجیب دور تھا کہاں تو ہزاروں خرچ کرتے ہوئے بھی کبھی نہ سوچا تھا اور کہاں یہ دور تھا کہ ایک بار جیب میں ہاتھ جاتا تھا اور تین بار ذہن سوچتا تھا۔

وہ بری طرح اپنی سوچ میں غلطاں تھا معاً اس کی نگاہ سامنے والے مکان کی کھڑکی میں لہراتے ہرے آنچل پر جا رکی بالکل لاشعوری طور پر وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔ تب تک آنچل اور آنچل والی منظر سے غائب ہو چکی تھی۔

چند لمحوں کے توقف سے پھر کوئی وجود وہاں ظاہر ہوا زاروں کی نظریں وہیں ٹکی تھیں۔ وہ جو کوئی بھی تھی ٹہل ٹہل کر خوب زور و شور سے رٹا لگا رہی تھی ہاتھ میں کوئی کتاب تھی اور لبوں کی حرکت متواتر۔

"ٹریش! یہ بھی کوئی طریقہ ہے پڑھنے کا۔" اس نے ناپسندیدگی سے سر جھٹکا اور محتشم نواز کی جانب دیکھنے لگا۔

"آیئے جناب۔" وہ آخری دروازہ لاک لگا کر بولا اور دونوں آگے پیچھے مین گیٹ سے باہر نکلے تھے۔

"قریشی صاحب کو واپس آنے میں اندازاً" کتنے دن لگ جائیں گے؟" وہ پھر محتشم نواز سے مخاطب ہوا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" مین گیٹ کو لاک لگا کر وہ اس کی طرف پلٹا۔ "دو دن کا کہہ کر گئے تھے اب دو ہفتے گزر چکے ہیں اصل میں اسلام آباد میں قریشی صاحب کا سسرال ہے۔"

"او۔" بائیک کی چابی جیبوں میں ٹٹولتے ہوئے وہ بھی مسکرایا۔ "لیکن مرد حضرات تو سنا ہے سسرال کے نام

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے بھی خار کھاتے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے۔ اصل میں اس معاملے میں ابھی میرا تجربہ خاصا ناقص ہے۔" محتشم نواز نے پھر شگفتگی سے کہا تھا۔ "صرف سنی سنائی پر گزارہ ہو رہا ہے۔"

"اسلام علیکم محتشم بھائی! قرض خواہ تو آپ ہمارے ہیں نہیں پھر چہرہ چھپا کر کیوں جا رہے ہیں؟"

زارون نے چونک کر سر اٹھایا سیاہ ٹراؤزر شرٹ میں خوش شکل سا نوجوان آنکھوں میں ڈھیروں شرارت سموئے محتشم نواز سے مخاطب تھا۔

"چہرہ کیوں چھپانا ہے یار! بس ذرا عجلت میں ہوں یہ ذرا علوی صاحب کو مکان دکھانے لایا تھا اب آفس جلدی پہنچنا ہے ایک اور پارٹی میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"آپ کی تعریف؟" زارون نے ازراہ مروت پوچھ لیا جانے کیوں چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔

"یہ تعریف سے آگے کی ہستی ہیں کم سے کم میں تو چند الفاظ میں ان کی تعریف نہیں کر سکتا۔" محتشم نے مسکراہٹ لبوں کی تراش میں دبا کر گویا حساب برابر کیا تھا۔ اس نے عاجزی سے سر جھکا دیا۔

"آپ میرے بزرگ ہیں محتشم بھائی! اور میں بزرگوں کی بات سے انکار نہیں کرتا۔"

زارون کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی وہ لڑکا واقعی دلچسپ لگتا تھا۔

"یہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں زین العابدین۔ یہ سامنے والے مکان میں رہائش پذیر ہیں اور زین یہ تبریز علوی ہیں۔" انشا اللہ جلد ہی تمہارے پڑوسی بننے والے ہیں۔"

"اوہ۔ السلام علیکم۔" زین نے تعارفی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"گویا آپ نے قریشی صاحب کا مکان خرید لیا ہے؟"

"یہی سمجھیے۔" ہاتھ ملا کر اس نے جیبوں میں ہاتھ گھسا لیے۔

"اچھی بات ہے۔ مبارک باد قبول کیجیے مجھے یقین ہے کہ ہم اچھے پڑوسی ثابت ہوں گے۔" زین نے گرمجوشی سے کہا۔ اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"شیور۔" وہ بھی مسکرایا۔

"تو پھر آیئے ہمیں آج میزبانی کا شرف بخشیے۔ آپ کو بہت اچھی سی چائے پلواتے ہیں۔ کیوں محتشم بھائی؟" اس نے تائید طلب نظروں سے کچھ قدموں کے فاصلے پر کھڑے محتشم نواز کو دیکھا مگر اس سے پہلے ہی زارون بول اٹھا۔

"نہیں زین صاحب! محتشم صاحب بھی جلدی میں ہیں میں بھی سیٹ چھوڑ کر آیا ہوں۔ یہ پروگرام پھر کبھی کے لیے اٹھا رکھیے۔ معذرت کے ساتھ ملاقات تو اب ہوتی ہی رہے گی چائے ڈیو رہی۔" اس نے ایک بار پھر زین سے ہاتھ ملایا اور بائیک پر بیٹھ کر اسٹارٹ کی "گھر میں سب کو سلام کہنا زین۔" محتشم بھی اس کے پیچھے بیٹھ چکے تو اس نے کک لگا کر بائیک بھگائی۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیڈ روم سیٹ کرنے کے بعد وہ اپنے کپڑے ہینگر کر رہا تھا جب مین گیٹ کی بیل بجی اس نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ اور ہینگر ایک طرف اچھالا اور میٹرس پر پڑی ٹی شرٹ پہنتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"السلام علیکم ــــ زین العابدین۔"

"پہچان گیا ہوں جناب تشریف لائیے۔" زارون نے خوشدلی سے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

"میں آپ کے لیے کھانا لایا ہوں۔" زین نے اندر آتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی رومال سے ڈھکی ہوئی ٹرے تھی۔

"ارے۔" اس نے کسی قدر خجالت سے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔"

زین مسکرایا۔ "تکلف نہیں ہے جناب ــــ ہم تو حق ہمسائیگی نبھا رہے ہیں۔"

"میرے کہنے لائق تو آپ نے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔" وہ پوری طرح اس کے خلوص سے متاثر ہوا تھا۔ "آیئے اندر چلتے ہیں۔" وہ اسے بیڈ روم میں ہی لے آیا تھا۔

"بڑے مناسب وقت پر آئے ہیں آپ اصل میں میں بس سوچ ہی رہا تھا کہ کہیں باہر جاؤں۔ ایٹ لیسٹ میں آج تو کوکنگ کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اس نے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتے ہوئے ساری شرٹس اٹھا کا کارپٹ کے کونے میں ڈال دیں اور میٹرس پر ہی بیٹھ کر بے تکلفی سے ٹرے اپنے آگے سرکائی۔

چنے والے چاول' نرگسی کوفتے' کلر فل سا سلاد' رائتہ' اچار اور تازہ پھلکے۔

"خوشبو سے ہی پتا چل رہا ہے کہ سب کچھ کتنا لذیذ ہے۔" اس نے تعریف کر کے حقیقتاً" فارمیلٹی پوری کی تھی کیونکہ رائس اور نرگسی کوفتے کبھی بھی اس کے پسندیدہ نہیں رہے تھے۔

"آپ کی فیملی کب تک شفٹ ہو گی؟" چونکہ کمرے میں فرنیچر کے نام پر ایک کرسی بھی نہیں تھی لہٰذا زین بھی تکلف سے میٹرس پر ہی بیٹھ گیا۔

زارون نے ایک پل کے لیے سوچا تھا۔ "میری تو ابھی کوئی فیملی نہیں ہے۔" اس نے شریر سی آہ بھری تھی۔

"اور پیرنٹس بھائی بہن وغیرہ۔" تلخ سوال تو اب آیا تھا دوسرا ہی نوالہ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

"میرے پیرنٹس میرے بچپن ہی میں ــــ وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

اس نے واضح طور پر زین کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تھا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔" سوال کے دوسرے حصے سے بچنے کے لیے وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے والدین کا جب انتقال ہوا تو حقیقتاً" وہ بھوٹا تھا پھر ہارون لالہ نے کبھی اسے ماں باپ کی کمی محسوس ہونے ہی نہیں دی تھی۔ کمی تو اسے اب محسوس ہو رہی تھی۔ ہارون لالہ کی۔

چند لمحوں میں وہ ایکسٹرا پلیٹ اور پانی کا جگ گلاس لے کر اندر آیا تو زین اپنے آپ میں چور سا بنا بیٹھا تھا۔

"لیجیے شروع کیجیے۔" اس نے پلیٹ زین کی طرف بڑھائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ارے نہیں یہ تو امی جی نے صرف آپ کے لیے بھجوایا ہے۔"

"آپ اگر میرا ساتھ دیں گے تو کیا امی جی ماریں گی؟" اس نے بے حد سنجیدگی سے زین کو دیکھا۔

"خیر ایسی بات تو نہیں ہے۔" اپنی خجالت کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے اس نے پلیٹ پکڑ لی تھی اور اپنے لیے تھوڑے سے چاول نکال لیے تھے۔

"اصل میں آج میں دیر سے سو کر اٹھا تھا سنڈے کو تو ہمارا ناشتا بھی لنچ آور زمیں ہوتا ہے بس اسی لیے کچھ گنجائش نہیں نکل رہی لیکن چلیے۔ آپ کا ساتھ ہی دے دیتے ہیں مبادا آپ یہ سمجھیں کہ واقعی امی جی ماریں گی۔"

وہ اعتماد سے بولا۔ ان دونوں نے مسکرانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا۔

"مجھے تنہا بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں ہے۔ اس لیے جب بھی موقع ملے کسی ریسٹورنٹ وغیرہ میں چلا جاتا ہوں۔ یہ تو پبلک پلیسز ہیں ناں۔ اس لیے انسان تنہائی محسوس نہیں کرتا۔ اپنی ٹیبل پر ساتھ دینے کے لیے کوئی نہ بھی ہو تو بھی آس پاس کی ٹیبلز سے تسلی ہوتی رہتی ہے۔" اس نے یونہی بے سبب کہنا شروع کر دیا۔

"بہرحال اپنے بارے میں کچھ بتایئے زین صاحب! کیا کرتے ہیں؟"

"فی الحال تو کچھ بھی نہیں کرتا سوائے پڑھائی کے۔"

"اچھا کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟"

اصل میں وہ اس مزاج کا شخص نہیں تھا مگر اب حالات کچھ ایسے درپیش تھے کہ مزاج میں خود بخود تبدیلی آگئی تھی زین کے خلوص اور اپنائیت سے متاثر ہو کر وہ اس میں دلچسپی لینے کے لیے خود کو مجبور محسوس کر رہا تھا۔

"سول انجینئرنگ پڑھ رہا ہوں فائنل ایئر ہے۔"

"اچھا۔" وہ کسی قدر چونکا۔ "کہاں سے کر رہے ہیں یو ای ٹی سے؟"

"بالکل۔"

"اوہ۔" جیسے یکدم ذہن میں کوئی بتی جلی تھی۔

"تبھی میں سوچ رہا تھا کہ مجھے آپ کی شکل جانی پہچانی کیوں لگ رہی ہے۔ یقیناً میں نے آپ کو کیمپس میں ہی دیکھا ہوگا۔" اس نے جیسے قیاس ظاہر کیا اور تائیدی نگاہوں سے زین کو دیکھنے لگا۔

"اور میں تو آپ کو پہلی ملاقات میں ہی پہچان گیا تھا۔" اس کے لبوں کی تراش میں شاید ہمیشہ سے مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی بڑی بڑی ذہین آنکھیں گویا شرارت سے روشن تھیں۔

"واقعی؟" زارون کی نگاہوں میں آن کی آن استعجاب سمٹ آیا۔

"مختصراً" صرف اتنا کہوں گا کہ آپ ہی تو وہ حضرت ہیں جن کی ذہانت کی مثالیں پاس آؤٹ ہو جانے کے باوجود پروفیسرز دیتے ہیں میں اور میرے دوست آپ کے گروپ سے بہت متاثر رہا کرتے تھے۔"

"بس کر یار! میں تو مغرور ہوتا جا رہا ہوں۔" اس نے شگفتگی سے کہا حقیقت یہ تھی کہ زین کے الفاظ نے اس کے اندر موجود خود پسندی کو بڑی تقویت پہنچائی تھی اور ایک بڑی پرلطف سی سرخوشی اس کے اندر سرایت کر گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔

"کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ اتنا غرور تو آپ ڈیزرو کرتے ہیں۔" زین نے نہایت پرخلوص انداز میں گویا اس کے زعم میں اضافہ کیا تھا۔ زارون کا بے ساختہ قہقہہ شاندار تھا۔

"یار! تم تو بڑی اچھی باتیں کرتے ہو۔ لگتا ہے ہماری آپس میں خوب جمے گی۔" اپنی فطرت کے برعکس اس نے خود ہی تکلف کی ہر دیوار گرا دی۔

"ہاں مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔" زین نے پلیٹ ایک طرف رکھ دی۔

"لیکن اگر آپ بھی اتنی ہی اچھی باتیں کریں گے تو میں مائنڈ بالکل نہیں کروں گا۔" زارون کو پھر ہنسی آگئی زین کا انداز تھا ہی اس قدر معصوم۔

"لیکن اگر اسی طرح آپ جناب کر کے تم مجھے اپنا بزرگ سمجھنے لگو گے تو میں ضرور مائنڈ کروں گا۔" زارون نے شگفتگی سے کہا تو زین بھی مسکرا دیا۔

"ایسی پر تکلف گفتگو کرتے کرتے تو میرا اپنا منہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے شاید تھوڑا سا اثر اب بھی ہو گیا ہو۔ اچھا ہوا تم نے خود ہی کہہ دیا ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ شاید آپ سے ساری زندگی ایسی ہی بات کرنی پڑے گی اصل میں تمہارا امیج۔۔۔ خیر چھوڑو اس بات کو پھر کبھی اس موضوع کو زیر بحث لائیں گے۔ میں ذرا امی جی سے چائے کے لیے کہہ کر آتا ہوں۔"

"ارے نہیں آنٹی کو مزید زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ چائے کا سامان ہے میرے پاس یہیں بنا لیتے ہیں۔" آخری نوالہ منہ میں رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

گیٹ سے باہر قدم رکھتے ہوئے ٹھٹھرا دینے والے موسم نے اس کا سواگت کیا تھا۔ کہر کی موٹی تہ نے کشادہ گلی کو ڈھک رکھا تھا اس نے دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑ کر انگلیوں سے ناک دبائی اچھی خاصی مرچیں سی سانس میں اتری تھیں۔

صبح ہی صبح موڈ خراب ہو گیا ابھی تو بائیک پر سوار ہو کر آفس پہنچنا تھا اسے فوراً" ہی اپنی ہنڈا اکارڈ کی یاد ستانے لگی۔ ساتھ ہی ہارون لالہ کا خیال آیا نجانے وہ کیسے ہوں گے؟ رومیصہ بھابھی کی حرکتوں میں کمی آئی ہو گی یا نہیں پتا نہیں یہ عورت ذات اس قدر خود غرض کیوں ہوتی ہے۔ لالہ نے کتنی محبت دی تھی اس عورت کو لیکن کیا عورت ذات کا پیٹ کسی ایک انسان کی بے تحاشا محبت سے نہیں بھر سکتا؟ کیا عورتوں کو کلی کلی منڈلانے کا شوق ہوتا ہے؟

اور بہت ساری سوچیں تھیں جو آن واحد میں اس پر وارد ہوئی تھیں۔

اسی پل سامنے والا گیٹ کھلا زین کامران بھائی کی موٹر بائیک گھسیٹتا ہوا باہر لا رہا تھا۔ گرم مفلر کو اس نے اچھی طرح کانوں اور سر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ پھولا ہوا چہرہ اور نیند سے بوجھل آنکھیں زارون کے لبوں پر مسکراہٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بکھر گئی۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا ہے۔

"آج تو تمہاری ساری کلاسز آف ہیں۔۔۔ پھر صبح صبح کدھر؟"

"ماہی کو کالج چھوڑنے جا رہا ہوں۔" جھنجلایا سا جواب آیا۔

"مائی گاڈ۔" اس نے خود پر حیرت طاری کرتے ہوئے تعجب سے اسے دیکھا۔

"گرلز کالج جاتے ہوئے تو اچھے اچھوں کا موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے۔ تم کس مٹی سے بنے ہو آخر؟" وہ اسے چڑا رہا تھا زین نے مزید بری شکل بنا کر اسے دیکھا اور جل کر بولا۔

"ہاں تو ہم کون سا جگ سے نرالے ہیں بس کوئی ہمیں صبح سویرے نہ جگایا کرے ایسے بدبخت موسم میں تو اچھے خاصے حسین چہرے بھی غمگین دکھائی دینے لگتے ہیں جو بچ جاتے ہیں وہ میری طرح خود کو مفلر میں چھپا لیتے ہیں۔"

"ایسے میں گرلز کالج جانے کا فائدہ؟"

"اچھا فضول بکواس بند کرو اور میری بات سنو۔" زارون نے مزید اس کی باتیں سننے سے بچنے کی غرض سے ٹوکا۔

"تم نے جو بک مجھ سے منگوائی تھی وہ میں آج لے آؤں گا میرے ایک کولیگ کے پاس موجود تھی اور تمہارے پروجیکٹ سے Related کچھ میٹریل میں نے رات انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا تھا' تمہیں فرصت ملے تو آج ہی آ کر چیک کر لینا۔ سلیم ہے گھر پر۔" اس نے ملازم کا نام لیا ساتھ ہی بائیک پر بیٹھ کر چابی گھمائی۔

زین نے تشکرانہ انداز سے سر ہلایا اسی وقت اس کی بہن باہر نکلی تو وہ اپنی بائیک کی طرف چلا گیا۔

یونہی ایک بھٹکتی ہوئی سی نگاہ تھی جو ادھر جا رکی۔ کھڑکے مہین درمیانی پردے کے اس طرف سفید یونیفارم میں ملبوس گرم شال اوڑھے گیلی گیلی سی پلکوں اور بے تحاشا سرخ ناک کے ساتھ وہ سارے جہان سے خفا دکھائی دے رہی تھی۔

"کالج نہیں جانا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔۔۔ امی جی سے کہہ دیا ہوتا۔"

یہ زین کی آواز تھی جو اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے چونک کر نگاہوں کا زاویہ بدلا اور عجلت میں کک لگا کر بائیک بھگا لے گیا۔

مگر وہ سارا دن ایک عجیب اضطرابی اور نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں بسر ہوا۔ بات عجیب تھی مگر حقیقت تھی وہ گہری بھوری بھیگی پلکوں والی آنکھیں سارا دن وقفے وقفے سے اس کے ذہن کے کینوس پر ابھر ابھر کر غروب ہوتی رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

چند دن کی دوستی بہت جلد گہرے مراسم میں تبدیل ہو گئی تھی زین کی ہی طرح اس کے باقی گھر والے بھی بہت اچھے ملنسار اور پر خلوص واقع ہوئے تھے خصوصاً خدیجہ آنٹی کو تو وہ بہت ہی پسند کرنے لگا تھا وہ تھیں ہی اتنی اچھی اور محبت کرنے والی۔ اکثر اصرار سے اسے کھانے پر روک لیتی تھیں کوئی خاص ڈش بناتیں تو اسے گھر بلوا لیتیں یا پھر گھر پر ہی اس کے لیے بھجوا دیتیں۔

ہر ملاقات پر زارون کو ان کے لہجے اور انداز میں پہلے کی نسبت زیادہ شفقت اور محبت نظر آتی تھی۔ وہ اسے بالکل زین کی طرح ٹریٹ کرتی تھیں۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اپنی ماں کو اتنا مسلسل نہیں سوچا تھا جب ان کا انتقال ہوا اس سے پہلے کی کچھ مدھم سی یادیں اس کے حافظے میں محفوظ تھیں۔ مگر ان مختصر یادوں کے ساتھ وہ اپنی ممی کا مقابلہ خدیجہ آنٹی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جس معاشرتی طبقے سے وہ تعلق رکھتا تھا وہاں ایسی ممیز تقریباً ناپید تھیں مگر اس کا دل کہتا تھا کہ ماؤں کو تو بس خدیجہ آنٹی کے جیسا ہی ہونا چاہیے۔

فون کی بیل نے اس کی سوچوں کے سلسلے میں بری طرح دراڑ ڈال دی۔

"زین! دیکھنا ذرا۔" اس نے وہیں سے آواز لگائی اور پہلے سی تندہی سے کافی پھینٹنے لگا سلیم کے اپنے گھر جانے کے بعد سارے کام اسے خود ہی نمٹانے پڑتے تھے۔ چند لمحے گزرے ہوں گے جب زین کچن میں چلا آیا اور سینے پر بازو باندھ کر دروازے کے فریم سے شانہ ٹکا کر بڑے اسٹائل سے بولا۔

"مس رودابہ ہیں بات کرنا چاہتی ہیں۔ تبریز صاحب سے۔"

"کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں۔" بنا پلٹے اس نے کہا۔

"میں خوب صورت لڑکیوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔" کورا جواب آیا۔

"اور تمہیں تو ہر دوسری لڑکی خوبصورت لگتی ہے۔" زارون نے ہلکے پھلکے سے انداز میں طنز کیا تو وہ فوراً بولا۔

"تصحیح کریں تبریز صاحب! ہر دوسری نہیں مجھے ہر پہلی لڑکی خوب صورت لگتی ہے۔" اس کی آواز میں فخر تھا زارون ہنسنے لگا۔

"اچھا تو پھر اس خوب صورت لڑکی سے بھی جا کر تم ہی بات کر لو۔"

"ارے میں کیسے؟ ــــ جبکہ وہ صاحبہ تو تبریز صاحب سے بات کرنا چاہتی ہیں۔

یار! اتنی دیر میں تو وہ گھر ہی پہنچ جائے گی۔" اب کے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"جا کر کہہ دو کہ میں نہیں ہوں گھر پر اور ــــ"

"اور میں ہوں گھر پر وہ آنا چاہے تو آجائے۔" اس نے برجستگی سے کہا پھر سٹپٹا کر کمرے کی جانب چلا گیا کیونکہ زارون اسے کڑی نظروں سے گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کافی لے کر کمرے میں آیا تو زین آنکھیں بند کیے سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھے اس کے بستر پر لیٹا تھا کمرے میں کسی ہٹ نمبر کی دھیمی سی دھن بکھری ہوئی تھی۔ زارون نے مگ پر چمچہ بجا کر اسے متوجہ کیا۔

"کن خیالوں میں ہیں یا حضرت۔"

"یا حضرت جن خیالوں میں ہیں وہاں تک آپ کی رسائی ممکن نہیں کیونکہ آپ ٹھہرے پتھر دل ــــ یعنی کہ حد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔ اتنی خوب صورت آواز والی لڑکی سے بات نہیں کرتے اور تو اور مجھ جیسے معصوم بچے کو بھی جھوٹ بولنے مجبور کرتے ہو بیچاری پتا نہیں کیا سوچتی ہوگی میرے بارے؟"

"تمہیں کیسے پتا کہ وہ تمہارے بارے میں سوچتی ہوگی۔"

"ارے واہ۔ کیسے نہیں سوچتی ہوگی۔" وہ چمک کر بولا۔

"میں نے اس کی سریلی' مدھر سی آواز سنی ہے تو اس نے بھی تو میری خوب صورت آواز سنی ہے۔ ویسے مجھے بیچاری سے واقعی ہمدردی ہے۔۔۔ بد قسمت کیسے پتھر دل سے دل لگا بیٹھی ہے۔"

زارون نے چونک کر نظریں اٹھائیں زین کے لبوں پر بالکل ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہا ہو "کیوں بچو! کیسی رہی؟"

"اب تمہیں یہ بات کیسے پتا چلی؟" اس نے اپنے تاثرات مگ کے پیچھے چھپائے تھے۔ زین یوں ہنسنے لگا جیسے کسی بچے کے بے مطلب سوال پر ہنسا جاتا ہے۔

"جناب! ہم تو وہ ہیں جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں بھلا ان محترمہ کے لہجے کی بے قراریوں کا راز کیسے نہ جان پاتے۔

اچھا یہ تو بتاؤ کہ محترمہ ہیں کون؟ کہاں ملاقات ہوئی؟"

"میرے باس کی بیٹی ہے وہیں آفس میں ملاقات ہوئی تھی۔" زارون کا جواب بے تاثر تھا۔

"ہوں۔" زین کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر چونک کر بولا۔ "خوب صورت ہے؟"

"بہت۔" اس نے بڑی فیاضی سے اعتراف کر ڈالا۔

"پھر بھی تم پر اثر نہیں ہوا یا صرف میرے سامنے پوز کر رہے ہو۔" زین کے سارے جوش پر پانی گرا تھا۔

زارون نے ایک گہری سانس بھری۔ اس کے سارے وجود سے ناگواری مترشح تھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے پوز کرنے کی۔" بیزارت جمع ناگواری۔ زین ایک دم سے خاموش ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری مجھے اتنا بھی پرسنل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"نہیں یار۔" زین کی آواز میں موجود شرمندگی نے اسے شرمندہ کر ڈالا تھا تبھی بے اختیاری میں بولا پھر مناسب الفاظ نہ مل سکے تو بے بسی سے خاموش ہو گیا۔ کافی کا سارا ذائقہ ایک دم سے بے تحاشا کڑوا ہو کر اندر اترا تھا۔

"زندگی میں بہت سارے ناگہانی واقعات بالکل ہی غیر متوقع ہوتے ہیں جو نہ صرف آپ کے پوائنٹ آف ویو پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ آپ کا لائف اسٹائل بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ تم سمجھو میری زندگی میں بھی ایک ایسا ہی ناگوار واقعہ گزر چکا ہے۔ ایک وقت تھا جب مجھے بھی حسین چہرے متاثر کیا کرتے تھے مگر اب نہیں۔ مجھے شکل سے زیادہ کردار متاثر کرتا ہے۔ مجھے ایسی عورت سے سخت گھن آتی ہے جو کاربٹ کی طرح مرد کے قدموں میں بچھ جاتی ہے۔ عورت میں کچھ اور ہو یا نہ ہو اس میں کردار کی پختگی ضرور ہونی چاہیے اس کی فیلنگز کسی ایک شخص سے ہی وابستہ ضرور ہونی چاہیے ورنہ یہ کیا کہ جہاں موقع ملا خود کو نیلام کرنا شروع کر دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

خوب صورت لیکن اپنی نسوانیت کی حفاظت نہ کرنے والی عورت کی اہمیت میرے نزدیک راستے میں کھلے اس پھول سے زیادہ نہیں ہے جو دیکھنے میں تو خوب صورت لگتا ہے مگر اس پر منڈلانے اور اس کی حفاظت کو محسوس کرنے کا حق ہر بھنورے کو ہوتا ہے۔ بلیو می زین! آئی ریئلی ہیٹ ویسٹ کانٹینٹ آف وومن۔۔۔ عورت ذات کا بہر حال ایک وقار ہوتا ہے جسے ہر حالت میں قائم رہنا چاہیے اور مجھے افسوس ہے کہ فی زمانہ عورت کا یہ ماڈل ناپید ہو چکا ہے۔"

ناگواری، قطعیت، تلخی اس کے لہجے میں وہ سبھی کچھ تھا جو اچھے بھلے انسان کو تحیر میں مبتلا کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ایسا تحیر جس کے پس منظر میں ناگواری ہوتی ہے۔

اچھا بھلا خوب صورت اور نارمل دکھائی دینے والا انسان اپنے اندر کسی ناگوار تجربے کی کتنی تپش سمیٹے ہوئے تھا۔ کچھ دیر کے لیے زین کو وہ نارمل دکھائی نہیں دیا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کس تجربے کی بنیاد پر ایسی بات کر رہے ہو مگر تبریز ساری عورتیں ایسی تو نہیں ہوتیں ایک سے ایک پاک دامن اور باکردار عورت کی مثال ہمارے معاشرے میں موجود ہے پھر کیا ہم نے اپنی ماؤں، بہنوں کو نہیں دیکھا۔" زین کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے چونکایا تھا۔

اس نے تو ماں دیکھی تھی اور نہ ہی کوئی بہن اور جس قسم کی لڑکیوں کو اس نے اپنے سرکل میں موو کرتے دیکھا تھا وہ تو کم و بیش ویسی ہی تھیں جن کے لیے وہ ناگواری رکھتا تھا شاید ہر انسان کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ زین اور اس کے تجربے میں بھی اتنا ہی فرق تھا۔

"تو میں بھی تو سبھی کو ایک کٹہری میں کھڑا نہیں کر رہا۔۔۔ میری مراد کچھ مخصوص عورتوں سے تھی۔" اس نے بڑے سکون سے بات کا رخ بدلا۔

"ضروری تو نہیں کہ روداب بھی ایسی لڑکی ہو۔ کیا پتا وہ تمہارے ساتھ وفادار ہو۔"

"زین! میں نے کہا ناں۔ مجھے کارپٹ کی طرح قدموں میں بچھنے والی عورت اچھی نہیں لگتی۔" اس کے لہجے میں بالکل پہلے کی سی قطعیت تھی۔

"اور میرا خیال ہے ہمیں اب ٹاپک تبدیل کرنا چاہیے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دونوں دیر تک خاموش رہے عجیب سا ماحول تھا عجیب سے خیالات۔

"اچھا یار! میں چلتا ہوں۔" زین اٹھ کھڑا ہوا۔

زارون نے بے اختیار نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تا محسوس سا بوجھل پن دونوں کے حواسوں پر سوار تھا۔

"کچھ دیر تو اور بیٹھو۔۔۔"

"نہیں میں اب چلوں گا پہلے ہی دیر ہو چکی ہے آج میں نے ماہی سے وعدہ کیا تھا کہ اسے آئس کریم کھلانے لے جاؤں گا۔" زین نے اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔

وہ گہری بھوری آنکھیں ایک دم سے ذہن کے پردے پر طلوع ہوئی تھیں۔ نجانے کیوں مگر اس کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زین! بہت پیار کرتے ہو اپنی بہن سے؟" بالکل غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے ادا ہوا حالانکہ یہ سوال پوچھنے کا بالکل نہیں تھا محبتیں تو اپنا آپ خود ظاہر کرتی ہیں اور زین جس انداز سے اپنی بہن کا ذکر کیا کرتا تھا وہ اس کی گہری محبت کی نشاندہی کرتا تھا۔

"آف کورس۔" اب بھی وہ تیزی سے بولا زارون کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ایک ہی تو میری بہن ہے اس سے بھی پیار نہیں کروں گا تو اور کس سے کروں گا۔" اس کے لہجے میں بڑی شفقت بھری کھنک تھی۔

"یوں بھی صرف اپنی بہن سے کی جانے والی محبت سیف اینڈ ساؤنڈ ہوتی ہے ورنہ کسی اور کی بہن سے محبت کر کے دیکھو..... سوجوتے سر پر توڑیں گے ہی دو سو بونس میں ملیں گے۔" وہ شریر متبسم لہجے میں کہتا باہر کی جانب چل دیا۔ اس کی بات سے محظوظ ہوتا زارون اسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

"کیا میں نے تمہیں بتایا کہ کامران بھائی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے؟"

"اچھا کون سی ڈیٹ؟"

"ستائیس اپریل۔"

"واؤ..... چلو مبارک ہو دعا کرو کہ تمہاری بھابھی بہت بہت اچھی ہوں۔ اور ہمیشہ اچھی رہیں۔"

"انشاء اللہ..... انشاء اللہ۔" زین عجلت میں کہتا باہر نکل گیا سعید انکل اپنے گیٹ پر کھڑے کسی سے ہمکلام تھے۔ وہ انہیں سلام کر کے اندر آ گیا۔ شکر ہے کہ زین اس کے لب و لہجے اور اس کی بات کے پس پردہ تہہ تک پہنچ نہیں سکا تھا۔

گیراج کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے لاشعوری طور پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ کھڑکی بند تھی مگر کناروں سے روشنی کی باریک لکیریں باہر آ رہی تھیں۔ ایک دم سے اس کے دل نے نامانوس سی خواہش کی تھی۔

کاش یہ کھڑکی کھلی ہوتی تو..... اسے اپنے خیال پر حیرت ہوئی پھر وہ سر جھٹک کر اندر چل دیا۔

✲ ✲ ✲

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

وہ خود کو انتہا کا چغد محسوس کر رہا تھا۔ اچھی خاصی زنانہ تقریب میں لے کر پھنسا دیا تھا اس زین کے بچے نے' حالانکہ اس نے منع بھی کیا تھا۔

"یار! اچھی خاصی زنانہ تقریب ہے پھر تمہارا سارا خاندان اکٹھا ہو گا میں نے کہا ناں کہ بارات اور ولیمہ میں ضرور اٹینڈ کروں گا بس مہندی میں آنے کے لیے تم مجھے فورس مت کرو۔"

"ہاں تو میرے خاندان والے مارتے نہیں ہیں۔" زین چمک کر بولا تھا اسے زارون کا مسلسل انکار زچ کیے دے رہا تھا۔ "بس میں نے کہہ دیا ناں۔ تم نے ضرور آنا ہے۔" اس کے لہجے میں مان بھری دھونس تھی۔ ناچار اسے ماننا ہی پڑا۔ وہ زین کو خفا نہیں کرنا چاہتا تھا جبکہ وہ اس کا بہت اچھا دوست بھی بن چکا تھا پھر کامران بھائی' سعید انکل' خدیجہ آنٹی نے خصوصی طور پر اسے شادی میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔ کچھ روز پہلے دادو جی کو ہاسپٹل لے جانے میں جس طرح سے اس نے ان لوگوں کی مدد کی تھی اس چیز نے زارون کی اہمیت کو زین کے گھر میں ایک دم سے بڑھا دیا تھا اسے بہت ہی خاص پروٹوکول دیا جانے لگا تھا۔

اور اب وہ یہاں بیٹھا تھا ہاتھ پر ہاتھ رکھے۔ اکتاہٹ زدہ' پہلو بہ پہلو بدلتا ہوا۔ تبھی زین چلا آیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

"کہاں مر گئے تھے۔"

"ہم کیوں مریں' مریں ہمارے دشمن۔" وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھا برقی قمقموں میں کچھ فاصلے پر ڈھولک کا شور مچا ہوا تھا۔

"فی الحال تو میرا جل جل کر برا حال ہو رہا ہے۔ تم نے ضرور آنا تھا۔" پھنسایا ہوا انداز اس نے جھنجل سا ہو کر زین کی طرف دیکھا۔ اتنے اصرار سے بلانے کے بعد کیا وہ سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہا تھا۔

"یار! میں نے آج کے فنکشن کے لیے خاص طور پر یہ کرتا شلوار سلوایا تھا۔ اتنا وقت لگایا ہے آج میں نے اپنی تیاری پر۔ قسم سے شہزادہ لگ رہا ہوں مگر میری طرف تو کوئی دیکھ ہی نہیں رہی۔ سب تمہاری طرف ہی دیکھتی جا رہی ہیں۔ مگر"

وہ بڑے غور سے اس کی بات سن رہا تھا آخری بات پر بے ساختہ ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلا جاتا ہوں۔ اس کے بعد تم جی بھر کر خوش ہو لینا۔ ویسے شاندار لگ رہے ہو مگر مجھ سے کم۔"

اس نے حساب برابر کیا تھا زین کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ تو آئی مگر لہجہ نہیں بدلا تھا۔

"چلو چلو' زیادہ اکڑنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے کہا ناں میں شہزادہ لگ رہا ہوں۔"

"اچھا شہزادے۔ مجھے اب اجازت دو۔ پلیز زین! مائنڈ مت کرنا لیکن میں بہت بوریت محسوس کر رہا ہوں۔"

"کھانا بس لگنے ہی والا ہے کھا کر ہی جانا۔ یونہی چلے جاؤ گے تو مجھے سب سے ڈانٹ پڑے گی۔" زین نے کہا پھر میں ابھی آتا ہوں۔" کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔ وہ بھی اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر تبھی نگاہ شامیانے میں داخل ہوتی بھوری آنکھوں پر جا رکی۔ اس نے کوشش سے نگاہ ہٹانی چاہی مگر بے بس سا ہو گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مہندی کلر کے سوٹ میں وہ بے تحاشا خوب صورت لگ رہی تھی۔ زارون نے آج پہلی بار اسے اس طرح سے دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں اور دل پر قطعی قابو نہیں رہا تھا شاید یہی وہ وقت تھا جب کیوپڈ نے اپنا کام دکھا دیا۔ ایک سے ایک حسین چہرے کو اس نے اپنے آگے پیچھے پھرتے دیکھا تھا۔ وہ بخوبی واقف تھا کہ اس کی شخصیت صنف نازک میں ہر دلعزیز رہتی ہے۔ اس کے دماغ کو ساتویں آسمان پر پہنچانے میں بلاشبہ اس بات نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ اس بری طرح سے اپنی شخصیت کے زعم میں مبتلا تھا کہ کوئی اسے اپنے آگے کوئی جچتا ہی نہ تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس کا دل کسی کی جانب مائل ہوا تھا۔ اس وقت اس نے اپنی کیفیت کو محض وقتی کیفیت جان کر نظرانداز کر دیا تھا مگر کچھ عقدے بعد میں کھلے۔

اس کے موبائل کی بیپ بج اٹھی وہ اس کے پاپا کی کال تھی وہ اسے کسی کام کے سلسلے میں آفس بلوا رہے تھے اور ابھی جانے کا حکم تھا۔

اس نے زین کی تلاش میں یہاں وہاں نظر دوڑائی پھر نجانے کیسے خود بخود قدم اس لڑکی کی طرف اٹھ گئے جس طرف دل کھنچا جا رہا تھا۔

"آپ بتا سکتی ہیں کہ زین کہاں ہے؟" اس نے پوچھا جواباً وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ابھی تو یہیں تھا شاید باہر ہو۔"

وہ اس سے قبل بھی اس کی آواز سن چکا تھا مگر اس وقت اسے یہ آواز دنیا کی حسین ترین آواز محسوس ہوئی۔

"میں باہر سے ہی آ رہا ہوں وہ وہاں نہیں ہے۔" زارون نے اسے نظروں کے حصار میں قید کرتے ہوئے مزید کہا۔ اتنا مکمل، بے نیاز اور معصوم حسن بلاشبہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

اس کا دل چاہا وقت ٹھہر جائے۔ مگر کیوں؟ وقت کیوں ٹھہر جائے؟

"آپ کو کوئی ضروری کام ہے زین سے؟" اس نے پھر پوچھا۔ زارون نے تیکھی سانس کا گلا اندر ہی گھونٹ دیا۔

"جی۔"

اندر ہی اندر کچھ غلط ہونے کا احساس شدید ہوتا چلا گیا وہ اس کے دوست کی منگیتر تھی اور اتنا احترام تو بہر حال اسے ملحوظ رکھنا چاہیے تھا مگر وہ کیا کرتا کہ اس کا تو دل بھی ماہا کے کانوں میں بجتے آویزوں کے ساتھ آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ اسی وقت زین آ گیا تو اسے اپنا آپ بڑا خفیف محسوس ہوا۔

گویا وہ چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو مگر یہ کیفیت پل بھر کی تھی وہ زین کو اپنی مجبوری سے آگاہ کرنے لگا اور اگرچہ زین بارات میں شامل نہ ہونے پر خفا تھا مگر اب کیا بھی کیا جا سکتا تھا مجبوری تھی۔ کون سا اسے دو سے تین دن لگ سکتے تھے۔

اپنے تئیں اس نے ہر خیال ہر سوچ کو جھٹک دیا تھا مگر اس رات جب اس نے سونے کے لیے آنکھیں بند کیں تو پھر کچھ بھی اس کے اختیار میں نہ رہا۔

اسے ماہا کا ایک ایک نقش ازبر ہو چکا تھا۔ وہ اسے حفظ کر آیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے سٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں پھر آنکھیں بند کیں تو وہی صبیح چہرہ پھر چلا آیا۔ اس نے پھر آنکھیں کھول دیں۔

لبوں کے کناروں پر جنم لیتی مسکراہٹ پوری طرح پھیل گئی۔

ضروری نہیں ہے کہ ادراک کا ہر لمحہ عذاب بن کر گزرے۔ آگہی کے کچھ لمحے بڑے سحر انگیز ہوتے ہیں۔ جب انسان اپنے اندر سرطان کی طرح پھیلتی کیفیت کے نام کی دریافت میں لگا ہوتا ہے تو اسے ارد گرد یہاں وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

اس پر یہ کیفیت پہلی بار وارد ہوئی تھی۔ سو دیر تک اسی نشے میں سرشار رہا۔ مگر اعتراف کا لمحہ ابھی نہیں آیا تھا۔

بارات والے روز وہ شرکت نہیں کر سکا تھا اور وہ سارا دن اس نے اپنی کھوج میں گزار دیا۔ آیا کہ جو وہ محسوس کر رہا ہے اس جذبے کی مدت مختصر تو نہیں مگر پھر اس نے اعتراف کیا کہ وہ بے چین ہے اور اس کی بے چینی کا سبب کچھ ایسا نامعلوم بھی نہ تھا۔ انسان کا دل 'انسان پر اتنا حق تو بہر حال رکھتا ہے کہ جب وہ کوئی تمنا کرے تو وہ تمنا اسے دی جائے اور "زارون تبریز علی" کے دل نے ماہا سعید احمد کی تمنا کی تھی۔

دوسرے دن وہ علی الصبح ہی لاہور پہنچ گیا تھا اور اس نے ولیمہ کا فنکشن بھی اٹینڈ کیا تھا کیونکہ وہ ماہا کو جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

سگنل پر گاڑی روک کر اس نے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر برآمد کیا اور ذرا سا جھک کر سگریٹ سلگاتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے زین کو دیکھا اس سے لاتعلق ہو کر وہ الٹ پلٹ کر آڈیو کیسٹس دیکھ رہا تھا۔

زارون نے خود کو ایک گہری کشمکش میں محسوس کیا۔

وہ لوگ شجاعت گیلانی کے ہاں سے واپس آ رہے تھے زین انہی کی فرم میں ملازم تھا اور چونکہ فیلڈ ایک تھی لہٰذا رابطہ تو کسی بھی طرح سے قائم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ڈنر میں زین کے ساتھ ساتھ زارون کو بھی انوائیٹ کیا گیا تھا۔

"ڈنر اچھا رہا ناں؟" گرین سگنل پر کار آگے بڑھاتے ہوئے اس نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا "ہوں۔" یہ ہوں ہاں کے مترادف تھا زین ابھی تک اپنے مشغلے میں مشغول تھا۔ نجانے آج زین اتنا خاموش کیوں تھا۔

یا شاید یہ اس کے دل کا چور تھا جو اسے زین کی خاموشی کھٹک رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زین باتیں کریں۔ اتنی باتیں کرے کہ کسی بات کی تہ سے اس کے دل کا حال نکل کر زین کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ مگر ایسا کب ہوتا ہے کہ جو ہم چاہ رہے ہیں ویسا ہو بھی۔

"خدارا! میں اتنا کیوں گھبرا رہا ہوں۔" اس نے ناگواری سے خود کو ڈپٹا پھر اس سے قبل کہ دل کے مقابلے دماغ ڈٹ جاتا اس نے بات کا آغاز کر دیا۔

"ایک سوال کا جواب دو گے زین؟" بڑے محتاط سے انداز میں اس نے پوچھا اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ بغیر کسی لحاظ کے فوراً" کہہ دیتا کہ دیکھو یار! میں تمہیں اپنا سالا بنانا چاہتا ہوں کیونکہ تمہاری بہن کی محبت سر تک مجھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر سوار ہو چکی ہے۔ تم جلد از جلد مجھے پاس کردو کیونکہ مزید انتظار کی کوفت میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

زین نے ایک کیسٹ منتخب کر کے پلیئر آن کیا اور سیٹ سے پشت ٹکاتے ہوئے بولا۔

"ایک کی بجائے دو سوال پوچھ لو میں جواب دے دوں گا بشرطیکہ سوال آسان ہو۔" وہ ہمیشہ طویل بات کرنے کا عادی تھا۔

زارون نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نادیدہ پسینہ پونچھا پھر گیئر بدلتے ہوئے بولا۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے زین؟" اس نے نپا تلا سا سوال پوچھا۔

"ہائے اتنا مشکل سوال۔" زین نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گھبرانے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔ زارون کے لبوں پر خوشگوار مسکراہٹ بکھر گئی مگر۔۔۔

"زین! میں سنجیدہ ہوں۔"

"وہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے مگر آپ کے ارادے کیا ہیں جناب تیمور صاحب؟" زین نے اپنی معنی خیزی چھپانے کی کوشش نہ کی تھی وہ بڑی کھوجتی ہوئی نگاہوں سے زارون کو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہیں کسی لڑکی سے محبت ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟"

زین کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سوال کیا اور کیمپس کینال کے قریب گاڑی روک کر گہرے کش لگانے لگا۔

"میں کیا کروں گا۔" اس نے زین کو کہتے سنا پھر وہ تھوڑے توقف سے بولا۔

"میں سوچوں گا کہ کیا میں اس لڑکی کو خوش رکھ سکتا ہوں اگر مجھے میرا جواب ہاں میں ملے گا تو میں صرف ایک کام کروں گا۔ پہلی فرصت میں اس سے شادی کر لوں گا کسی بھی محبت بھری کہانی کا اس سے زیادہ شریفانہ اختتام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ہوں۔" اس نے پُرسوچ ہنکارا بھرا۔ "اس کا مطلب مجھے بھی شادی کر لینی چاہیے۔" اس کے لہجے میں متبسم سی سنجیدگی تھی۔

"بالکل۔" زین نے فوراً کہا "لیکن شادی کرنے سے پہلے ایک بار مروا سے پوچھ ضرور لینا کہ کیا وہ بھی تم سے شادی کے لیے تیار ہیں۔"

"میں روا بہ کی بات نہیں کر رہا۔" وہ جھنجلا کر کار سے باہر نکل گیا زین نے اس کی تقلید کی تھی۔

"تو پھر کون ہے وہ خوش قسمت جو ہماری بھابھی جی بننے جا رہی ہیں۔"

زارون نے سگریٹ پاؤں تلے مسل کر کینال کے ساکت پانی پر نگاہ کی گدلے پانی پر چودھویں رات کے چاند نے روشن کر رکھا تھا۔ ڈریس پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ گھسائے وہ دور دیکھنے لگا۔

زین کی بات نے اس کے حوصلے کو کئی گنا بڑھا دیا تھا یہ تو خیر اسے بھی پتا تھا کہ وہ لڑکی اس کی زندگی میں شامل ہو گی وہ خوش قسمت ہو گی مگر اس وقت سوال اس خوش قسمت لڑکی کے بھائی کا تھا اور اس سے بات کرنے کے لیے زارون کو بہت مناسب اور محتاط الفاظ کا چناؤ کرنا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"زین! کیا کچھ دیر کے لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم صرف میرے دوست بن جاؤ اور اپنے ہر رشتے کو بھول جاؤ۔"

"اور کیا یہ بہتر نہیں ہو گا تبریز! کہ تم سیدھے سیدھے وہ بات کرو جو کہ تم کرنا چاہتے ہو۔" زارون آہستگی سے پلٹا زین بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ جو لڑکی مجھ سے شادی کرے گی وہ خوش قسمت ہو گی؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔" زین نے زور دے کر کہا۔

"ہوں۔" پرسوچ انداز میں اس نے کار کے بند دروازے سے پشت ٹکا کر سینے پر بازو باندھ لیے۔

"تو پھر کیا وہ خوش قسمت لڑکی تمہاری بہن نہیں ہو سکتی زین؟"

زین بے تحاشا چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا یقیناً" یہ بات اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ زارون نے سر جھکا کر بوٹ کی ٹوہ سے زمین کریدنی شروع کر دی وہ چاہتا تھا کہ زین کچھ بھی کہہ کر جلد از جلد اپنے رد عمل کا اظہار ضرور کر دے۔ مگر زین خاموش تھا وہ دونوں خاموش تھے۔ اور یہ خاموشی زارون کے لیے بڑی بوجھل ثابت ہو رہی تھی۔

"پتا نہیں تمہیں میری بات بری لگی ہے یا اچھی، بہرحال" اس نے کہا۔

"اگر اچھی لگی ہے تو میری خوش قسمتی ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ماہا کو ہر طرح کی خوشیاں فراہم کرنے کی کوشش کروں گا"

"لیکن اگر تمہیں میری بات بری لگی ہے تو میں اس ناپسندیدگی کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔

تم میرے حالات سے واقف ہو۔ اصولاً" تو ایسی بات کرنے کے لیے مجھے اپنے بڑوں کو آگے کرنا چاہیے مگر تمہیں معلوم ہے ناں کہ میرا کوئی نہیں ہے۔

میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے تم سے بات کر لوں زین یار! میں نے اسی لیے تم سے کہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے میرے دوست بن جاؤ اب پلیز کچھ تو کہو تمہاری خاموشی مجھے شرمندہ کر رہی ہے زین۔" بالآخر اس نے جھنجلا کر کہا۔

زین کے چہرے پر پتھر جیسی سنجیدگی تھی۔ کم سے کم زارون نے اب تک اسے اس قدر سنجیدہ موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ دونوں کے مابین ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ہم دونوں ایک دوسرے سے دوستی کے لیے مناسب نہیں ہیں۔" زین کی آواز تاریکی میں گونجی تھی جو سرد مہری سے پر تھی۔

"آئی ایم سوری تبریز! میں اتنا برا ڈمانڈ ہرگز نہیں ہوں کہ تمہارا یہ مذاق برداشت کر سکوں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا زین۔" اس نے تڑپ کر کہا زین کے تاثرات اس کی توقع سے زیادہ سخت تھے۔

"میری بات ٹھنڈے دل و دماغ سے سنو زین! میں تم سے ایسا مذاق کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ سچ کہوں پچھلے دو دن میں نے اسی سوچ میں گزارے ہیں کہ یہ بات تم سے کس طرح کروں۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں تمہاری فیملی کو جانتا ہوں اور تم بھی مجھ سے واقف ہو تمہیں پتا ہے ناں زین کہ مجھے کس قسم کی لڑکی پسند ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ مجھے کردار متاثر کرتا ہے یقین کرو، زین مجھے ماہا کی اسی کوالٹی نے امپریس کیا ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ بہت ٹھوس مستحکم لہجے میں بول رہا تھا کہیں بھی کوئی جھول نہ تھا اس کی ساری شخصیت زین کے سامنے عیاں تھی۔ ایک آخری حقیقت جو وہ اب تک چھپائے ہوئے تھا آخر کار وہ بھی زین پر کھل گئی اس نے ہارون انکل کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا تھا البتہ رومیصہ بھابھی والا قصہ تھوڑا گول مول کر کے اس کے گوش گزار کیا تھا۔

"بہتر ہو گا کہ تم ابو جی سے بات کرو کہ بہر حال حتمی فیصلہ تو انہوں نے ہی کرنا ہے۔"

بہت دیر بعد ساری بات سن کر زین نے کہا اس کے تاثرات میں تبدیلی آچکی تھی۔ مگر سنجیدگی ہنوز قائم تھی۔

"ٹھیک ہے میں انکل سے رابطہ کرتا ہوں لیکن زین۔۔۔" کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے زین کو دیکھا۔

"کیا میں یہ امید رکھوں کہ تم مجھے نیور کرو گے؟" اس نے بہت امید سے پوچھا یہ ایک دوست کی آس تھی۔ زین چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر کھل کر مسکرا دیا۔

"ہاں۔"

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ سب کچھ جو ہو رہا تھا اس سے کہیں زیادہ آسان ثابت ہو رہا تھا جتنا کہ اس نے سوچا تھا۔

ماہا سعید احمد کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا اور اس کے تین گھنٹے بعد بھی وہ ہنوز اسی کیفیت میں تھا۔ وہ اپنے اندر ایک انوکھی خوشی محسوس کر رہا تھا ایک ایسی خوشی جو اس نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

اور خوشی صرف اس بات کی نہیں تھی کہ اس نے جو چاہا اسے پالیا بلکہ زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اس پر اعتبار کیا جا رہا تھا۔ زین سے دوستی کی مدت کم و بیش ایک سال پر محیط تھی اس مدت میں نجانے وہ لوگ اس پر کتنا اعتبار کرنے لگے تھے کہ پرپوزل دینے کے بعد محض ایک مہینے بعد اس کی منگنی کر دی گئی تھی۔

سید اصغر اس کے آفس اسٹاف میں سب سے سینئر تھے اور زاروں کی ان سے اچھی خاصی علیک سلیک ہو چکی تھی۔ اپنے پرپوزل کے سلسلے میں اس نے انہی سے مدد لی تھی۔ اس کے بارے میں تو شاید رسمی سی انکوائری بھی نہیں کروائی گئی تھی۔ ان دنوں زین کے بڑے بھائی عمران بھی پاکستان آئے ہوئے تھے شادی میں ان سے ملاقات ہو چکی تھی مگر پرپوزل بھجوانے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد عمران بھائی نے اسے لنچ پر انوائیٹ کیا تھا گھر کی بجائے ہوٹل میں ارینج کیا جانے والا یہ لنچ اس کے لیے بڑا سازگار ثابت ہوا تھا اس کے کچھ ہی روز بعد اسے اوکے کر دیا گیا تھا۔

"یہ مڈل کلاس لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ کتنے آرام سے اپنی بیٹی میرے حوالے کر دیں گے جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھے اس سلسلے میں خاصی مشکل پیش آئے گی مگر ان لوگوں کو تو یقیناً صرف لڑکے سے مطلب ہے اس کے آگے پیچھے کوئی ہے یا نہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ۔۔۔ صحیح ہے بھئی ہاتھ آیا خزانہ کون چھوڑتا ہے۔"

ایک کمینی سی خوشی کی جڑیں اس کے اندر دور دور تک پھیل گئی تھیں۔

اصل میں اسے ماہا سے کوئی ایسی افلاطونی محبت بھی نہیں ہو گئی تھی بس وہ اسے اچھی لگی تھی۔ اتنی اچھی لگی تھی کہ وہ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنے پر تیار ہو گیا اس لڑکی میں کوئی مختلف سی کشش تھی۔

خوب صورتی نہیں وہ کوئی اور بات تھی جو اسے اٹریکٹ کرتی تھی۔ اگر اس نے صرف خوبصورتی سے متاثر ہونا ہوتا تو اس نے ماہا سے ہزار ہا خوب صورت چہرے بھی دیکھ رکھے تھے۔ جو اس سے کہیں زیادہ پر اعتماد تھے جو اس سے کہیں زیادہ کشش کا باعث تھے۔

ایک لڑکی کا انتخاب اس کے بھائی نے کیا تھا ایک لڑکی کا انتخاب اس نے کیا تھا۔ روبیصہ کی حد سے زیادہ آزاد روی اور پست ذہنیت نے یہ دن دکھایا تھا کہ عورت ذات سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا مگر نجانے کیوں اس کا دل ماہا کی طرف مائل تھا اسے واثق یقین تھا کہ محض اسی لڑکی سے اسے وفا بھی ملے گی اور حیا بھی۔

پھر ہر گزرتا دن اس کی حیثیت کو سعید احمد کے گھرانے میں مزید مستحکم کرتا چلا گیا اسی دوران زین امریکہ چلا گیا تو اس کے آنے جانے کا سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو کر رہ گیا اور یہی وہ دور تھا جب حقیقتاً وہ جھنجلا گیا۔ ایک مڈل کلاس گھرانے میں شادی کرنے کا فیصلہ اس نے اس بنا پر کیا تھا کیونکہ اس کلاس سے وابستہ اقدار کی پاسداری اسے بے حد پسند تھی جو ڈھونڈنے سے بھی اسے ہائی کلاس سوسائٹی میں نہیں ملتی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

مگر اب یہی اقدار، وضعداری اسے قطعاً ”دقیانوسیت“ لگنے لگی تھی۔

ماہا اس کی منگیتر تھی مگر وہ لوگ آزادانہ ایک دوسرے سے مل جل بھی نہیں سکتے تھے۔ ٹیلی فونک رابطہ کا بھی کوئی سلسلہ نہ تھا جبکہ وہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنے ماضی سے متعلق ہر بات بتانا چاہتا تھا۔

”شادی سے قبل انڈر اسٹینڈنگ تو بہر حال ہونی ہی چاہیے۔“

اس نے کئی بار سوچا اور پھر ایک شام جب وہ سوچتے سوچتے تھکنے لگا اور اس شام اس کا دل بہت شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ ماہا کو دیکھے تو اس نے اس کے گھر کا نمبر ملا ڈالا۔

”السلام علیکم! میں تبریز بات کر رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے جو آواز ابھری وہ اسے شاد کرنے کو بہت تھی۔

اس کی آواز سن کر ماہا خاموش ہو گئی تھی۔ اس کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ آن رکی۔ اس کے لیے یہ تصور کرنا مشکل نہیں کہ ماہا اس کے غیر متوقع فون پر کیسا محسوس کر رہی ہوگی۔

”ہیلو۔۔۔ ماہا! آپ سن رہی ہیں؟“ اپنے لہجے کی کھنک کو وہ کسی طور چھپا نہیں پایا تھا۔

”جی۔۔۔ جی میں سن رہی ہوں۔“ لہجے کی بوکھلاہٹ پوری طرح عیاں تھی۔

”تو خیریت سے ہیں آپ؟“ اس نے پوچھا۔

”جی بالکل۔۔۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ ٹھیک ہیں؟ اصل میں ابو جی گھر پر نہیں ہیں آپ کو کوئی ضروری کام ہے تو ان کے آفس فون کر لیں۔“

زارون نے ریوالونگ چیئر پر اپنا انداز نشست مزید آرام دہ بنایا اور دھیمی سی آواز میں بولا۔

”مجھے سعید انکل سے بات کرنا ہوتی تو میں گھر کی بجائے آفس میں ہی فون کرتا مگر مجھے ان سے بات نہیں کرنی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اس وقت آفس میں ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کی ماما اور دادو جی سے بھی بات نہیں کرنی کیا اب مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مجھے کس سے بات کرنی ہے؟“

اس کا دل شوخی پر آمادہ تھا۔ ظاہر ہے منگیتر سے بات کر رہا تھا۔

”باتیں اگرچہ عام سی ہیں ممکن ہے آپ کو عام تر لگیں مگر یوں ہے کہ کچھ باتوں کا پہلے کلیئر ہو جانا ضروری ہے میں ان باتوں کو پہلے ہی آپ سے ڈسکس کر لینا چاہتا تھا مگر اول تو موقع ہی نہ مل سکا دوسرا یہ کہ میں خود کو بھی راضی نہیں کر پا رہا تھا آج کچھ فراغت تھی سوچا کیوں نہ کچھ بات کر لی جائے۔“

”آپ کہیے میں سن رہی ہوں۔“ ماہا کی آواز ابھری۔

”کہنا تو بہت کچھ ہے ماہا! مگر یوں نہیں، میں چاہتا ہوں جو بھی بات ہو فیس ٹو فیس ہو۔ آمنے سامنے بیٹھ کر۔ آپ کس وقت فارغ ہوتی ہیں؟ یقین کیجیے بہت کم وقت لوں گا میں آپ کا۔ آپ کی اسٹڈی کا حرج بھی نہیں ہوگا ویسے کن ٹائمنگز میں پڑھتی ہیں آپ؟“

اس نے پوچھا اور یہ درست بھی تھا کہ وہ واقعی اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اپنی ڈسٹربنس تو بہر حال دور کرنی ہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کوئی خاص ٹائمنگز تو نہیں ہیں بس جب موڈ ہو تو اسی وقت پڑھ لیتی ہوں مگر میں رات میں نہیں پڑھ پاتی اصل میں مجھے نیند بہت آتی ہے اور جب نیند آتی ہے تو کوئی اور چیز مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ آپ گھر آجائیں آپ جس وقت بھی آئیں گے میں آپ کی بات سن لوں گی۔"

پہلا طویل جملہ بڑی معصومیت سے اس نے ادا کیا وہ اندر تک سرشار ہو گیا یہ اتنی پیاری سی، اتنی خوب صورت آواز والی لڑکی عنقریب اس کی ہونے والی تھی بلکہ ہو چکی تھی بس معمولی سی تاخیر تھی۔

"نہیں گھر پر نہیں۔ آپ کے گھر میں، میں کمفرٹیبلی بات نہیں کر سکوں گا اور یقیناً" میری طرح آپ کمفرٹیبل نہیں کریں گی۔ آپ میرے ساتھ ڈنر پر کیوں نہیں چلتیں۔ دو روز بعد سنڈے ہے چوائس آپ کی ہو گی۔ ڈیسائیڈ کرلیں سیٹر ڈے نائیٹ اور سنڈے نائیٹ۔"

کچھ سوالوں کے جواب پتا ہوتے ہیں مگر کبھی کبھار ہوا میں تیر چلانا اچھا لگتا ہے۔ اس کا دل شدت سے ماہا کو دیکھنے کی تمنا کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے سیٹر ڈے نائیٹ ہی ٹھیک رہے گی واپسی میں کچھ دیر بھی ہو گئی تو اگلے روز کی کوئی ٹینشن نہیں ہو گی۔ اوکے۔ آپ تیار رہیے گا میں آپ کو ساڑھے سات بجے تک پک کرلوں گا۔"

"میری بات سنیے تبریز! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"آپ میرے ساتھ کیوں نہیں جا سکتیں؟"

"مجھے گھر سے اجازت نہیں ملے گی۔" زارون کے اندر ناگواری سی اتر گئی۔

"واٹ ربش۔" وہ جھلا کر بولا۔ اجازت کیوں نہیں ملے گی میں کوئی غیر تو ہوں نہیں آپ کے لیے پھر میں بتا چکا ہوں کہ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ نہ بھی کرنی ہوتیں تو اتنا مارجن تو ہمیں ملنا ہی چاہیے آخر کل ساری زندگی ساتھ گزارنی ہے۔ ہم نے انگیجمنٹ پیریڈ کا مقصد اور کیا ہوتا ہے آپ کے خیال میں؟ یہی ناں کہ لڑکا لڑکی کچھ وقت ساتھ بتا کر ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اب کچھ تو جواب دیں یا کھڑی کھڑی سو گئی ہیں۔" پتا نہیں کیوں اس کے اعصاب پر غصہ سوار ہونے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح ماہا کو قائل کرے۔

"میں کیا جواب دوں۔ مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا اصل میں ہمارے یہاں لڑکا لڑکی کو اتنی آزادی نہیں دی جاتی کہ وہ یوں ہوٹلنگ کرتے پھریں۔ آپ کو بات کرنی ہے اور وہ بھی کوئی ضروری۔ تو آپ گھر آجائیں ناں۔ ہم یہاں بڑے آرام سے بات کرلیں گے۔"

"تو یوں کہیں کہ آپ میرے ساتھ نہیں جانا چاہتیں۔" اسے یکدم بہت سبکی محسوس ہوئی بلاوجہ گھر والوں کو کیوں گھسیٹ رہی ہیں جو گھر میں ملنے دے سکتے ہیں انہیں باہر بھیجنے میں کیا تردد ہو گا۔ میرا خیال ہے آپ ہچکچا رہی ہیں؟ سعید انکل سے میں پوچھ لیتا ہوں۔ وہ اتنے دقیانوسی ہرگز نہیں ہیں کہ ہمیں کچھ وقت ساتھ گزارنے کی اجازت نہ دے سکیں۔"

"آپ ابو جی سے مت پوچھیں یہی درست ہے کہ میں نہیں جانا چاہتی۔ مجھے ایسی باتیں پسند نہیں ہیں۔" ماہا نے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کو کیسی باتیں پسند ہیں۔ چلیں پھر آج وہی کر لیتے ہیں۔"
اس نے موڈ بدلنے کی شعوری سی کوشش کی مگر ماہا کی اگلی بات نے اسے مزید بدمزہ کر دیا تھا۔
"پھر آپ گھر آ رہے ہیں؟"
"نہیں اینڈ سوری ٹو سے۔ پہرے داروں کی موجودگی میں میں بات کرنا نہیں چاہتا لوگ چاند تک ہو آئے ہیں اور آپ ابھی تک اسی مسئلے میں الجھی ہوئی ہیں کہ لڑکا لڑکی خاص کر تب جبکہ وہ آپس میں انگیجڈ بھی ہوں تنہائی میں انہیں ملنا چاہیے یا نہیں۔ کم سے کم مجھے یہ بات بہت مضحکہ خیز محسوس ہو رہی ہے خود میں تھوڑی سی گنجائش پیدا کریں ماہا ورنہ جیسے آپ کے خیالات ہیں ان کے ساتھ ترقی کرنا نہایت مشکل ہے۔" اس نے جلے دل کے ساتھ زرہ بھر بھی لحاظ نہ کیا تھا۔
"معاف کیجئے گا لیکن اگر ترقی کرنے کے لیے اور چاند تک جانے کے لیے نامحرم سے تنہائی میں ملاقات کرنا ضروری ہے تو ہم باز آئے ایسی ترقی سے' بھلے سے لوگ چاند چھوڑ سورج سے ہو آئیں ہمیں پروا نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی ڈیمانڈ پوری نہ کر سکی۔ آئندہ بھی امید مت رکھیے گا۔"
"مجھے بھی افسوس ہے۔ اللہ حافظ۔" اس نے کریڈل پر ہاتھ مارا۔
خجالت کے شدید ترین احساس سے پیشانی جل اٹھی تھی۔ وہ کچھ دیر تک کڑی نظروں سے ریسیور کو گھورتا رہا۔
"چادر سے بے نیاز ہو کر اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر آگے پیچھے پھرتے ہوئے محرم اور نامحرم کا فرق دکھائی نہیں دیتا اب جبکہ واقعی ایک رشتہ بن چکا ہے تو ساری باتیں یاد آ رہی ہیں۔ سمجھ نہیں آتا انہیں دقیانوسی کہوں یا دوغلا۔" بڑبڑاتے ہوئے
اس نے کھٹاک سے ریسیور پٹخ دیا۔

☆ ☆ ☆

اسے آفس سے لوٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی جب فون کی بیل بجنے لگی۔ وہ پیر تلے کرسی پر پاؤں پھیلائے سستا رہا تھا۔ آواز نے خلل پیدا کیا تو ناگواری سی ہوئی۔
"سلیم! چیک کرو یار۔" مسلسل بجتی بیل سے تنگ آ کر اس نے آواز لگائی اصل میں جب وہ گھر پر موجود ہوتا تھا تو سلیم اٹینڈنٹ کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا تھا۔ چند لمحے بعد سلیم کارڈلیس لیے خراماں خراماں چلا آیا۔
"بھائی جان۔۔۔ آپ کے لیے ہے۔" بھائی جان نے رخ روشن سے اخبار ہٹا کر اسے دیکھا۔
"ظاہر ہے میرے گھر میں کوئی عنان کے لیے فون تو آنے سے رہا مگر ہے کون؟" کارڈلیس پکڑنے سے قبل اس نے پوچھا۔
"کوئی میڈم جی ہیں کہتی ہیں اپنے صاحب سے بات کرواؤ۔"
"نام نہیں بتایا۔" اس نے چونک کر پوچھا سلیم کا نفی میں ہلتا سر دیکھ کر گردن کے اشارے سے اسے جانے کے لیے کہا اور سوچتے ہوئے کارڈلیس کان سے لگا لیا۔
"ہیلو۔"
"السلام علیکم۔ تبریز علوی صاحب بات کر رہے ہیں؟ کیسے مزاج بخیر؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی جی شکر الحمدللہ۔" اس نے اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پایا۔

یہ بشاش سی آواز کھنکتا ہوا لہجہ اور گفتگو کا اپنائیت بھرا انداز اس کے لیے قطعی طور پر اجنبی تھا اس نے ذہن میں وہ ساری زنانہ آوازیں دہرا ڈالیں جن سے اس کا واسطہ پڑتا تھا یا پڑ چکا تھا۔

یہ رودابہ نہیں تھی جو اس کی منگنی کی خبر سن کر بمشکل پیچھے ہٹی تھی۔ یہ درفشاں بھی نہیں تھی جو یونیورسٹی کے دور میں بہت کثرت سے اسے فون کیا کرتی تھی۔

یہ دو آوازیں تھیں جنہیں وہ بخوبی پہچانتا تھا باقی تو بہت سی ایسی بھی تھیں جو اس کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے رہتی تھیں مگر اس نے کبھی انہیں درخور اعتنا نہ جانا تھا۔ وہی کارپٹ والی تیموری۔

"تیمور صاحب! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتی۔ بس کچھ معمولی سی باتیں کرنی ہیں اب یہ تو آپ پر منحصر ہے کہ آپ کتنی دیر میں میری بات سمجھتے ہیں۔"

"سمجھانے والا باصلاحیت ہو تو سمجھنے میں وقت نہیں لگتا بہرحال میں سننے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے پہلے کیا اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی۔" وہ اپنی مخصوص ٹون میں مخاطب تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ بنا تعارف کے ہی میری بات سن لیں۔"

"اوہ۔" اس نے کان سے ہٹا کر پل بھر کو کارڈلیس دیکھا گویا اس میں صورت دکھائی دے گی۔

اسے جیسے ساری سمجھ آ گئی اندر بیٹھے بت کی تفاخر میں اضافہ ہوا ساتھ ہی ناگواری بھی۔ وہ عرصہ تک لڑکیوں کے بلینک فون کالز ریسیو کرتا رہا تھا جس میں وہ اپنا نام پتہ بتائے بغیر اس سے گفتگو کی خواہاں ہوتی تھیں اور کچھ دھڑلے سے نام فون نمبر اور تو اور گھر کا اجمالی ایڈریس بھی دیتی تھیں اس کی وجاہت ایسے ہی سب طرف چھائی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ چاہا گیا تھا "کسی" کی چاہ کا نشہ تو اب ہی سر چڑھا تھا۔ جس میں سرور تھا اور احساس بے بسی بھی تھا۔ مگر چاہے جانے والے نظرانداز کرنے کا حق رکھتے ہیں سو اس کے لیے ماہا کا ہر عمل جائز ہو چلا تھا۔

اس نے فون کان سے لگایا اور اسی انداز نشست میں الرٹ ہو کر شروع ہوا۔

"تعارف تو بہرحال آپ کو کروانا ہی پڑے گا۔ فون اب تک میں نے اس لیے کان سے لگا رکھا ہے کیونکہ آپ نے "کچھ معمولی سی باتوں۔" کا ذکر کیا ہے۔ انجان لوگوں کی تو میں اہم باتیں بھی نہیں سنتا۔" اس کا لہجہ دوٹوک اور غیر متزلزل تھا۔

دوسری طرف جیسے لاجواب سی خاموشی چھائی رہی پھر آواز ابھری۔

"انجان لوگ آپ کی منگیتر کے بارے میں بات کریں تو بھی آپ نہیں سنتے۔" اس نے جیسے بڑی سوچ سے پتھر اچھالا تھا جو عین نشانے پر لگا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا البتہ بولا کچھ نہیں کیونکہ "اس" نے موقع ہی نہیں دیا۔

"اب یقیناً" آپ چونک گئے ہوں گے۔ آپ کو چونکنا بھی چاہیے منگیتر کے نام پر تو احمق بھی کونشس ہو جاتا ہے۔"

"نام ماہا سعید احمد تین بھائیوں کی اور آپ کے بہت اچھے دوست زین العابدین کی اکلوتی بہن قد پانچ فٹ چھ انچ، رنگت شہابی، آنکھیں گہری براؤن، کوئین میری سے گریجویشن کر رہی ہیں فائنل ایئر میں ہیں مزید یہ کہ میں ماہا بھی بتا سکتی ہوں۔ یہ ساری معلومات اس لیے تاکہ آپ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ میں ہوا میں تیر چلا رہی ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"آپ کتنے تیر ہوا میں چلا رہی ہیں اور کتنے ہوا میں نہیں چلا رہی ہیں۔ میں خود ہی اندازہ لگا لوں گا۔ آپ نے کس مقصد کے لیے فون کیا ہے وہ بتایئے۔" اس کا انداز جچا تلا سا تھا۔

"ماہا کے دل کا حال بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ انفیکٹ اسی لیے مجھے آپ کا فون نمبر فراہم کیا ہے۔" وہ پھر پوری جان سے چونکا۔ شعور کے دھیان کی واضح نظر سامنے کی بند کھڑکی پر جا رکی جس کے اس طرف اندھیرا اور سناٹا تھا۔

"کہیے۔" وہ پوری طرح سے متوجہ تھا۔

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ ماہا سے کتنی محبت کرتے ہیں؟"

"وہ سوال آپ کے پوچھنے کا نہیں ہے۔" وہ سرد مہری سے بولا اسے اس لڑکی سے ماہا کے تعلق اور اس چونکا دینے والی بات کا (جس کی نشاندہی اس کی چھٹی حس کر رہی تھی) کا کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔

"جو اس سوال کا حق رکھتی ہے اس کا جواب میں اسے ہی دوں گا۔ یا ئی دا وے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟ آپ نے دل کا حال مجھ تک پہنچانے کے لیے اس نے آپ کا انتخاب کیوں کیا؟ میرا خیال ہے ہمارے درمیان جو تعلق ہے اس میں کسی "تیسرے" کی گنجائش تو بالکل نہیں نکلتی۔" اس کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔

"اس کا خیال ہے کہ وہ آپ سے کھل کر بات نہیں کر پائے گی اینڈ فار یور کائنڈ انفارمیشن فی الحال تو آپ خود "تیسرے" بنے ہوئے ہیں۔"

"واٹ ربش مطلب کیا ہے آپ کا۔" وہ بگڑ کر بولا۔ پیشانی پر شکنوں کا جال سا ابھر آیا تھا۔

"دیکھیے تبریز صاحب! جو بات میں آپ سے کہنے جا رہی ہوں اسے برداشت کرنے کے لیے انتہائی ٹھنڈے دل و دماغ کی ضرورت ہے۔ یوں بھڑکنے سے مسائل حل ہونے کی بجائے الجھ جایا کرتے ہیں۔"

"آئی تھنک دیٹس انیف ناؤ۔ اب وہ بات کیجیے جس کے لیے آپ اپنی ازجی اور میرا ٹائم ویسٹ کر رہی ہیں۔" اس کے لہجے میں دبی ہوئی سی برہمی تھی۔ دوسری جانب پھر توقف سے آواز ابھری۔

"ایک گزارش کرنی ہے آپ سے۔ ماہا کے بی ہالف پر سمجھ لیں۔۔۔ اگر آپ اس سے ذرا سی بھی محبت کرتے ہیں تو اس زبردستی کے رشتے کو ختم کر دیں۔ اس کی زندگی میں آپ کے لیے ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے۔ بڑی پرانی کمٹ منٹ ہے اس کے اور عباس کے درمیان۔۔۔"

"آپ کے پرپوزل پر اس نے بہت احتجاج کیا تھا مگر چونکہ اس وقت عباس غوری مالی طور پر مضبوط حیثیت نہیں رکھتا تھا اس لیے۔۔۔ مگر اب میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر کوئی زبردستی کا رشتہ نبھا پائے۔ ہر ایک میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی۔ بالفرض جذباتیت میں آپ پیچھے نہ ہٹنے کا فیصلہ بھی کرتے ہیں تو یہ صرف ماہا کے لیے ہی نہیں بلکہ آپ کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ آپ اپنی خوشی کے لیے دو انسانوں کی خوشیاں کیسے حرام کر سکتے ہیں۔

یقین کریں تبریز صاحب! آپ کی جانب سے ذرا سا اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کسی کی زندگی سنوار سکتا ہے۔"

زارون کے چہرے پر ایک رنگ آ کر جا رہا تھا۔

لجاجت بھرے لہجے میں کی جانے والی یہ ساری بکواس اس نے بڑے تحمل سے سنی تھی۔ مگر آخری بات پر گویا تڑخ کر بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں ہوں میں اعلیٰ ظرف اور نہیں سنواروں گی مجھے کسی کی زندگی۔"

"پھر میں اتنا کہوں گی کہ آپ بہت بیوقوف ہیں انتہائی نقصان کا سودا کرنے جا رہے ہیں وہ قسم کھائے بیٹھی ہے کہ مر جائے گی مگر آپ سے شادی نہیں کرے گی۔"

"یہ سب کہنے کے لیے آپ سے ماہا نے کہا ہے؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔

"جی۔"

"کیوں؟ اس کی زبان ٹوٹی ہوئی ہے جو وہ یہ سب مجھ سے نہیں کہہ سکتی؟"

"میں نے بتایا ناں کہ اس کا خیال تھا وہ آپ سے ٹھیک سے بات نہیں کر پائے گی؟"

"اس لیے اس نے آپ کو اپنا وکیل بنا دیا۔ واٹ اے جوک۔" قطع کلامی کرتے ہوئے اس نے استہزائیہ ہنکارا بھرا۔

"دیکھیے۔" اس نے بولنے کی کوشش کی مگر۔

"بہت دیکھ چکے۔" وہ بولا۔ "کیا میں اس "معزز وکیل" کا نام جان سکتا ہوں؟" اس کے لہجے میں گہرے طنز کی کاٹ تھی۔ جس نے یقیناً دوسری طرف موجود ہستی کو بوکھلا دیا تھا۔

"کیا میرا یہ تعارف کافی نہیں ہے کہ میں ماہا کی دوست ہوں؟"

پھر ناپ تول کر بولی نام البتہ اب بھی نہیں بتایا وہ بری طرح سلگ گیا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں میں کسی ایسے انسان پر یقین کر ہی نہیں سکتا جس میں اپنا نام بتانے کا حوصلہ بھی نہیں ہے۔ اپنی مہربانیاں سنبھال کر رکھیے اور مناسب وقت پر کہیں اور منتقل کیجیے۔ ماہا کے اور میرے درمیان جو تعلق ہے خدا کے فضل سے نہایت مضبوط ہے اسے کچھ کہنا ہوگا تو وہ مجھ سے ڈائریکٹ کہے گی۔ عارضی سہارے نہیں ڈھونڈے گی۔ فی الحال تو آپ یہ بتایئے کہ آپ ہمارے درمیان بدگمانی کیوں پیدا کر رہی ہیں؟"

"ایسی باتیں مت کریں تبریز صاحب! ماہا میری دوست ہے آپ جانتے نہیں ہیں کہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ مجھے تو صرف اس کی خوشیاں عزیز ہیں ورنہ میں کوئی بدگمانی پیدا کروں گی۔"

"یہ تو آپ ہی بہتر بتا سکتی ہیں لیکن چونکہ آپ نے اپنا نام بھی نہیں بتایا اس لیے یقیناً" آپ یہ بھی نہیں بتائیں گی۔" اس نے طنز سے کہا۔

"نام نہ بتانے کی بھی کوئی مصلحت ہے آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں۔ بات بہرحال مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ آپ کے دل میں ماہا کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہے ورنہ۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ پر اپنے جذبے کی سچائی واضح کروں۔" وہ از سر نو سلگا۔

"میں آپ کے الفاظ پر یقین کر لیتا بشرطیکہ یہ الفاظ ماہا کی زبان سے ادا ہوئے ہوتے۔ فی الحال تو میں یہ جانتا ہوں کہ آپ مجھے مس گائیڈ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں اور ایسا کیوں کر رہی ہیں یہ آپ سے بہتر اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ فون بند کرنے کے بعد کم سے کم شکرانے کے دو نوافل ضرور ادا کیجیے گا۔ میری نظروں کے سامنے آ کر کوئی میری منگیتر کے کردار پر کیچڑ اچھالتا تو میں اب تک اس کا حشر بگاڑ چکا ہوتا خواہ وہ کوئی عورت ہی کیوں نہ ہوتی۔ اپنی بات کی سچائی کا ثبوت تو آپ نے خود ہی فراہم کر دیا ہے جو سچ بولتے ہیں وہ خود کو یوں پردوں میں نہیں چھپاتے۔ ری ممبر دو نوافل شکرانہ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوسری طرف سے ڈس کنیکٹ ٹون آنا شروع ہو گئی۔
زارون کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ انگوٹھے کی خفیف حرکت نے اس طرف کا رابطہ بھی بند کر دیا۔
"نجانے کون تھی اور کیوں ایسی بکواس کر رہی تھی۔"
کارڈلیس کا ایئرپل بند ہونٹوں سے ٹکراتے ہوئے اس نے پر سوچ انداز میں بند کھڑکی کی طرف دیکھا جب یہ کھڑکی آباد ہوتی تھی تو اکثر دیدار ہو جاتا تھا مگر اب بھی بیشتر ایام کی طرح بند دروازے سے ٹکرا کر نگاہیں پلٹ آئیں۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "وہ" صحیح کہہ رہی ہو۔"
"لاحول ولا ــــ تف ہے بھئی تم پر زارون حیدر علی ــــ اسے تو خوب کھری کھری سنا رہے تھے اور اب خود کیا سوچ رہے ہو۔ وہ تو اپنے منگیتر کے ساتھ کہیں باہر جانے سے گھبراتی ہے۔ وہ تو تجھ سے فون پر بھی بات کرنے سے یقیناً اسی لیے کتراتی ہے کہ کہیں گناہ کا فتویٰ ہی نہ لگ جائے ــــ پھر ایسی لڑکی کے دل و دماغ میں کسی اور سوچ کا گزر ہو ہی نہیں سکتا میں نہیں مانتا بھلا میری نظریں اسے پرکھنے میں غلطی کیسے کر سکتی ہیں۔ یہ تو کوئی اور ہی چکر ہے ــــ کہیں یہ رودابہ کی حرکت نہ ہو۔ پچھلے دنوں اسی پر عشق کا بھوت سوار رہا ہے۔"
وہ پر سوچ انداز میں اٹھ کر اندر چل دیا اور فی الوقت تو اس نے سر جھٹک دیا تھا۔ مگر کچھ باتیں چپکی رہ جاتی ہیں ڈھیٹ آسیب کی طرح۔

☆ ☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہفتہ وار تعطیل تھی اور ایک ڈیڑھ سے کچھ بعد کا وقت تھا۔ چونکہ جی بھر کر سونے کا شغل فرمایا گیا تھا سو سب کام معمول سے ہٹ کر انجام پا رہے تھے۔

کمرہ ہنوز بے ترتیب تھا کونے میں رکھے سی ڈی پلیئر سے نسبتاً "دھیمے سروں کا گیت فضا میں بکھر رہا تھا۔ اسے ہمیشہ سے فاسٹ میوزک پسند رہا تھا دھیمے سروں والے گیت 'شاندار شاعری' غزلیں ہارون لالہ کی پسند تھیں ان کے پاس تو ڈھیروں ڈھیر کیسٹس ہوا کرتی تھیں مگر اس کی پسند کی ایک بھی نہیں بس ایک یہی معاملہ تھا جس میں ان دونوں کی پسند باہم ٹکراتی تھی۔

وہ واش روم میں آئینے کے سامنے کھڑا شانوں پر ٹاول پھیلائے بڑے اہتمام سے شیو بنا رہا تھا۔ لالہ کے خیال پر پل بھر کو چہرے پر شیو بناتا ہاتھ رکا۔ آج بڑے دنوں بعد لالہ یاد آئے تھے۔

اس نے قصداً "دھیان ہٹایا اور داور ابراہیم کے متعلق سوچنے لگا۔ داور اس کی فرم کے اونر کا بھانجا تھا اور اسی فرم کے فنانس ڈپارٹمنٹ سے منسلک تھا۔ سائیڈ بزنس کے طور پر وہ لیدر ایکسپورٹ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس سلسلے میں اس نے زارون کو پارٹنر شپ کی آفر کی تھی۔ آفر اچھی تھی مگر وہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکا تھا اصل میں داور کی ریپوٹیشن کچھ قابل توجہ نہ تھی۔

آفس میں ہونے والی دبی دبی گفتگو کا کچھ نہ کچھ حصہ بہرحال اس کے کان بھی سن چکے تھے اصل میں داور کو "حشمت درانی" کا بھانجا ہونے کی وجہ سے کافی رعایت ملی ہوئی تھی پھر اسی بنا پر کوئی بھی کھل کر بات نہیں کرتا تھا۔

اس کی سوچ کا سلسلہ ابھی اتنا بھی دراز نہ ہوا تھا کہ فون کی بیل بجنے لگی۔ اس نے شیونگ برش رکھ کر ریزر اٹھا لیا۔

"سلیم۔۔۔ جناب شہزادہ سلیم صاحب۔۔۔ میں نے کہا فون ریسیو کر لیں عین نوازش ہو گی۔" سلیم ناشتہ بنا رہا تھا اور شور کی بنا پر شاید "اس کی آواز پہنچ ہی نہ سکی تھی ناچار اسے خود فون ریسیو کرنا پڑا۔

"السلام علیکم! جی مجھے تبریز صاحب سے بات کرنی ہے۔" اس کے ہیلو کے جواب میں بڑے مہذب لہجے میں کہا گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی فرمائیے۔ میں بات کر رہا ہوں۔" ریسیور کو شیونگ کریم کے جھاگ سے بچاتے ہوئے اس نے کہا۔

"جی ضرور۔۔۔ اب تو فرمانا ہی ہے مگر میرا خیال ہے تعارف از حد ضروری ہے۔ خاکسار کو عباس خوری کہتے ہیں۔"

"اوہ۔" اس پر جیسے پہچان کے سارے در وا ہو گئے اور آواز و لہجے میں آپوں آپ سرد مہری اتر آئی "فون کرنے کا مقصد؟"

"میرا خیال ہے بتانے کی گنجائش تو نہیں نکلتی۔ میں خود فون کر رہا ہوں۔ مقصد تو آپ کو از خود سمجھ جانا چاہیے تھا۔"

"دراصل میں تو آپ کا فیصلہ جاننے کے لیے فون کیا ہے بیچ کے چار دن تو سمجھئے آپ کو سوچنے کے لیے وقت دیا تھا اور میرا خیال ہے اتنا وقت بہت ہوتا ہے۔"

"مجھے وقت دیتے دیتے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا آخری وقت آپہنچے۔"

"آں، آں۔۔۔ ڈونٹ شاؤٹ اینڈ ڈونٹ لوز یور ٹمپر ہم تہذیب و شائستگی سے بات کرنے کے عادی ہیں بہتر ہو گا کہ آپ بھی اسی انداز کو ملحوظ خاطر رکھیں۔"

"منہ سے کچھ بھی کہتے رہو کیا فرق پڑتا ہے تمہاری گھٹیا حرکت ساری تہذیب و شائستگی ظاہر کر رہی ہے۔"

"تبریز صاحب! کیوں بھڑک بھڑک کے خون خشک کر رہے ہیں۔ آپ تو ابھی پیچھے ہٹ سکتے ہیں ہماری تو سمجھو کشتیاں جل چکی ہیں قدم پیچھے ہٹانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔"

"آپ کے پرپوزل نے بڑے نامناسب وقت پر کھٹائی ڈال دی ورنہ اب تک تو ہم ایک ہو چکے ہوتے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کن مناسب الفاظ میں آپ کو بتاؤں کہ میں اور ماہا ایک دوسرے کو بے تحاشا۔۔۔"

"شٹ اپ یو۔۔۔ خبردار جو ماہا کا نام دوبارہ لیا تھا۔" اس کی آواز میں سنگسار کر دینے والی آگ کی لپٹیں تھیں۔ کنپٹی کے قریب رگیں بری طرح پھڑکنے لگی تھیں۔

"ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔" وہ بولا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا تمیز تہذیب سے بات کرو مگر تم پر اثر نہیں ہے لہٰذا اب تمہاری زبان میں بات ہو گی۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ ماہا اب تک تم سے بات کیوں نہیں کر پا رہی تھی تم جیسا جاہل تو اس کا حشر ہی کر دیتا۔ وہ معصوم لڑکی کہاں مقابلہ کر پاتی تمہارا اور میں اس کا نام کیوں نہ لوں یہ حق تو اس نے خود مجھے دیا ہے اور تمہیں کیا پتا کہ اس نے مجھے اور کیا کیا حق دے رکھے ہیں؟ اچھا ہو گا کہ اب تم اس کا نام بھول جاؤ۔ میں اور ماہا ایک ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور کوئی طاقت ہمیں ہمارے فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی۔ تم سے طریقے سے بات کرنے کا مقصد یہی تھا کہ تم شرافت سے رستہ بدل لو مگر تمہیں عزت کا خیال نہیں ہے۔

ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ تم نے وہ کیا جو تم کر سکتے تھے میں وہ کروں گا جو ہم کر سکتے ہیں۔ ہارنا تو بہرحال تم نے ہی ہے۔ انگلی ٹیڑھی ضرور کرنی پڑے گی مگر گھی نکلے گا ضرور۔ بس اب تم انتظار کرو مسٹر تبریز علوی! میں تو تمہیں تمہاری جڑوں سے ہلا کر رکھ دوں گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ان گیدڑ بھبھکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ ڈرتے تو تمہارے جیسے بزدل ہیں ایسے ہی کسی شیر کی اولاد بنے پھرتے ہو تو سامنے آکر بات کرو۔"

"انشاءاللہ انشاءاللہ آپ کا یہ شوق بھی ضرور پورا کریں گے لیکن اس روز جس روز ماہا میری دلہن بنے گی اور تم اپنا غم منا رہے ہو گے۔ اب تو مجھے شدت سے اس دن کا انتظار ہے۔ میں ذرا ادھر بھی فون کر کے اطلاع دے دوں بیچاری پروگریس جاننے کے لیے بے چین ہو گی۔ مطلع کرتا ہوں کہ حضور ٹیڑھی کھیر ہیں لہٰذا اگلا کارڈ چلا جائے ۔۔۔ ٹون۔۔۔ ٹون۔۔۔ ٹون۔"

اس قدر گھٹیا انداز گفتگو طیش کے مارے ریسیور پر گرفت اتنی سخت ہو چکی تھی کہ وہ تڑخنے کے قریب تھا۔ یہ شخص اس کے سامنے آجاتا تو وہ اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتا۔ وہ ذرا سا جھکا اور اضطراری انداز میں ایک بیجد مانوس نمبر ملا ڈالا۔ دوسری طرف سے انگیج ٹون آرہی تھی۔ اس کا سارا کروفر جیسے خاک میں مل گیا۔ اس کا مطلب "وہ" صحیح کہہ رہا تھا وہ ماہا سے بات کر رہا ہو گا تبھی فون انگیج ہے مگر یہ مجھے بھٹکانے کی ایک سازش بھی تو ہو سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میرا دل غلط کہہ ہی نہیں سکتا۔ ماہا ایسی لڑکی نہیں ہے۔

وہ گم صم حالت میں کتنی ہی دیر وہاں بیٹھا رہا۔ جیسے آنکھوں کے سامنے بھول بھلیاں آگئی ہوں اسے واضح طور پر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اسی دم سلیم نے ناشتا تیار ہونے کی اطلاع دی تو گویا وہ ہوش میں آیا باقی کا وقت اللہ جانے کس کیفیت میں گزارا البتہ وہ ماہا کے گزشتہ رویے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مگر نتیجہ اخذ کرنے میں ناکام رہا۔ مگر ساتھ ہی صبح کا منظر یاد آیا آگیا معمول کے مطابق جوگنگ سے واپس آکر وہ لان میں ایکسرسائز کر رہا تھا۔ لاشعوری طور پر گردن اٹھائی تو کھڑکی میں کھڑی ماہا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے مسکرا کر وش کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو کھٹاک سے کھڑکی بند ہو گئی اس نے خفیف سا ہو کر ہاتھ نیچے گرا لیا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ تھکنے لگا تو وہ بالکل غیر ارادی طور پر گروسری کے پیکٹ اٹھائے ادھر چلا آیا۔ سعید انکل کی غیر موجودگی میں خدیجہ آنٹی اکثر سلیم کی خدمات لیتی تھیں آج بھی سلیم ہی نے ان کے لیے خریداری کی تھی گروسری کے پیکٹس اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے۔

دروازہ ماہا نے ہی کھولا تھا زارون نے بڑی شگفتگی اور بشاش سے لہجے میں سلام کیا مگر ماہا نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا پھر زارون کی حیرانی کی انتہا نہ رہی جب سامان پکڑ کر اس نے دروازہ بند کرنا چاہا اس نے مروتاً بھی زارون کو اندر آنے کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ اس نے تو اس کے مختصر سوالوں کے جواب بھی سرد مہری اور جیسے حالت مجبوری میں دیے۔

زارون کے اندر گویا اینٹ سے اینٹ جڑنے لگی۔

پہاڑ بنانے کے لیے رائی کی موجودگی ضروری ہے اور اس کا مطلب "رائی" بہرحال موجود تھی۔

ماہا نے اچانک اسے رکنے کے لیے کہا اور چند لمحے بعد ایک سفید رنگ کا لفافہ لا کر اسے تھما دیا۔

"آپ کے لیے ایک تحفہ۔۔۔ گھر جا کر اطمینان سے دیکھیے اس میں بہت خوب صورت چیز ہے آپ یقیناً خوش ہوں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لفافہ اس نے گیراج تک کھول لیا اور اس میں سے جو چیز برآمد ہوئی وہ اس کے اوسان گم کرتے کو بہت تھی۔ ہارون لالہ کی شادی کی تصاویر تھیں مگر اس میں سے صرف ایک اصلی تھی جو اس نے بڑے شوق سے اپنی اکلوتی بھابھی کے ساتھ کھنچوائی تھی دیگر تصاویر ٹریک فوٹوگرافی اور کمپیوٹر گرافکس کا کمال تھیں اور سب تصاویر میں باہمی تعلق کو کوئی اور ہی شکل دی گئی تھی۔ وہ پھر خالی الذہن ہو گیا مگر ایک آواز باقی تھی۔

"مطلع کرتا ہوں کہ حضور ٹیڑھی کھیر ہیں۔ اگلا کارڈ چلایا جائے۔"

"رومیصہ بھی تو ہو سکتی ہے۔" اصل میں اس کا ذہن ماہا کو غلط ماننے کو تیار نہ تھا۔ پھر اس نے بہت چاہا کہ ماہا سے باضابطہ بات کرے مگر اس کا رویہ ہی نرالا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کون تھی؟"

اف سوال تھا یا سلگتا ہوا پتھر توہین کے احساس سے پیشانی از سر نو جلنے لگی۔ داور ابراہیم نے سوال نے اسے اہانت کے اسی کالے کنویں میں دھکیل دیا جس کی تاریک تہہ سے باہر نکلنے کی کوشش وہ پچھلے دو دن سے کر رہا تھا۔

اسے بہت سے لوگوں نے مل کر پیٹا تھا۔ بہت سے ہاتھ اس پر اٹھے تھے۔ بھرے رستے پہ لڑکی کو تنگ کرنے والے لفنگے کو سبق سکھانے میں ہر کوئی اپنا حصہ ڈالنا چاہتا تھا اور یہ ذلت سہنا اس کی برداشت سے باہر ہوا جا رہا تھا اوپر سے داور ابراہیم کا سوال وہ پھر بھڑ جلنے لگا۔

بھلا وہ اسے کیسے بتاتا کہ جس بھرے مجمعے کے ہاتھوں سے اس نے اسے آزاد کروایا ہے اس مجمعے کو اسے پیٹنے اور بے عزت کرنے کا حق اس کی منگیتر نے دیا ہے۔

وہ دوہری اذیت میں گرفتار تھا۔ شرمندگی ایسی کہ نگاہ بھی نہ اٹھائی جا رہی تھی اور اذیت ایسی کہ ہر شے تہس نہس کر دینے کو جی چاہتا تھا۔ وہ اپنی ہی نظروں میں گویا کسی بونے کے برابر ہو گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا اس کی ذلت کا تماشا شہر کی ہر آنکھ نے دیکھا ہو۔ اور فی الوقت وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پا رہا تھا کہ لوگوں کی اہانت آمیز اور انگلیاں اٹھاتی نظروں کا سامنا کر سکے۔

"یار! تم نے تو شروع میں ہی خود کو ڈس کوالیفائیڈ ثابت کر دیا ہے اتنی معمولی سی بات پر خود کو گھر میں بند کر کے بیٹھ جانا مردانگی نہیں بزدلی ہے۔"

"نہیں ہے یہ معمولی بات۔" وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شدید قسم کے احساس ذلت نے جسم و جاں کی ہر نس میں زہر بھر دیا تھا۔

"دل چاہتا ہے ہر چیز کو تباہ کر ڈالوں۔" اس نے تپائی کو ٹھوکر رسید کی دیوار سے ٹکرا کر شیشہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ذہن میں گویا شدید اضطراب کا طوفان اٹھا ہوا تھا کہ خود کو قابو میں رکھ کر پر سکون ظاہر کرتے والا زارون وحشی درندہ دکھائی دینے لگا تھا۔ بے عزتی کے انتہائی وقت میں مددگار ثابت ہونے والے داور کی شکل بھی اسے بری لگ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

داور نے اس کی بکھری حالت کو دیکھا پھر اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"حوصلہ پکڑو یار! کمپوز کرنے سے کچھ نہیں ہوگا ورنہ ہی یوں منہ چھپانے سے کچھ ہوگا منہ تو اسے چھپانا چاہیے جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔" زاروِن نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

داور چونکہ معاملے کی اصل سے ناواقف تھا سو صرف اپنی بول رہا تھا۔

"یہ اسٹوپڈ مڈل کلاس لڑکیاں بس ایسی ہی ہوتی ہیں بیڈ شیٹ میں خود کو چھپا کر پہلے اپنی اداؤں سے اچھے بھلے انسان کو پاگل کرتی ہیں اور پھر پاگل پن میں چھوڑ کر چل دیتی ہیں۔"

"سبق سکھانا تو سمجھو فرض ہو چکا ہے تم پر۔ جتنی قرض چڑھا ہے تم پر جب تک سود سمیت چکا نہیں دیتے سمجھو مردانگی پر پردہ پڑا رہے گا۔ یاروں کی عزت تو اپنی عزت ہے حکم کرو تو آج قدموں میں ڈال دیں۔ محترمہ کی ساری اکڑ نکل جائے گی۔"

"نہیں داور۔" وہ اس کے خلوص کا قائل ہوا بھلا کسی کو کیا پڑی ہے کہ کسی دوسرے کے لیے خطرہ مول لے فون کی بیل بجی۔ ناچار اسے ریسیور اٹھانا پڑا۔

دوسری طرف عباس غوری تھا۔

"کہیے صاحب! کچھ مزاج ٹھکانے آئے؟۔ آں۔۔ آں فون مت رکھیے گا آج تو آپ سے فائنل بات ہو گی۔ کچھ کارڈ چل دیے کچھ باقی ہیں بلکہ یوں سمجھیے کنگ ابھی ہمارے ہی قبضے میں ہے آپ کا ایک فیصلہ آپ کی قسمت کا فیصلہ کرے گا۔" زاروِن نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے اور وہ غصہ ضبط کرنے کی انتہائی اسٹیج پر تھا۔

"عباس غوری۔" ایک الگ کہانی سی تھی بابا سعید احمد کا کردار بہت کھل کر اس کے سامنے آگیا تھا۔ تو طے ہوا کہ ہر عورت کی روح برائی ہے۔

ایک روم میٹ تھی۔

ایک ماما ہے۔

اور دیکھو بابا سعید احمد کہ اب میں تمہارے ساتھ کرتا کیا ہوں۔ مجھ پر تمہارے کئی قرض واجب الادا ٹھہرے سب کے سب انشاء اللہ سود سمیت چکانے ہیں تم نے مجھے ان لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی جس سے محبت کرنے لگا تھا۔ میں تمہیں تمہاری ہی نظروں میں گرا دوں گا۔ جس بندے کے لیے تم نے میرا کندھا استعمال کرنا چاہا وہی شخص تم سے منہ موڑے گا۔ قسمت کی سیاہی کو تم نے خود دعوت دی ہے۔

ایک تلخ و ترش مسکراہٹ کے ساتھ وہ مڑا اور داور سے دھیرے دھیرے کوئی معاملہ ڈسکس کرنے لگا۔ خدا جانے کس کی قسمت پر سیاہی آنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے پتا تھا کہ وہ کامیاب ہو جائے گا مگر اتنی آسانی سے ہو جائے گا اس کا اندازہ بہرحال نہیں تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"یہ تو گئی کام سے۔اب کیا کرنا ہے؟" ماہا کے ہوش و خرد سے بیگانہ وجود کو دیکھتے ہوئے داور نے اس سے پوچھا۔
زارون نے زہر میں بجھی نگاہ اس پر ڈالی پھر ایک طرف کر کے گاڑی روک دی۔
"پہلے تو اسے پیچھے پہنچانا ہے۔" اس نے خود آگے بڑھ کر اسے پیچھے لٹا دیا اور پیچھے رکھا کمبل اس پر ڈال کر گویا سارا وجود چھپا دیا اور اس کے ساتھ آگے آگیا تھا۔

زارون خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا اسے اپنے اٹھائے ہوئے قدم پر کوئی پشیمانی کوئی ندامت نہیں تھی۔ مگر ذہنی پراگندگی اس قدر تھی کہ وہ داور کی جانب دھیان ہی نہ دے سکا جو بار بار بہت کھوجتی ہوئی اور گہری نگاہیں پیچھے ڈال رہا تھا۔

وہ دونوں دیر تک خاموش رہے حتی کہ وہ غیر آباد علاقہ دکھائی دینے لگا جو ان کی منزل تھی۔
"بابا کو انفارم کیا تھا؟" اس نے داور سے پوچھا۔
"نہوں۔"

دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ بہت فاصلے پر اکا دکا مکانات اور خانہ بدوشوں کے جھونپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ گاڑی رکنے پر داور نے اتر کر جیب سے دس کلو وزنی تالے کی چابی نکالی اور مین گیٹ پورا وا کر دیا۔ زارون گاڑی اندر لے آیا۔

باقی دروازے بھی داور نے کھولے تھے۔ ماہا کو بیڈ پر لٹا کر وہ فوراً" باہر نکل جانا چاہتا تھا مگر اس کے چہرے پر ڈالی جانے والی شعوری نگاہ پلٹ کر نہ دی۔ سیاہ چادر کے ہالے میں صبیح رنگت پر رونے کی وجہ سے کسی قدر سوزش زدہ پپوٹے فراغ پیشانی۔۔۔ تیکھی سی ناک اور باریک سے ہونٹوں کے کنارے ننھا سا براؤن تل۔۔۔ بے ہوشی میں بھی وہ مضطرب تھی۔ وہ سینے پر بازو باندھے بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ یہی وہ معصوم (بظاہر) اور سادہ چہرہ تھا جس نے سب سے پہلے اس کے حواسوں پر اپنا نقش قائم کیا تھا۔

"کیا ہو تم اور کیا ہے تمہاری اوقات۔۔۔ سارا کا سارا مان میرے قدموں تلے ہے چاہوں تو تمہارا وہ حال کروں کہ خود کو بھی نہ پہچان پاؤ لیکن نہیں' میں یہ نہیں کر پاؤں گا میں تو وہ کروں گا جس کا تصور تمہاری سوچ کی کسی گزرگاہ سے نہ گزرا ہو گا افسوس۔ ماہا سعید احمد! تم نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پاؤں زخمی کر ڈالے۔ کسی چیز کی موجودگی میں اسے کھو دینے کا احساس شدید ہوتا ہے اور تم اب اسی احساس سے گزرو گی۔ دیکھتے ہیں اب کون سا "عباس غوری" تمہارے در پر آتا ہے۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور باہر نکل آیا۔

اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ویسے ہوتے رہا جیسا کہ اس نے سوچا تھا۔ ماہا کے گھر میں عجیب بدحواسی اور مردنی کی سی کیفیت تھی۔ خدیجہ آنٹی اور دادو جی کا رو رو کر برا حال سعید انکل اور کامران بھائی مضطرب اور وہ ہر قدم پر ان کے ساتھ ماہا کو تلاش کرنے میں آگے گھر والوں کو تسلیاں دینے میں پیش پیش۔

"پلیز آنٹی! آپ روئیں مت۔ انشاءاللہ ماہا خیریت سے ہو گی۔" وہ اس وقت خیر خواہی کے بلند منصب پر فائز تھا۔

"کیسے نہ روؤں۔ اب تو قسمت میں رونا ہی رہ گیا ہے۔ پتا نہیں میری بچی کس حال میں ہو گی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"فار گاڈ سیک آنٹی! سنبھالیے خود کو۔ اگر آپ اسی طرح روتی رہیں تو دادو جی کو کون سنبھالے گا۔ ہم ہاہا کو تلاش کر تو رہے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوگی خیریت سے ہوگی میرا دل کہتا ہے۔"

آج سے پہلے اسے خبر نہ تھی کہ وہ اس قدر کامیاب اداکار ہے۔

"انکل! میرا خیال ہے ہمیں پولیس کو انفارم کرنا چاہیے۔ کیوں کامران بھائی؟" اس نے پتا پھینکا اور گھڑی کی طرف نظر اٹھائی۔

اس کے حساب سے تو اب تک کوریئر سروس کے نمائندے کو پہنچ جانا چاہیے تھا اسی وقت بیل بجی سب کے سوئے حواس بیدار ہوئے۔

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ سرعت سے باہر کی طرف لپکا۔ باہر کوریئر سروس کا نمائندہ کھڑا تھا۔ اس کے اندر تک ڈھیروں سکون اتر آیا اس پارسل میں وہ خط تھا جو اس نے زبردستی ماہا سے لکھوایا تھا۔ یہ ایک اقرار نامہ تھا کہ اس نے گھر اپنی مرضی سے چھوڑا ہے۔

اس نے لفافہ سعید احمد کو تھما دیا۔ انہوں نے تشویش آمیز تعجب سے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا پھر تیزی سے کھولنے لگے۔ کمرے میں موجود سبھی افراد کی توجہ انہیں کی جانب تھی۔ وہ خط پڑھتے گئے اور ایک رنگ آکر دوسرا رنگ چہرے پر سے گزرتا گیا۔

"کیا بات ہے ابو جی۔" کامران ان کی زرد پڑتی رنگت سے چونک کر آگے بڑھے اور زمین پر بکھرا ہوا کاغذ کا پرزہ اٹھا لیا۔ زارون نے خود کو قطعی ناواقف ظاہر کرتے ہوئے کامران بھائی کے ساتھ ہی پڑھنا شروع کیا اور پھر کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی۔ وہ گہرے صدمے کی کیفیت خود پر طاری کیے سعید احمد کو دیکھ رہا تھا جو گردن جھکائے بیٹھے تھے ان کی نظریں زمین سے چپکی تھیں۔

پھر اس نے سعید احمد کو مضمحل انداز میں اٹھ کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ قریب آکر انہوں نے زارون کے سامنے جھکی نظروں اور جھکے کندھوں کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ پل بھر کو دنگ رہ گیا۔ اگلے ہی لمحے سعید احمد تیزی سے باہر نکل گئے۔ زارون کا دل کسی نے آہنی شکنجے میں جکڑ لیا۔ اس کی نظریں ان نادیدہ نقوش پر تھیں جو فرش پر رقم رہ گئے تھے۔ اس نے سعید احمد کی آنکھوں میں نمی اور چال میں صدیوں کی تھکن دیکھی تھی۔

☆ ☆ ☆

ملامت اصل میں اندر سے وارد ہوتی ہے اور وہ اپنے اندر کو گہری نیند سلانے میں نہایت کامیاب رہا تھا۔

"کاش تم نے اپنے اصل پر اتنے غلاف نہ چڑھا رکھے ہوتے تو اب یہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہو رہا ہے۔ مجھے افسوس ہے صرف تمہاری وجہ سے صرف تمہاری وجہ سے ایک پورا گھرانہ اذیت میں گرفتار ہوا ہے۔"

ونڈ اسکرین سے باہر نظریں جمائے اور متوازن رفتار سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں ماہا سے مخاطب تھا جسے ابھی ابھی وہ بہت دگرگوں حالت میں دیکھ کر آرہا تھا مگر اس کا دل تو گویا پتھر کی شکل اختیار کر چکا تھا افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ سعید احمد کے گھرانے پر مصیبت ٹوٹی ہے۔ وہ جو جذباتی تعلق اس خاندان سے رکھتا تھا اس میں ان کے دکھ کا احساس کر سکتا تھا نجانے انسان اتنے بڑے قدم اٹھا لینے اور اپنی سطح سے گر جانے کے بعد ایسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تاویلیں کہاں سے تلاش کرلیتا ہے مگر وہ ماہا سے کوئی بھی نرمی برتنے کو تیار نہ تھا۔
خط مل جانے کے بعد ماہا کو تلاش کرنے کی کوششیں ترک کردی گئی تھیں۔ اس روز کے بعد وہ اس گھر میں نہیں گیا تھا مگر اس گھر کے مکینوں کی کیفیت وہ سمجھ سکتا تھا ان دونوں میں دوبار اس کا سامنا سعید احمد سے ہوا تھا اور ہر بار سعید احمد کترا کر نکل گئے تھے۔ وہ زارون سے بے حد شرمندہ تھے۔
وہ سگریٹ لینے کو رکا تھا۔ مطلوبہ برینڈ کے سگریٹ خرید کر وہ واپس ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا پھر پہلے سگریٹ سلگایا اور پھر جب ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کرنے لگا تو ایک مضبوط ہاتھ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس نے بے حد تعجب و ناگواری سے سر اٹھا کر دیکھا۔
"ارے علی بھائی۔"
"سو فیصد علی بھائی۔ ماشاء اللہ بڑے اچھے حالوں میں نظر آرہے ہو۔ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔" علی نے بھرپور نظروں سے اس کا اور اس کی سلور گرے کرولا کا جائزہ لیتے ہوئے لطیف سا طنز کیا وہ جھینپ کر اس کے گلے لگ گیا۔

"اب ہونا تو یہ چاہیے کہ یہیں کھڑے کھڑے میں تمہاری طبیعت صاف کروں جانتے ہو ہارون کتنا پریشان رہا ہے صرف تمہاری وجہ سے؟ لیکن خیر ابھی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد گیارہ بجے کی فلائیٹ سے میں کراچی جارہا ہوں اور۔۔۔ اور تم بھی میرے ساتھ جارہے ہو۔" علی کا لہجہ دوٹوک اور حکمیہ تھا زارون بری طرح بوکھلا گیا۔
"لیکن علی بھائی۔۔۔"
"زارون میں کوئی بھی ایکسکیوز سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے اور بس۔۔۔ جانتے ہو ہارون پچھلے چار روز سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا خدا کا شکر ہے کہ زندگی سلامت ہے مگر دائیں پنڈلی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ مجھے یہاں لاہور میں ایک میڈیکل کانفرنس اٹینڈ کرنی تھی اسی سلسلے میں آیا ہوا ہوں یا شاید خدا نے تم سے ملنے کا وسیلہ بنا دیا۔"
علی نے اپنا بریف کیس پچھلی سیٹ پر رکھا اور خود اس کے برابر میں آبیٹھا۔ زارون نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا مگر پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔
"علی بھائی۔"
"ہوں۔"
"وہ۔۔۔" زارون جھجکا "رومیصہ بھابھی کیسی ہیں؟"
"یہ سلسلہ تو کب کا ختم ہوچکا یار!۔۔۔ ہم نے تو دونوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔"
"اوہ۔" اس نے کسی بھی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا البتہ اندر ہی اندر ڈھیروں سکون اتر آیا تھا اب وہ بڑے آرام سے اپنے گھر جاسکتا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"علی بھائی۔۔۔ جسٹ اے منٹ۔" کار ایک طرف پارک کر کے وہ سڑک عبور کر کے ٹیلی فون بوتھ کی طرف آ گیا۔ اس کی سوچ دو مختلف سلسلوں میں بٹ چکی تھی۔

بے دھیانی سے والٹ نکالا پھر کالنگ کارڈ۔۔۔ اس کی انگلیاں ایک مانوس نمبر ملا رہی تھیں۔

"داور۔۔۔ ہیلو ہاں یار میں بات کر رہا ہوں۔"

"آخاہ تبریز صاحب! کیوں جناب راوی چین ہی چین لکھتا ہے؟"

"راوی تو نہیں البتہ سندھ چین ہی چین لکھ رہا ہے۔" اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا تھا۔

"ایں۔ ادھر سے ہو کر آ رہے ہو؟"

"ہوں بری حالت میں ہے وہ منت سماجت کر رہی تھی کہ اگر میں اسے چھوڑ دوں تو وہ مجھ سے شادی کرے گی۔"

"ارے ہاہاہا۔۔۔ پھر کیا خیال ہے۔ کچھ غور و خوض کرو اس آفر پر سوچ سمجھ کر جواب دے دینا۔"

"ہوں مائی فٹ۔" اس کے لبوں پر زہر خند نمایاں ہوئی۔

"تم اسے گھر پہنچانے کا بندوبست کرو میں آج کراچی جا رہا ہوں اس کے گھر بھی خبر بھجوا دوں گا دو روز بعد اسے پہنچا دینا۔ اس کے پیرنٹس کو مجھ پر جتنا بھروسہ ہے۔ وہ نام لے بھی تو وہ یقین نہیں کریں گے پھر کراچی روانگی سے تو یوں بھی شک کی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ویسے کراچی میں کتنے دن کا قیام رہے گا؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لالہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے شاید بہت دن رکوں۔"

"لالہ؟"

"بڑے بھائی ہیں میرے۔"

"ہوں پہلے تو تم نے کبھی ذکر نہیں کیا خیر تم فکر نہ کرو ادھر کی نہ ہی ادھر کی میں پہنچا دوں گا۔"

"تھینکس یار بڑی مدد کی تم نے میری۔"

"ارے پھر وہی غیریت یاروں کے لیے تو جان بھی قربان ہے۔"

زارون تشکر سے مسکرایا اور مزید دو ایک باتوں کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔

"چلئے علی بھائی پہلے میں آپ کو ڈراپ کرتا ہوں پھر آفس جاؤں گا۔ ابھی تو کراچی کے لیے سیٹ بھی بک کروانی ہے۔"

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

☆ ☆ ☆

سعید احمد کے دروازے پر جھولتا بڑا سا تالا دیکھ کر وہ بری طرح چونک گیا۔

"دو ہفتے ہو گئے ہیں انہیں یہاں سے گئے۔ امی بتا رہی تھیں شاید دھرم پورہ میں مکان لیا ہے ویسے حیرت ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ کو بھی یہ بات نہیں پتا۔" پڑوس کے عدیل نے اسے مطلع کرتے ہوئے حیرانی کا اظہار کیا۔ "پوچھنا تو نہیں چاہیے ہے تو خاصا ذاتی سوال مگر میرے ذہن میں کافی دنوں سے تھا۔ ماہا بابل کی شادی تو آپ سے ہونی تھی ناں تیمور بھائی لیکن میں نے تو سنا ہے کہ ان کی شادی ہو چکی ہے۔ امی بتا رہی تھیں اور میرے ابو بھی سعید انکل کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں ناں۔"

گاڈ! یہ عدیل بھی عجیب لڑکا تھا بال کی کھال نکالنے میں عورتوں سے بھی زیادہ تیز۔

وہ دو ہفتوں بعد کراچی سے لوٹا تھا اور اس عرصے میں کیا کچھ ہو چکا تھا۔ ماہا کی شادی اتنی آسانی سے بھلا کیسے ہو سکتی ہے بھلا کوئی ایسی لڑکی جو اتنے دن گھر سے باہر گزار آئی ہو سے کیسے کوئی شادی کر سکتا ہے کاش ایسا نہ ہوا ہو ورنہ میرا سارا پلان الٹا ہو جائے گا میں تو چاہتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں رہ کر تڑپتی رہے اور بہت مجبور ہو کر میرے قدموں میں آگرے لیکن۔۔۔

اس نے ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو اگلا ایڈریس سمجھایا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اگلی منزل جوہر ٹاؤن کی وہ کوٹھی تھی جہاں انہوں نے ماہا کو رکھا تھا۔

اصل میں اس کا شناختی کارڈ کہیں کھو گیا تھا اور نجانے کیوں لاشعور کی کوئی گہرائی اسے اس طرف کا اشارہ کر رہی تھی۔

حیات بابا ہمیشہ وہیں موجود رہتا تھا اس لیے اس نے داور سے رابطے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر کے وہ اندر چلا آیا۔ یہ اگلا حصہ تھا اور اس کے پچھلی جانب انیکسی نما حصہ تھا اور وہیں انہوں نے ماہا کو رکھا تھا۔

پورٹیکو میں داور کی گاڑی کھڑی تھی اور ٹائروں پر لگی تازہ گیلی مٹی کہتی تھی کہ داور بھی وہیں موجود ہے۔ تصدیق حیات بابا نے کر دی اور اسے بیڈ روم کی راہ دکھا کر خود باہر چلا گیا۔ زارون کو ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوئی اصل میں داور سے اس کی خاصی فرینکنس ہو چکی تھی پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہاں اس کی فیملی رہائش پذیر نہیں ہے۔

بیڈ روم کا دروازہ نیم وا تھا وہ اندر داخل ہو گیا زمین پر کارپٹ بچھا تھا تبھی آواز پیدا نہ ہو سکی۔ داور کھڑکی کے پاس کھڑا سیل فون پر کسی سے محو کلام تھا۔ زارون نے داور کو متوجہ کرنے کے لیے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا مگر بے ساختہ رک گیا۔

"ہاں وہ تیمور علوی۔۔۔ ہاں ہاں اس کی کوئی تھی۔ جینئس تو نہ کہو میرے نزدیک تو اس سے بڑا احمق کوئی نہیں یار! اچھا خاصا خزانہ لوٹا آیا۔۔۔ بھئی واہ اتنی مدد کی تھی۔۔۔ کچھ حق تو ہمارا بھی بنتا ہی تھا۔۔۔ یوں سمجھو بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے ہیں۔۔۔ ہاہاہا خدا کی قسم کیا لڑکی تھی اتنے دن گزر گئے پر میرا تو نشہ ہی نہیں اترا وہ تیمور الو کا پٹھا تو کراچی گیا تھا۔ ہمارے لیے تو اللہ نے خود بخود راستہ بنا دیا۔ ایگزیکٹلی پیکنگ تو ہم نے ہی کھولی تھی۔"

ایک اور قہقہہ۔

"او نہیں فاروقی یار! بتایا ناں ابھی تک اسی شراب کا نشہ نہیں اترا بائی گاڈ! کیا لڑکی تھی میں نے اتنا شاندار فگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آج تک نہیں دیکھا تھا ـــــ اصل ہمیشہ اصل رہتا ہے تم نے اسے دیکھا ہوتا تو سلمٰی ہائیک کو بھول جاتے ـــــ"

اس پر تو گویا ہفت آسمان گر گئے ساعت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اسی پل داور ہنستے ہنستے مڑا وہ اب نہایت فصاحت سے ماہا کو واضح کر رہا تھا۔ زاورن کو دیکھ کر اس کی ہنسی کو دھچکا لگا۔

"ہاں فاروقی میں تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں ـــــ ارے تبریز آؤ ناں دروازے میں کیوں کھڑے ہو"بوکھلا کر وہ اس کی جانب بڑھا زاورن نے مشتعل انداز میں اس کے ـــــ گاؤن کا گریبان پکڑ کر ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر جڑا۔

داور کو اس افتاد کی توقع نہ تھی۔ وہ دروازے کے سامنے پڑے بیڈ پر گرا اس کے بعد گویا زاورن پاگل ہو گیا اس نے داور کو روئی کی طرح دھنکنا شروع کر دیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے اس جرم کی سزا دلوانے میں کامیاب ہو جاؤ گے ارے واہ ایسی خام خیالی تم جیسے احمق کی ہی ہو سکتی ہے۔ جرم بھی ایسا جس کا کوئی ثبوت تمہارے پاس نہیں ہے لیکن میرے پاس تمہارے ہر جرم کا ثبوت موجود ہے۔ اتنی بات یاد رکھنا تبریز! میرے خلاف کوئی بھی اسٹینڈ لینے کی صورت میں نقصان صرف تمہارا ہی ہوگا۔

وہ کیا تمہاری بہن لگتی تھی جس کی بربادی پر اتنا بھڑک رہے ہو اور میں نے ایسا غلط بھی کیا کیا ہے۔ تم اسے اس کی نظروں میں گرانا چاہتے تھے اور یہ میں نے کر دیا۔ انصاف سے کہو کیا تم ایسا نہیں چاہتے تھے"

آتی جاتی ہوا داور کی آواز میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"نہیں میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔" دل نے شرمندگی سے اعتراف کیا۔ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

☼ ☼ ☼

سامنے والے صوفے پر براجمان سعید احمد بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ نظر ملنے پر دونوں نے بوکھلا کر نگاہ چرائی اور چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں پھر سے پرسوچ سکوت بکھر گیا۔

"آپ خیریت سے ہیں انکل؟" اس نے بمشکل خود کو بولنے پر آمادہ کرتے ہوئے ایک بار پھر وہی سوال کیا جو پہلے بھی دوبار پوچھ چکا تھا۔

"شکر ہے خدا کا گزر رہی ہے۔ آپ یہ چائے لیجئے بیٹا! ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" ان کے لہجے میں جرم کے احساس تلے دبے ہوئے نفس کی سی عاجزی تھی۔ "اس طرح سے بات مت کریں انکل۔ اتنا احترام اتنا پیار ـــــ میں کہاں اس قابل ہوں۔ آپ کو تو فرض ہے کہ مجھے ماریں ـــــ مجھے گالیاں دیں۔ میں تو گنہگار ہوں آپ کا ـــــ آپ کو برباد کر دیا آپ کی بیٹی کو تباہ کر دیا ـــــ معافی مانگنے آیا تھا آپ سے مگر مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ میں بہت مجبور ہو چکا ہوں انکل۔"

اس سے نظریں بھی نہ اٹھائی گئیں۔ مجرم ہو کر بھی معتبر بنے رہنا عجیب احساس تھا اور اس احساس نے ہی اب اسے زندگی گزارنے کا حوصلہ فراہم کرنا تھا۔ پھر اس کے احساس گناہ پر مصروفیت کا پردہ پڑتا چلا گیا جب کبھی ماہا کا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خیال آتا تو گلے کئی روز وہ اسی ڈسٹرنس میں گزار دیتا۔

یہ کیا جذباتیت تھی۔ میں تو خود کو بڑا زیرک اور باشعور سمجھتا تھا مگر یہ کیا ہوا اپنی ہی ذات کا سارا اختیار خاک میں ملا دیا۔ نجانے وہ کس حال میں ہوگی۔ وہ غلط تھی ٹھیک ہے کہ میں اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر اس انداز سے نہیں میں جانتا تھا کہ اب کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا اور جب میں بہت احسان کرتے ہوئے اس سے شادی کروں گا تو اس کا سر ہمیشہ کے لیے میرے قدموں تلے آجائے گا۔

وہ تو عباس غوری کو بھی اس کی دھمکیوں کا مزہ چکھانا چاہتا تھا مگر پھر وہ سوڈان چلا گیا۔ ایک لمبا عرصہ وہاں گزارا وہیں شادی کی۔ مریم وہیں کی رہنے والی تھی اس کا تعلق ایک مسلمان گھرانے سے تھا۔ دیکھا جاتا تو اس کا ذہن کئی حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا مگر دل و دماغ کا ایک مخصوص کونا خاموش راتوں میں روشن ہو کر ستانے لگتا تھا ندامت، پچھتاوے، ملال کیا تھا جو اس کے دل میں گھر نہیں کر چکا تھا۔

کسی ایسے ہی نامراد لمحے میں اسے ڈرنک کی لت لگ گئی تھی۔

کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر خود فراموشی کی اس کیفیت میں اس کے لیے بڑا سکون ہوتا تھا۔

ہارون لالہ سے جب بھی بات ہوتی وہ پاکستان آنے کے لیے کہتے دوسری طرف مریم کا اصرار اس کی پیدائش پاکستان میں ہوئی تھی مگر بچپن میں اس کے والدین سویڈن (اسٹاک ہام) میں سیٹل ہو گئے تھے۔ مریم کو اپنا آبائی وطن دیکھنے کا اشتیاق تھا۔

"فروری چل رہا ہے۔ پاکستان میں موسم خوشگوار ہوگا۔" اس کے سسر نے ایک روز اس سے کہا۔ "تم اور مریم پاکستان کیوں نہیں ہو آتے۔ مریم کو بہت شوق ہے پھر اپنے ددھیال اور ننھال والوں سے مل کر اس کا دل بھی بہل جائے گا۔"

بہل جانے سے کیا مراد تھی؟ وہ بخوبی سمجھ چکا تھا۔ شادی کو دو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کے یہاں اولاد نہ تھی فی الحال ایسا کوئی خوش آئند چانس بھی نہ تھا۔ مریم کو بچے کی بہت خواہش تھی لیکن طرفین کی رپورٹس درست ہونے کے باوجود کوئی چانس نہ تھا۔ وہ ہر دفعہ مریم کو بے تاب دیکھ کر عجیب سے احساسات میں گھر جاتا تھا۔

"کیا میری کسی غلطی کی سزا اس لڑکی کو ملے گی؟"

اس احساس ندامت سے بچنے کے لیے وہ مریم کو پاکستان لے آیا مگر اسے بالکل بھی معلوم نہیں تھا کہ اسے ایک بار پھر بدترین دھچکا لگنے والا ہے۔

پشاور میں مریم کی خالہ مقیم تھیں۔ مریم کے فرسٹ کزن نے اپنی منگنی کی سیلیبریشن کے سلسلے میں ڈنر ارینج کیا تھا وہ لوگ بہت اصرار سے ان دونوں کو بھی لے گئے تھے۔ زارون نے کوئی کال ریسیو کرنے کے بعد نہایت بے دھیانی میں موبائل فون گاڑی کے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا تھا۔

"خاور! ذرا گاڑی کی چابی دینا آئی تھنک میں نے ڈیش بورڈ پر سیل رکھا تھا۔" اس نے مریم کے کزن کو مخاطب کیا گاڑی میں سے موبائل لے کر اس نے دروازہ لاک کیا اور پلٹا تو۔۔۔ اتنی غیر متوقع صورتحال کی امید تو خیر اس نے کبھی بھی نہیں کی تھی۔ آخر یہ دنیا اتنی چھوٹی کیوں ہے؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دوستی کا رشتہ بھی اہم ہوتا ہے اتنے عرصے بعد ملاقات ہوئی ہے۔ گلے نہیں ملو گے؟" یہ وہی چہرہ وہی آنکھیں مگر انداز مختلف۔ لفظوں میں شوخی نہ لہجے میں کھنک بدقت مسکراتے ہوئے وہ کسی اور ہی زین سے گلے ملا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"ایک دوست کی بارات کے ہمراہ آیا ہوا ہوں۔ اسی ہوٹل کے بیس منٹ ہال میں ارینج ہے۔" زین نے جواب دیا۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔" وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک کونے کی میز منتخب کی اور مقابل بیٹھ گئے۔ بہت فاصلے پر مریم کے کزنز نے شور مچا رکھا تھا۔

وہ دونوں مقابل بیٹھے بہت سوچ سوچ کر گفتگو کر رہے تھے دونوں کے دل میں پچھلے دنوں کی چاہ تھی اور دونوں ایک دوسرے سے نگاہ چرا رہے تھے۔ اسی دم مریم اس طرف آگئی زارون نے تعارف کروایا۔

"مریم! میں کچھ دیر زین کے ساتھ بیٹھنا چاہتا ہوں پلیز آپ لوگ انجوائے کریں۔"

"شیور۔" مریم مسکرا کر واپس چلی گئی۔

"ماما کیسی ہے؟" اچانک اس کے لبوں سے نکلا زین نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور افسردگی سے مسکرا کر دوسری سمت میں دیکھنے لگا۔

"پتا نہیں۔۔۔ میری ملاقات نہیں ہوئی اس سے۔"

ان دونوں کے مابین گہری خاموشی چھا گئی۔ اس سے قبل ان دونوں کے مابین خاموشی سے ہی ایک معاہدہ طے پا تھا اور اب اس معاہدے کی خلاف ورزی ہو چکی تھی۔

"سب اسے بھول جانا چاہتے ہیں پھر تم کیوں اسے یاد رکھے ہوئے ہو؟"

"سب کہتے ہیں کہ وہ غلط تھی مگر مجھے یقین نہیں آتا تبریز میں اپنی بہن کی پارسائی کا حلف اٹھا سکتا ہوں وہ معصوم ضرور تھی مگر بیوقوف نہیں۔

ابو جی کہتے ہیں کہ اس نے غلطی کی ہے اور اب اس کی سزا بھگت رہی ہے کیا تمہیں بھی ایسا نہیں لگتا ہے تبریز کہ وہ غلط تھی

"غلط وہ نہیں بلکہ غلط تم سب تھے۔ اس کی بات مان لیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔" اس نے نظر اٹھائی اور بری طرح سٹپٹا گیا۔ زین بہت کھوجتی ٹٹولتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بتاؤ ناں تبریز! کیا تمہیں بھی ایسا ہی لگتا ہے؟" زین نے پھر پوچھا زارون نے خود پر اعتماد طاری کرتے ہوئے نگاہوں کا زاویہ بدل کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"اب ان باتوں کو دوہرانے سے کیا فائدہ؟"

"ہاں کوئی فائدہ نہیں بس تم اتنا اعتراف کر لو کہ جو کچھ ہوا اس میں تمہارا بھی برابر کا حصہ تھا۔" زارون کے سب پر جیسے کسی نے پوری شدت سے گھونسا رسید کیا تھا۔

"جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو زین۔" اپنی کیفیت چھپانے کو وہ تڑخ کر بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مجھے لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں ابھی خراب نہیں ہوا۔" زین نے گہری سانس بھر کر کرسی کی پشت سے کمر ٹکائی اور دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ خراب ہو جائے تاکہ میں کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہوں۔ تم ندامت کی بات کر رہے ہو تبریز! اب تو خون کے رشتوں پر بھی شک ہونے لگا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا تھا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمارا سارا گھرانہ برباد ہوا ہے۔ کاش میں گزرا وقت واپس لا سکتا۔۔۔ میں نہیں مان سکتا کہ میری بہن "بد کردار" ہے۔۔۔" بولتے بولتے اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

زارون نے اس کی پلکوں پر نمی دیکھی تھی۔

"سنو! کیا تم لاہور آ سکتے ہو۔" اچانک اس نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"محتشم بھائی ملنا چاہتے ہیں تم سے۔" زین نے کہا۔

"وہ تم سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔"

"معافی۔۔۔ مگر وہ کس لیے؟"

"وہ کہتے ہیں کہ عباس غوری کے نام سے وہی تمہیں فون کیا کرتے تھے اصل۔۔۔ وہ انٹرسٹڈ تھے ماہا میں۔۔۔ شادی کرنا چاہتے تھے اس سے۔۔۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ محتشم بھائی۔۔۔ ہاسپٹل میں ہیں وہ روڈ ایکسیڈنٹ میں ٹانگیں بھی ضائع ہو چکی ہیں۔ آج کل انہیں اپنی ساری غلطیاں یاد آنے لگی ہیں، ہم سب سے بھی معافی مانگ رہے تھے کہتے ہیں تمہارے ساتھ انہوں نے ماہا کو بھی مس گائیڈ کیا تھا یہ کہہ کر کہ تم شادی شدہ ہو۔"

زین اور بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ اور زارون دم بخود اسے سن رہا تھا۔

اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ بڑھ کر زین کے کندھے پر تسلی آمیز ہاتھ رکھے احساس ندامت بڑھ کر احساس گناہ میں بدل گیا تھا ایک اور بوجھ زندگی بھر کے لیے۔

✲ ✲ ✲

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس سے نگاہ اٹھا کر دیکھا ہی نہیں گیا دل میں امنگ نہ ہو تو نگاہیں کیا کریں؟ لاؤنج میں گہرا سناٹا تھا مگر اس سناٹے میں کچھ نامانوس سی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ تاریکی سے اچانک روشنی میں آجائیں یا روشنی کے بعد اچانک تاریکی سہنا پڑ جائے تو انسان حیرت سے گم صم ہو جاتا ہے۔ اس کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ اصل میں اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کے اردگرد اجالا ہے یا تاریکی۔

ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے سر اٹھایا پھر کرب سے آنکھیں موند لیں۔

مرد تو کسی دور میں بھی روتا ہوا اچھا نہیں لگتا اور زارون تبریز علی نہ صرف رو رہا تھا بلکہ گڑگڑا بھی رہا تھا بہت سے کرب ناک انکشافات کے بعد وہ اس سے معافی کا طلب گار تھا۔

"میری غلطی بھی بڑی ہے اور مجھے اس غلطی کی سزا بھی مل رہی ہے سکون نام کو نہیں ہے میری زندگی میں۔۔۔ میں تمہیں ایسی سزا دینا چاہتا تھا جو کسی کو دکھائی نہ دے مگر تم ہر پل تڑپتی رہو۔ مجھے دیکھو ماہا! قدرت نے یہ سزا میرے لیے منتخب کی ہے۔ میں کھل کر ہنس نہیں پاتا میں سانس بھی لوں تو گناہ کا احساس ہوتا ہے۔ اور مجھے اس احساس سے صرف تم نکال سکتی ہو۔ دیکھو میرے ہاتھ بندھے ہیں تمہارے سامنے۔۔۔ میں تمہارے پاؤں پکڑنے کے لیے بھی تیار ہوں بس تم مجھے معاف کر دو۔۔۔ خدا کے لیے معاف کر دو۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اور دل میں درد ضرور تھا مگر یہ سب تبریز کے لیے نہیں بلکہ خود اس کی ذات کے لیے تھا۔

کیسا پر اذیت موڑ تھا زندگی کا جہاں فیصلہ کرنا بھی مشکل تھا۔

اس تمام عرصے میں غم سے بوجھل لمحوں میں اس کے دل سے تبریز علوی کے لیے نفرت بھری بددعائیں نکلی تھیں۔ وہ کبھی اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور اس کی نفرت اس قدر شدید تھی کہ اگر درمیان میں ہارون نہ آتے تو وہ اس شخص کا چہرہ ہی نوچ ڈالتی۔

آہ۔۔۔ اور کاش! درمیان میں واقعی ہارون نہ ہوتے۔ ہارون سے اس کی محبت شدید تھی اور تبریز سے اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رت اور نفرت اور محبت میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب بے حد مشکل ہوتا ہے۔

اسے نہیں پتا تھا کہ کمرے میں تنہا لیٹے اسے کتنی دیر گزر چکی ہے معاً دروازہ کھلنے کی آواز نے اسے متوجہ کیا۔
ں نے گردن گھما کر نہیں دیکھا مگر خوشبو سے پہچان گئی اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ وہ ہارون تھے اندر داخل ہوئے۔
یے بس پل بھر کو اس کی نگاہیں ٹکرائیں اور ہارون نے سرعت سے زاویہ نگاہ بدل لیا۔ ماہا کے لیے ان کا یہ روپ
اور تکلیف دہ تھا۔ ماہا کی آنکھ سے ایک بے قرار سا آنسو ٹپک گیا۔ یہ فیصلے کی منحوس گھڑیاں! ابھی یہ شخص مجھ سے
لیے گا کہ میں اس کا گھر چھوڑ دوں کیونکہ۔۔۔ کیونکہ یہ اپنے بھائی سے بہت پیار کرتا ہے۔ اس کے چہرے پر جو دکھ

ہے وہ میرا نہیں بلکہ اس کے بھائی کا ہے۔
مگر یہ شرمندگی کیسی؟ یہ مجھ سے نگاہ کیوں نہیں ملا رہا؟ یہ اپنے بھائی کے کرتوتوں سے واقف تھا پھر مجھ پر ایک
در ظلم کیوں کیا؟ اتنی محبت نہ دی ہوتی تو خلش بھی نہ ہوتی۔ پہلے ماں باپ نے اتنی محبت دی جو اس شفقی کی وجہ
سے چھین لی گئی پھر ہارون کی محبت ملی تو پھر یہ درمیان میں آ گیا۔
اے اللہ! کون قصوروار ہے؟ میں کیا جانوں۔ بس اسی قدر خبر ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے مجھے کہیں کا نہیں

چھوڑا۔
اس کا دل چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے اور اس شخص کا گریبان پکڑ کر اس دوہرے ظلم کا حساب مانگے۔ مگر وہ
بہت زور زور سے نہیں رو سکی اس کی دبی دبی سی سسکیاں خاموش فضا کو بوجھل کرنے لگی تھیں۔

"ماہا۔" اسے لگا وہ مدت بعد ہارون کی آواز سن رہی ہے۔
"فار گاڈ سیک ماہا۔۔۔ اس طرح سے مت روؤ۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"
"آپ نے ایسا کیوں کیا ہارون؟۔۔۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
"ہاں مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" بہت دیر بعد ہارون نے افسردگی سے کہا۔
ان کی آواز و لہجہ میں اس قدر پچھتاوا اور ملال جھانک رہا تھا کہ وہ سب بھول کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔ آنسوؤں
کی چادر کے اس پار ہارون کے جھکے ہوئے سر نے اسے عجیب ناپسندیدہ احساسات میں مبتلا کیا تھا۔
"بلیو می ماہا! اگر مجھے ذرا بھی احساس ہوتا کہ تم وہی لڑکی ہو جو میرے بھائی کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہو تو
میں تم سے کبھی شادی نہ کرتا۔
تم سے شادی کا فیصلہ میں نے کسی ہمدردی میں نہیں کیا تھا بلکہ میں تو ایک بے آسرا لڑکی کو اپنا کر اپنے بھائی کی
غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید اس طرح سے خدا میرے بھائی کی غلطی معاف کر دے گا اور وہ
اذیت کی اس کیفیت سے نکل آئے گا جس میں کئی برسوں سے ہے مگر۔۔۔" ہارون نے توقف کیا۔
"مگر میں بھول گیا تھا کہ خدا کتنا ہی رحیم و کریم سہی مگر جب تک انسان معاف نہ کرے خدا بھی نہیں کرتا۔"
ارڈروب کے قریب کھڑے ہارون بہت دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔

جانتا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہو جائے گی کیونکہ تم سے محبت میری شعوری کوشش کا نتیجہ تھی اور اب

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جب کہ میں کوئی کوشش نہیں کرتا تو بھی میں خود کو تم سے محبت کرنے کے لیے مجبور پاتا ہوں۔ تمہاری تکلیف میری تکلیف بن چکی ہے ماہا! تمہارا دکھ میرا دکھ ہے مگر اس محبت کے باوجود میں تمہارے لیے زارون کو نہیں چھوڑ سکتا ماہا! ــــ یہ درست ہے کہ اس نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا مگر ــــ مگر اس نے جو کچھ کیا وہ اس کی سزا بھگت رہا ہے ضمیر کی ملامت سے بری چیز تو اور کوئی بھی نہیں ہوتی تم ہم اسے معاف کردو ماہا! وہ بہت تکلیف میں ہے۔"

"ہاہ۔" اس کے لب پھیل گئے۔

"آپ نے ایک بار بھی اس تکلیف کے بارے میں سوچا ہے ہارون! جس سے میں گزری ہوں۔" اس کی آواز کسی سرگوشی سے مشابہت رکھتی تھی۔

"کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں ماہا!" معاً ہارون نے بہت ملتجی انداز میں اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"لیکن میں اس محبت سے ہارنا نہیں چاہتی ہارون!" ہارون نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر ساتھ لگا لیا تھا۔ اس لمس میں کس قدر سکون تھا۔ وہ مضبوط شانے پر سر ٹکائے سسکنے لگی تھی۔

"محبت تو کبھی نہیں ہراتی ماہا! محبت تو دلوں میں وسعت پیدا کرتی ہے۔" ہارون کے مضبوط بازوؤں کی گرفت اس کے گرد کچھ اور مضبوط ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو تو کیا اسی محبت کی خاطر تم زارون کو معاف نہیں کر سکتیں۔ یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا ایسا احسان جس کا بوجھ تا زندگی میرے کاندھوں پر رہے گا۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو ــــ" اس نے یکدم سر اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔

بس پل بھر کی بات تھی ہارون کی نگاہوں میں موجود سبھی جذبے اڑنچھو ہو گئے تھے ہارون نے اپنے بازو بھی ہٹا لیے تھے۔

"تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" ہارون نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں مانتا ہوں کہ زارون نے غلطی کی تھی مگر اس غلطی میں وہ تنہا نہیں تھا تمہارا کزن بھی اتنا ہی قصوروار رہا ہے جتنا کہ زارون ــــ تم اسے معاف نہیں کرنا چاہتیں مت کرو۔ میں تم سے ساری زندگی یہ نہیں کہوں گا کہ تم اس سے ملو مگر میں کبھی اس سے ملنا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہاری نفرت اور ناپسندیدگی کے باوجود ہم بھائیوں کے رشتے میں کوئی دراڑ نہیں آئے گی البتہ ــــ البتہ اگر کبھی تم اپنی زبان پر زارون کا نام لائیں تو یاد رکھنا ماہا ــــ وہ ہمارے تعلق کا آخری دن ہوگا۔"

اس نے ہارون کو تیزی سے باہر کی طرف جاتے دیکھا کمرے کی خاموشی اس کے اعصاب پر کوڑے کی مانند برس رہی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی وہ بے آواز رو رہی تھی اسے ایک کہانی یاد آ رہی تھی۔ بڑی عجیب سی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک لڑکی تھی۔ وہ اپنے بہت چاہنے والے اور جاں نثار کرنے والے ماں باپ بھائیوں کے ساتھ بڑی پر سکون زندگی گزار رہی تھی۔ پھر اس کی زندگی میں ایک شہزادہ چلا آیا اور اس شہزادے نے لڑکی کی زندگی ایک بار پھر خوشیوں سے بھر دی مگر یہ بات پہلے شہزادے کو پسند نہ آئی اور وہ ایک دفعہ پھر لڑکی کو تنہا کر دینا چاہتا تھا مگر ــــ مگر ماہا اس کہانی کا کردار نہیں بننا چاہتی تھی تبھی اس نے ایک فیصلہ کر ڈالا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میں اسے کیسے معاف نہیں کروں گی ہارون! میری زندگی کا کل اثاثہ اب صرف آپ ہیں اور میں اس اثاثے کو کھونا نہیں چاہتی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ نے غلط کہا تھا کہ محبت ہراتی نہیں ہے دیکھئے میں ہار گئی ہوں۔"

وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"آپ محبت کی بات نہ کرتے ہارون تو میں اسے کبھی معاف نہ کرتی۔ ٹھیک ہے کہ مجھے اس فیصلے سے کچھ اذیت ہوگی بلکہ بہت اذیت ہوگی مگر کیا فرق پڑتا ہے آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی اور آپ کے لیے میں ہر اذیت سہنے کو تیار ہوں ہارون! کیونکہ ــــ کیونکہ آپ تو میرا آخری جزیرہ ہیں ــــ آپ کو کھو کر تو زندگی ہی نہ رہے گی پھر نفرت کیسی۔"

وہ افسردگی سے مسکرائی اور کمرے سے نکلنے سے قبل آنکھ میں آیا آخری آنسو بھی پونچھ دیا تھا ہمیشہ کے لیے

The End.

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM